خطبات حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
کی مؤثر اور انقلاب آفریں تقریروں کا اہم مجموعہ

رحمت دو عالم

امت کے ساتھ رحمت ومہربانی
تذکرہ رسول رحمت اوران کی نعمت
بے بہا کا تذکرہ
دل کے نور کی وجہ سے عزت واکرام
حقیقی امن
علم کی فضیلت اور خشیت الٰہی
ملت ابراہیم



زمزم بک ڈپو دیوبند

خطبات حکیم الامت جلد ۹

رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترتیب

محترم صوفی محمد اقبال قریشی مدظلہ العالی

تسہیل عنوانات حضرت مولانا محمد عظیم صاحب فیض آبادی مدظلہ العالی

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند

تفصیلات

نام کتاب	:	خطبات حکیم الامت جلد ۹
از	:	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
تسہیلِ عنوانات	:	حضرت مولانا محمد عظیم صاحب فیض آبادی مدظلہ العالی
صفحات	:	۴۰۰
تعدادِ اشاعت	:	۱۱۰۰
تاریخ اشاعت	:	اکتوبر ۲۰۰۶ء
باہتمام	:	اسعد الواجدی
قیمت	:	

ناشر

زمزم بک ڈپو دیوبند

رحمتِ دو عالم ﷺ

جلد ۹

اجمالی فہرست

۱- وعظ الرَّحمۃ عَلَی الاُمَّۃ امت کے ساتھ رحمت ومہربانی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

سورۃ آل عمران

۲- وعظ شُکر النعمہ بذکر الرَّحمۃ الرَّحمۃ تذکرۂ رحمتِ رسول اور اس کی نعمت بے بہا کا شکریہ

لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾

سورۃ التوبہ

۳- وعظ الحبور لنور الصُّدور دل کے نور کی وجہ سے عزت واکرام

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰۗىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

سورۃ الروم

۴- وعظ السلامُ التحقیقی حقیقی امن

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

سورة آل عمران

۵- وعظ فضائل العِلم والخشية علم کی فضیلت اور خشیت الٰہی

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

سورة التوبه

٦- وعظ مِلّتِ اِبراھیم ملت ابراہیم

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

سورة الروم

فہرست

۱- وعظ الرّحمة علی الامّة امت کے ساتھ رحمت و مہربانی

۲- وعظ شکر النعمہ بذکر الرّحمۃ الرّحمۃ تذکرہ رحمت رسول اور اس کی نعمت بے بہا کا شکریہ

۳- وعظ الحبور لنور الصدور دل کے نور کی وجہ سے عزت واکرام

۴- وعظ اَلسَّلَامُ التحقیقی حقیقی امن

۵- وعظ فضائل العلم والخشیة علم کی فضیلت اور خشیت الٰہی

۲- وعظ مِلّتِ ابراہیم ملت ابراہیم

الرَّحْمۃ عَلَی الامَّۃ

امت کے ساتھ رحمت و مہربانی

مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ ہجری کو بیٹھ کر اور کھڑے ہو کر بیان فرمایا جو کل ۳ گھنٹے جاری رہا۔ وعظ تقریباً ایک سو افراد نے سنا جبکہ مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلی نے اسے قلمبند کیا۔

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

امابعد- فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم- فبمارحمة من اللہ لنت لھم ولوکنت فظاغلیظ القلب لا نفضوا من حولک فاعف، عنھم واستغفرلھم وشاور ھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین-

(یعنی بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں تو خدا پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ تعالی ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں)

حضرات صحابہ کرامؓ سے خصوصی برتاؤ کا حکم

اس آیت مقدسہ میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو امر کیا گیا ہے اپنے خادموں یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ بعض معاملات میں خاص برتاؤ کا۔ یہ تو خلاصہ آیت کا ہے اور وجہ اس مضمون کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ بعض مہمانوں نے درخواست کی تھی وعظ کی اور خیال تھا کہ اس سے قبل وعظ میں جس آیت کا بیان ہوا تھا یعنی قد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمٰت الی النور (یعنی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں

سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) اسی کا اس وقت بھی بیان کرنا جس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہادی کامل ہونا بیان کیا گیا ہے کیونکہ پہلے بیان میں تمہید ہی اتنی طویل ہو گئی تھی کہ اصل مقصود مختصراً بیان ہوا اور خیال تھا کہ کسی موقع پر اس کو دوبارہ بیان کر دوں گا کیونکہ اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات بیان کرنے کو خود ہی جی چاہتا ہے۔

حقیقت ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں پر مخالفین کی ایک نہایت سخت درجہ کی تہمت یہ ہے کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرتے بلکہ غضب یہ ہے کہ وہ لوگ ہم کو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر اور مخالف کہتے ہیں مگر وہ معترضین دراصل ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت نہیں جانتے اس لئے اول میں ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت بتلاتا ہوں اس کے بعد معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تہمت کس درجہ کی ہے اور جو شخص حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد بھی اس بیجا اعتراض سے باز نہ آوے تو اس کا تو ذکر ہی نہیں کیونکہ وہ معاند ہے جس کا کچھ علاج نہیں۔ باقی اہل فہم و انصاف بخوبی واقف ہو جاوینگے یہ اعتراض محض عناد کی وجہ سے بدنام کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترکیب یعنی ذکر کی اضافت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود صراحۃً بتلا رہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آپ کے رسولؐ ہونے کی حیثیت سے کرنا چاہئے جیسا کہ بادشاہ کی سوانح میں دو قسم کے واقعات ہوتے ہیں۔ ایک تو ایسے حالات جو بادشاہی سے تعلق رکھتے ہوں دوسرے وہ حالات جو سب انسانوں کے متعلق ہوتے ہیں مثلاً اس کا تذکرہ کہ فلاں اقلیم میں فلاں شہر میں فلاں جگہ پیدا ہوا اور پیدائش کے وقت یہ واقعات پیش آئے۔ اور اس کا جسم ایسا تھا رنگ ایسا تھا یا اس کا طویل القامت وغیرہ ہونا میں یہ نہیں کہتا کہ یہ باتیں قابل بیان کے نہیں ہیں لیکن اتنا دراز قد ضرور ہے کہ ان کا بیان فی نفسہ سوانح شاہی کا مقصود نہیں لہٰذا اس قسم کے واقعات کا بیان استطراداً کیا جاوے گا کیونکہ سراپا بیان کرنے سے ظاہری حسن تو معلوم ہو جاوے گا لیکن اس سے اس کا بادشاہ ہونا اور یہ کہ کس درجہ کا بادشاہ تھا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ نفس پیدائش اور حسن وغیرہ بادشاہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بادشاہی کے لائق تو یہ باتیں ہیں کہ اس نے اس طریق سے انتظام کیا ایسا منصف تھا ایسا رحم دل تھا رعایا کی خبر گیری کرتا تھا وغیرہ وغیرہ یہ حالات

اصل ہیں سوانح شاہی کہ اگر کسی سوانح میں یہ حالات نہ ہوں تو وہ شاہی سوانح نہیں۔ اس مقام پر میں خواص کو خصوصیت سے متنبہ کرتا ہوں کہ آج کل سوانح عمریاں لکھنے کا لوگوں کو بہت شوق ہو گیا ہے اور جو سوانح عمریاں آج کل لکھی گئی ہیں ان کے سامنے پرانی سوانح عمریاں ہیچ سمجھی جاتی ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کل لوگوں کا مذاق خراب ہو گیا ہے اور اپنے اسی فاسد مذاق کے مطابق انتخاب کرتے اور ترجیح دیتے ہیں چنانچہ سب سے پیشتر تو انتخاب میں شگفتہ کلامی کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اول تو ہم کو یہی تسلیم نہیں کہ متقدمین کا کلام شگفتہ نہیں۔

نئے رنگ کے مصنفین کی تصانیف

دوسرے یہ معیار ہی کیا ہے۔ اصل معیار معنی اور مضامین کی خوبی ہے مگر اس کو اہل فہم ہی سمجھ سکتے ہیں نادان تو فقط الفاظ کو دیکھ کر واہ واہ کرنے لگتے ہیں اسی لئے میں نے خواص کو خطاب میں خصوصیت سے متنبہ کیا ہے کیونکہ وہ فیصلہ کے معیار کو سمجھ سکتے ہیں اور عوام اس معیار کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے اگر وہ ایسی سوانح عمری کو جو شگفتہ عبارت میں لکھی گئی ہو پسند کر لیں تو زیادہ تعجب نہیں مگر حیرت یہ ہے کہ خواص بھی آج کل ایسی ہی سوانح عمریوں کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ بدون حسن معنوی کے تعریف کرنا اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو خمیرہ مرواریدی ہو جو نہایت عمدہ بنا ہوا ہو اور اعلیٰ درجہ کے نفیس نفیس اجزاء رکھتا ہو مگر اس کو سیاہ ڈبہ میں رکھ دیا جاوے۔ اور دوسرا خمیرہ جو بچوں کے بہلانے کے لئے گڑ گھول کر بنا لیا ہے اور اس کا بھی خمیرہ نام رکھ دیا ہے سفید اور شفاف بوتل میں رکھ دیا جاوے تو اب دو قسم کے لوگ ہیں عاقل اور جاہل۔ عاقل تو دونوں کو کھول کر دیکھے گا اور جانچ پڑتال کے بعد خمیرہ مرواریدی کو لے گا اور جاہل جھٹ پٹ چمکتی ہوئی بوتل کو پسند کرے گا۔ بس اسی طرح اس نئے رنگ کے مصنفین کی کتابوں میں عبارتیں تو چٹ پٹی ہیں مگر اندر سے خالی ڈھول کہ مضامین خاک بھی نہیں اور متقدمین کی کتابوں میں مغز ہے روح ہے اس لئے باوجود حال کی سوانح عمریوں کو شگفتہ تسلیم کر لینے کے بھی وہ حقیقت میں قابل ترجیح نہیں اور لفظ پرستوں کی رائے اس باب میں معتبر نہیں اور نیز یہ بات بھی ہے کہ متقدمین کی کتابیں پہلے زمانہ میں اس وقت کے محاورہ کے اعتبار سے شگفتہ بھی تھیں جس کو آج کل معیار ترجیح قرار دیا گیا ہے لیکن محاورہ بدل جانے کے باعث اس وقت اس کی شگفتگی میں فرق آگیا ہے اور اس میں ان کی کیا خصوصیت ہے اب سے پچاس سال کے بعد یہ موجودہ سوانح عمریاں بھی شگفتہ نہ

رہیں گی اور جس طرح اہل فہم ان کو بوجہ حقیقی خوبی کے مفقود ہونے کے پسند نہیں کرتے اسی طرح اس وقت ظاہر بینوں کی نظر سے بھی شگفتگی فوت ہو جانے کے سبب سے یہ کتابیں گر جاویں گی کیونکہ آج کل ہر چیز کو ترقی ہے تو زبان کو بھی ترقی ہے ہر سال اسکو کی شگفتگی میں نیا اضافہ ہوتا ہے بس معلوم ہو گیا کہ عبارت آرائی کوئی حسن نہیں جو اس معیار ترجیح قرار دیا جاوے وہ حسن ہی کیا حسن ہے جو کہ مرور دہور سے بدل جاوے بلکہ اصل چیز معنوی خوبی ہے جس کی شان یہ ہوتی ہے۔

خود قوی تر میشود خمر کہن — خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(پرانی شراب میں خود تیزی بڑھتی جاتی ہے خاص کر وہ شراب جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوئی ہو)

قدیم ہونا کوئی عیب نہیں

کمالات معنویہ میں مرور دہور سے اور زیادہ قوت اور تاثیر آجاتی ہے وہ جس قدر بھی پرانے ہوں اسی قدر لطافت بڑھتی جاتی ہے کیونکہ روز بروز اس کی خوبیوں پر اطلاع میں ترقی ہوتی رہتی ہے مگر آج کل جدت پسندی کا مذاق ایسا غالب ہوا ہے کہ کسی چیز کا پرانا اور قدیم ہونا ہی اب مستقل عیب شمار کیا جاتا ہے گو اور کوئی عیب بھی نہ ہو لیکن اگر قدیم ہونا ہی عیب ہے تو پھر اس پرانے زمین و آسمان کو چھوڑ دو کسی نئی زمین پر نئے آسمان کے نیچے جا کر آباد ہو۔ ہمارے ایک استاد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سب سے قدیم ہیں کہ اصلی قدیم وہی ہیں تو جو لوگ جدت کو کمال اور قدیم کو نقص کہتے ہیں ایسے بیہودہ مذاق والوں کو چاہئے کہ (نعوذ باللہ منہ) میں اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں) اللہ میاں کو بھی چھوڑ دیں۔ خدا کی پناہ دیکھئے اس جدت پسندی سے کیا نتیجہ لازم آتا ہے بلکہ صحیح نظر سے دیکھا جاوے تو قدیم ہونا زیادہ مقبول ہونے کا سبب ہے کیونکہ ایک زمانہ تک اس سے انتفاع کا تجربہ ہو چکا ہے دیکھو آسمان کتنا پرانا ہو گیا ہے مگر اس کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فارجع البصر هل ترى من فطور ثم ارجع البصر كرتين ينقلب اليك البصر خاسئا وهو حسير یعنی نگاہ پلٹا کر دیکھو کیا تم کو کچھ سوراخ نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ کو پلٹو (بلآخر) وہ عاجز و درماندہ ہو کر لوٹیگی (اور کوئی جرم کو نظر نہ آئے گا) اسی طرح جس مکان میں ابھی تازہ ڈاٹ لگائی گئی ہو اس میں شروع شروع میں خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ڈاٹ کمزور نہ ہو اوپر سے نہ آپڑے او

جب عرصہ تک اس کے اوپر آدمی چل پھر لئے ہوں اور زمانہ دراز تک مکان آباد رہ چکا ہو پھر خطرہ نہیں رہتا کیونکہ تجربہ سے اس کا استحکام معلوم ہو چکا ہے اور کوئی عارضی آفت پیش آجائے اور بات ہے پر قدیم ہونا تو نہایت مستحکم ہونے کی دلیل ہے اس لئے لازم ہے کہ متقدمین کی کتابوں کو دیکھا جائے اور محاورہ بدل جانے کی طرف بالکل التفات نہ کریں بلکہ معانی کو دیکھیں گو خود اہل کمال کی کتابوں میں بھی فرق ہوتا ہے کہ معنوی خوبی کے باعث ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہے اور اس لحاظ سے اگر باہم اہل کمال کی کتابوں میں ایک کا دوسرے سے مقابلہ کیا جاوے تو مضائقہ نہ تھا مگر جہلاء کی تصنیف سے اہل کمال کی تصنیف کا مقابلہ کرنا جائے حیرت ہے افسوس آج کل کس قدر مذاق بگڑ گیا ہے۔

شان ملکیت شان نبوت کے تابع ہے

آج کل جدید سوانح عمریوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں شان ملکیت اعلیٰ درجہ کی تھی۔ یعنی آپ بادشاہ اعلیٰ درجہ کے تھے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح وہ ہے جس میں شان رسالت کا بیان ہو اور گو آپ میں دونوں شانیں تھیں نبوت کی بھی سلطنت کی بھی مگر شان رسالت اصل ہے اور شان سلطنت تابع اور منصب نبوت کی تکمیل ہے کیونکہ اصلاح خلق میں جو کہ منصب نبوت ہے لوگوں کے مزاحم ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے ایسے لوگوں کو زیر کرنے کے لئے سلطنت کی ضرورت ہے — پس سلطنت تابع ہوئی مگر یہ لوگ اصل چیز یعنی نبوت کے بیان کو چھوڑ کر سلطنت کے بیان کو لے بیٹھتے ہیں جو کہ تابع ہے آج کل کی سوانح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بادشاہی تو ملے گی مگر کمالات نبوت کے ذکر کے اہتمام سے خالی ملیں گی حتیٰ کہ ان سوانح عمریوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک نہ ہو تو دیکھنے سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کسی نبی کی سوانح ہے بھلا یہ سوانح سوانح نبویہ کس طرح کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہیں۔ جبکہ اصل کمالات کے ذکر ہی سے عاری ہیں (بلکہ غور کیا جاوے تو یہ سوانح تو تابع کے بیان سے بھی کوری ہیں کیونکہ در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت کا بیان تو اس کو کہا جاوے گا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رسالت کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہو جبھی تو وہ سلطنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوانح ہو گی مگر جب ان میں اس حیثیت کی رعایت نہیں کی

گئی تو محض ایک بادشاہ کی بادشاہی کا بیان ہوا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سلطنت کا تذکرہ نہ ہوا (۱۲جامع)

الفاروق علامہ شبلی کے بارے میں

اسی طرح الفاروق وغیرہ کتابیں بھی اصلی معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سوانح نہیں کیونکہ اصل میں خلافت فرع ہے نبوت کی پس یہاں بھی دین اصل اور سلطنت تابع ہونا چاہئے لیکن الفاروق وغیرہ جو لکھی گئی ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنی فتوحات کیں اس طرح لشکر کا ملک کا انتظام کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان حضرات کے ہاتھ سے یہ امور سر انجام نہ ہوتے تو وہ حضرات صاحب کمال کہلانے کے مستحق نہ تھے۔ حالانکہ شجاعت وانتظام وفتوحات ملکی وغیرہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے اصلی کمالات نہیں تھے۔

حضرات خلفاء راشدینؓ کے اصل کمالات

اصل کمال وہ ہے جس کی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لوکان بعدی نبی لکان عمر اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ اصل کمال وہ ہے جس کے باعث فرمایا ابوبکر فی الجنۃ و عمر فی الجنۃ (ابوبکر جنت میں ہیں اور عمرؓ جنت میں ہیں) اور یہ کمالات ان حضرات میں خلافت سے پہلے موجود تھے۔ خلیفہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے۔ غرض اصل کمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شان نبوت ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جو مقصود اصلی ہے وہ ہے جو من حیث الرسول (رسول ہونے کے اعتبار سے) ہو البتہ چونکہ محبوب کا ہر ذکر محبوب ہوتا ہے اس لئے آپ کے تمام حالات وکمالات کا ذکر بھی محبوب ہے مگر درجہ بدرجہ مثلاً رضاع وولادت و شق صدر وغیرہ واقعات کا ذکر بھی فی نفسہ محبوب ہے۔ لیکن عطائے نبوت ونزول قرآن وغیرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی جو اصلاح فرمائی ہے ان امور کا بیان زیادہ اہم اور زیادہ محبوب ہے کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ سے بھی اصل مقصود یہی ہے پس جب ہم ان ذکروں کو جو ابد کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل شان کے مناسب ہیں تو پھر ہم کو ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی کس طرح کہا جاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر غضب یہ کہ ہم کو منکر ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے

استغفر اللہ۔

چوں ندید ند حقیقت رہ افسانہ زدند
(جب حقیقت کا پتہ نہ چلا ڈھکوسلوں پر اتر آئے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی شان

حقیقت میں ان لوگوں نے ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہی کو نہیں سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی شان اصلاح ہے ان معاملات کی جو حق تعالیٰ اور اس کے بندوں میں ہیں اور ہم لوگ ان ہی کی توفیق سے رات دن قرآن و حدیث و فقہ کے چرچے میں رہتے ہیں جن میں اسی شان کا زیادہ ذکر ہے اور ہم ان ہی احکام کا تذکرہ کرتے ہیں یہ سب ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو ہے گو اس میں کبھی آپ کا نام مبارک بھی زبان پر نہ آوے کیونکہ ذکر کے واسطے نام لینا ضروری نہیں ہے بلکہ بعض اوقات اس نام نہ لینے میں بھی ایک خاص شان ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ قرآن شریف کی بابت حق تعالیٰ نے فرمایا ہے انا انزلنه فی لیلة القدر (کہ ہم نے اس کو شب قدر میں نازل کیا ہے یہاں قرآن کا نام نہیں لیا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب بدون نام لئے ادہر ہی ذہن جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی بہت بڑی شان ہے چنانچہ جب قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت مردہ سے سوال ہو گا کہ ماکنت تقول فی هذا الرجل رواہ البخاری (اس مرد کے بارے میں کیا کہتا ہے اس کو بخاری نے روایت کیا ہے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا جاوے گا بلکہ اس طرح دریافت کریں گے کہ یہ شخص کون ہیں مسلمان جواب دے گا کہ هو عبداللہ ورسول اللہ (وہ اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں) (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے فی هذا الرجل (یہ شخص) کہنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ذہن چلا جاوے گا اور بعض روایات میں جو اس کے ساتھ محمدؐ آیا ہے وہ راوی کا قول ہے بیان کے لئے شراح نے اس کی تصریح کی ہے کہ یہ لام بیانیہ ہے۔ غرض ذکر صرف نام لینے ہی کو نہیں کہتے بلکہ بدون نام کے بھی ذکر ہوتا ہے۔ ہاں اس کا پتہ ہر شخص کو نہیں چلتا بلکہ اس کا پتہ عاشق کو لگتا ہے وہ خوب پہچانتا ہے یہ عاشق ہی کی شان ہوتی ہے کہ اس کے علم کے لئے ہر وقت محبوب کا نام لینے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہر طرح پہچان لیتا ہے کیا خوب کہا ہے۔

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست

یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

کہ ہر چیز کی طرف نظر کر کے دیکھا تو آپ ہی کی طرف نظر پہنچتی ہے اسی کو عارف جامیؒ فرماتے ہیں۔

بس کہ جان فگار و چشم بیدارم توئی
ہر چہ پیدا میشود از دور پندارم توئی

(میری جان فگار اور چشم بیدار میں تو ہی بسا ہوا ہے جو کچھ دور سے ظاہر ہوتا ہے تجھ ہی کو گمان کرتا ہوں)

اور کسی نے اس مضمون کو اردو میں کہا ہے۔ ع جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی۔ کسی منکر نے حضرت عارف جامیؒ پر جب وہ ایک خاص حالت میں اس شعر کا تکرار فرمارہے تھے بطور اعتراض کے کہا کہ اگر خرید اشود فوراً اس کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا پندارم توئی۔

ایک شعر کسی صاحب حال کا ہے۔

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

کسی عاشق نے اس کو اس طرح بدلا۔

گلستاں میں جاکر ہر اک گل کو دیکھا
تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

یہ بھی وہی مضمون ہے۔

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

(تمام عالم آپ کے صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر وجود ہی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے)

ذکر کی دو قسمیں

خلاصہ یہ ہے کہ نصوص فضائل میں تو آپ کا ذکر ہی مع وشرا کی آیات واحادیث و مسائل میں بھی آپ کا ذکر ہے کیونکہ ان سب کا تعلق وحی سے ہے اور وحی کا تعلق حضور صلی

اللہ علیہ وسلم سے ہے اور وحی کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو یقیناً مستلزم ہے گو صراحتہ نہ ہو اور یہ استلزام ایسا ہے جیسا کسی نے امام محمد سے کہا کہ تصوف میں آپ کی کوئی تصنیف نہیں۔ امام محمد کی تو سو ننانوے تصنیفات ہیں ہزار میں ایک ہی کی کسر رہ گئی مگر مستقل طور پر معروف طریق سے تصوف میں کوئی تصنیف نہیں۔ اس سوال پر آپ نے فرمایا کہ جامع صغیر تصوف ہی تو ہے اس پر سوال کیا گیا کہ اس میں تو بیع و شرا وغیرہ معاملات کے مسائل ہیں ارشاد فرمایا کہ جب یہ معاملات درست نہ ہوں گے نفس میں وہ چیزیں پیدا ہوں گی جو تصوف میں مقصود ہیں۔ دیکھئے ان معاملات کو تصوف کہا گیا بوجہ استلزام کے احکام شرعیہ کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیوں نہ کہلائے گا اور مولانا رومیؒ تو اس سے بڑھ کر فرماتے ہیں کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک زبان سے ایک بغیر زبان کے یعنی حال سے فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن تر است
لیک عشق بے زباں روشن است

(اگرچہ زبان کا بیان روشن تر ہے لیکن عشق بے زبان زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ امور ذوقیہ ہے جس کو زبان سے اچھی طرح نہیں کیا جا سکتا)

جب خاموشی بھی دال ہے عشق پر تو نطق کیوں نہ دال ہو گا۔ مگر آج کل لوگوں نے ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طریقہ کے نطق میں منحصر کر رکھا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔

ہمیشہ ذکر میلاد

مولانا فضل الرحمن صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ذکر میلاد نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں پھر کلمہ شریف پڑھ دیا اور فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو آپ کا کلمہ کون پڑھتا۔ یہ لوگ حقیقت شناس ہیں مگر لوگ بے سوچے سمجھے اعتراض کر بیٹھتے ہیں اس نے پھر کہا کہ بلاواسطہ بھی تو ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا چاہئے فرمایا لو وہ بھی ابھی کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھ دیا۔

تر ہوئی باران سے سوکھی زمیں
یعنی آئے رحمۃ اللعلمین

مطلب یہ کہ مولانا نے بلا قید رسوم کے ذکر کر کے دکھلا دیا- غرض ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حقیقت ہے ہم الحمدللہ اس سے کسی وقت بھی خالی نہیں اور کبھی کبھی بلاواسطہ بھی رسوم و منکرات سے احتراز کر کے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر لیتے ہیں- کیونکہ یہ بھی اعظم مستحبات سے ہے یہ گفتگو تو ان لوگوں سے تھی جو ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلو سے کام لیتے ہیں- اگر کوئی شخص مطلقاً اس ذکر کا انکار کرے گو منکرات سے خالی بھی ہو تو اس سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی طرح محاجہ کیا جاوے گا-

حکمت ذکر رسول اکرمؐ

اس کا بھی واقعہ ہے کسی نے آپ سے کہا کہ ہم نے مانا کہ ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھا ہے مگر اس کی ضرورت ہی کیا ہے آپ نے فرمایا جی ہاں نہ معلوم اللہ تعالیٰ کو مریم و ابن مریم علیہما السلام کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اور موسیٰ علیہ السلام و ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کی کیا ضرورت تھی کہ قرآن شریف میں جا بجا نہایت تاکید و تکرار سے آیا ہے ارشاد ہے واذکر فی الکتب مریم واذکر فی الکتاب موسیٰ واذکر فی الکتب ابراہیم (اور اس کتاب میں مریم علیہا السلام کا ذکر کیجئے اور اس کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیجئے اور اس کتاب میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے) کہ خود بھی ذکر فرماتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ذکر کا امر فرماتے ہیں بتلاؤ اس کی کیا ضرورت تھی- بزرگوں کے کلام میں حکمتیں ہوتی ہیں اس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح مصلحت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا ذکر قرآن شریف میں آیا ہے اسی طرح بعض مصالح کی وجہ سے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کی بھی ضرورت ہے اور اس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا چھوٹا ہونا وغیرہ معلوم ہو گا تو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الوہیت کا احتمال و وسوسہ پیدا نہ ہو گا یہی مصلحت قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تولد کے ذکر میں بھی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ سے اس طرح پیدا ہوئے تو ان کی الوہیت کا دعویٰ جو نصاریٰ کرتے ہیں وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا بھی ذکر کرو تو ان حکمتوں کی وجہ سے کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے دودھ پیا پھر بڑے ہوئے کھاتے پیتے بھی تھے اور وفات بھی پائی یہ سب حالات بتلا رہے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم الہ نہیں بلکہ بشر ہیں بس ان حالات ولادت وغیرہ کے ذکر کے ساتھ اس سے نتائج نکالے جاویں اس بناء پر اس کا مرجع بھی وہی شان نبوت ہوئی کیونکہ اصلاح عقیدہ کا تعلق منصب نبوت سے ہے پس ایک مصلحت تو یہ ہے اور دوسری مصلحت عشاق کی ہے وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھے کیونکہ کمالات کے بیان سے محبت بڑھتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بچپن ہی سے عجیب عجیب کمالات تھے چنانچہ آپ ایک چھاتی کا دودھ پیتے تھے اور دوسری کا اپنے رضاعی بھائی کے واسطے چھوڑ دیتے اس کو منہ نہ لگاتے تھے اسی طرح ہر واقعہ میں ایک کمال ظاہر ہوتا ہے- غرض ان واقعات سے محبت میں اضافہ ہوتا ہے اور محبت کی غرض اتباع ہے اس لئے اس کا مرجع بھی پھر وہی نبوت ہوا اور بدون اتباع کے نری محبت من حیث الذات نہ مطلوب نہ نافع-سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنی محبت تھی اور گو ان کا ایمان دلائل سے ثابت نہیں مگر جب ان کا نام آتا ہے تو نام کے ساتھ حضرت کا لفظ منہ سے نکل ہی جاتا ہے کیونکہ وہ تو جاں نثار خادم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ہم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانوروں کی بھی تعظیم کرتے ہیں وہ تو چچا ہیں اللہ معاف کرے اگر ان کو حضرت کہنے میں کوئی خرابی ہو- بہر حال جتنی محبت ان کو تھی اتنی محبت شاید بعض مسلمانوں میں بھی مشکل سے پائی جاتی ہو- کیونکہ آج کل اکثر ہم لوگوں کی یہ حالت ہے ؎

تو بیک زخمے گریزانی زعشق

تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

(تو ایک ہی زخم سے عشق سے گریز کرتا ہے بجز نام کے عشق کی حقیقت سے ناواقف ہے)

گو ہم مومن ہیں لیکن ذرا سا امتحان آتا ہے تو نکل بھاگتے ہیں اور انہوں نے تو بڑے بڑے شدائد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اور تکلیفیں اٹھائیں-

حقوق العباد کی اہمیت

ہم لوگوں کے نکل بھاگنے کے متعلق ابھی کا تازہ واقعہ ہے جس کا قلق ساری عمر دل سے نہ اترے گا کہ ایک شخص بیمار تھے بیماری میں کبھی وہ خود مجھ کو بلاتے تھے کبھی میں خود جاتا تھا کیونکہ ان سے محبت تھی اور وہی محبت مقتضی ہوئی کہ جن حقوق العباد میں وہ مبتلا ہیں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عزم کے فوت شدہ نمازوں کی قضا کا وقت نہ ملا تو استغفار و اعتذار معافی کی امید ہو سکتی ہے۔ غضب تو یہ ہے کہ ظالم کو وقت ملا اور نیت تک بھی نہ کی۔ جب میں اس شخص کے جوابوں کا جس سے اس کی کمال جرات ثابت ہوتی ہے تصور کرتا ہوں تو مجھے سخت وحشت ہوتی ہے کسی طرح جی نہیں گواہی دیتا کہ بدون مواخذہ اس کی مغفرت ہو گئی ہو الامر بید اللہ (معاملہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) بس دیکھ لیا آپ نے کہ چار بیگھہ زمین کے واسطے سارا عشق ختم ہو گیا یہ محبت کس کام کی کہ زبانی باتیں بنانے کو سب سے آگے مگر اتباع سے جان چراتے ہیں ان کا کیا منہ ہے کہ اپنے کو محبین میں شمار کریں یہ تو مدعیان محبت کی حالت کا بیان تھا جو صرف بیان سوانح نبویہ کو ادائے حق محبت کے لئے کافی سمجھتے ہیں اور اتباع کے نام سے صفر۔ اسی طرح ایک درجہ میں ایسے لوگ بھی خطا پر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری طرح محبت نہیں کرتے نری ضابطہ کے اتباع کو کافی سمجھتے ہیں مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ یہ اہل اتباع ناجی تو ہیں اور جو اتباع نہ کرے ویسے ہی محبت کا دم بھرے وہ ناجی بھی نہیں یعنی جتنی کمی اتباع میں ہے اتنی ہی کمی نجات میں جیسا کہ ابو طالب کی بابت سب کو معلوم ہے کہ کس قدر جاں نثار تھے۔ جب تمام قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقاطعت کی یا آج کل کی اصطلاح میں بائیکاٹ کیا آج کل کے بائیکاٹ کو تو جو اس وقت ملک میں پھیل رہا ہے میں بھائیکاٹ کہا کرتا ہوں کیونکہ وہ رحماء علی الکفار اشداء بینھم (کافروں پر رحم دل ہیں آپس میں سنگدل) کا مصداق ہوتا ہے یعنی اس کی حقیقت یہ ہے کہ غیروں سے تو اتحاد کرو اور اپنے بھائیوں سے بغض و فساد کرو۔ قریش کے بائیکاٹ کا قصہ یہ ہوا تھا کہ قریش نے اتفاق کر لیا اور خانہ کعبہ پر عہد نامہ لٹکا دیا تھا جس پر عمائد کے دستخط تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ دینے والوں کے ساتھ کوئی معاملہ بیاہ شادی یا بیع وشرا کا نہ کیا جاوے اس موقع پر ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا قریش کی کچھ پرواہ نہ کی وہ ایمان تو نہ لائے مگر ساتھ دیا پورا کو سخت پریشانی ہوئی مگر جاں نثاری میں مستقل رہے۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے چچا وہ عہد نامہ دیمک نے کھا لیا سوا اللہ کے نام کے اس میں کچھ نہیں رہا۔ ابو طالب نے قریش سے کہا میرا بھتیجا ایک خبر دیتا ہے وہ سن لو اور واقعہ کی تصدیق تحقیق کر لو سو اگر وہ صحیح نکلے تو کم از کم مقاطعت تو موقوف کر دو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا۔ جب قریش نے اس عہد نامہ کو دیکھا تو واقعی دیمک نے کھا لیا تھا اس پر مقاطعت ختم ہو گئی۔ دیکھئے ابو طالب کو کتنی محبت تھی بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کا اتنا سا تھہ فی ہزار ایک مسلمان تو دیدے - بات یہ تھی کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عشق تھا اور بے انتہا محبت تھی مگر باوجود اس کے ایمان نہیں لائے اور اتباع نہیں کیا اس لیے نجات کے لئے وہ محبت کافی نہ ہوئی - حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابو طالب کو سب سے زیادہ ہلکا عذاب ہو گا - جس کی کیفیت یہ ہوگی کہ پاؤں میں آگ کی جوتیاں پہنائی جاویں گی اس کے باعث سر کھولتا ہو گا او کما قال (یا مثل اس کے کہا) اور وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ سب سے زیادہ میں ہی عذاب میں ہوں خیالی انتفاع بھی نہ ہو گا کیونکہ یہ معلوم کر کے بھی کہ مجھ کو اوروں سے کم عذاب ہے عذاب کے الم میں تخفیف ہو جاتی ہے مگر وہاں تو سب دوزخی یہی سمجھیں گے کہ ہم سب سے زیادہ تکلیف میں ہیں تکلیف و راحت میں خیال کو بڑا دخل ہے - اگر کسی کی ہزار روپیہ تنخواہ ہو اور دوسرے کی دو ہزار تنخواہ سن لے تو خوشی میں کمی آجاتی ہے اسی طرح اگر یہ سن لے کہ مجھ سے زیادہ کسی کی تنخواہ نہیں تو خوشی بڑھ جاتی ہے - گو اس کی تنخواہ ہزار روپیہ سے بھی کم ہو مگر وہاں ہر جنتی و دوزخی یہی سمجھے گا کہ سب سے زیادہ راحت یا عذاب مجھی کو ہے - ایک معقولی صاحب نے درس حدیث میں اس پر کہا کہ کیا جنت میں جہل مرکب ہو گا کہ اپنے کو سب سے بڑا سمجھا کہ حالانکہ ہے بہتوں سے کم مگر واقع میں وہاں جہل نہ ہو گا نہ مرکب نہ بسیط بلکہ سب کو صحیح انکشاف ہو گا جہل مرکب تو جب لازم آئے کہ یوں نہ سمجھے کہ میں درجہ میں سب سے بڑا ہوں باقی اپنے کو سب سے زیادہ راحت میں سمجھنا اس اعتقاد کو مستلزم نہیں کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اپنے کو دوسروں سے درجہ میں کم سمجھے اور راحت میں زیادہ سمجھے -

جنت میں ہر شخص کے مذاق و استعداد کے مطابق سامان دیا جائے گا

کیونکہ ہر شخص کو عیش اس کی حیثیت اور طبیعت و استعداد کے مناسب ہوتا ہے - کسی کو ادنیٰ ہی چیز سے رغبت ہوتی ہے اعلیٰ سے نہیں ہوتی گو یہ بھی جانتا ہے کہ یہ ادنی ہے یہ اعلیٰ ہے مثلاً مجھ جیسے مذاق والے کو دال مرغوب ہے بہ نسبت قورمہ کے گو قورمہ کو اعتقادا سب سے اعلیٰ جانتا ہوں مگر بوجہ اپنے مذاق خاص کے دال سے رغبت زیادہ ہے کیونکہ ہماری طبیعت کے موافق وہی ہے یہ تھوڑا ہی ہے کہ ہمیں قورمہ کی حقیقت معلوم نہیں بس اسی طرح جنت میں ہر شخص کو اس کے مذاق و استعداد کے موافق سامان دیا جاوے گا ادنی درجہ والوں کا مذاق بھی ادنی ہو گا ان کو اس مذاق کی وجہ سے رغبت ہی ادنی سامان کی طرف ہو گی اس

سے اعلیٰ کی طرف رغبت ہی نہ ہوگی گو اس کے اعلیٰ ہونے کا علم بھی ہوگا۔ اس طرح سے جنت میں ہر شخص اپنے کو سب سے زیادہ راحت میں سمجھے گا بلکہ ترقی کر کے کہتا ہوں کہ عجب نہیں جو لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں جائیں گے ان کو جنت میں جانے کے بعد خود عذاب جہنم بھی شرط راحت معلوم ہو۔ وجہ یہ کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ راحت کی شرط مذاق و استعداد خاص ہے تو ممکن ہے کہ یہ معذب گناہوں کے سبب ایسا فاسد الاستعداد ہو گیا ہو کہ جو راحت اس کو اب جنت میں عطا ہوئی ہے اس کی استعداد اس شخص میں نہ رہی ہو اور عذاب اسی فساد استعداد سے تطہیر کا موجب ہو کر یہ شخص کامل الاستعداد ہو گیا ہو اور اس کو وہی استعداد عطا ہو گئی ہو جو شرط تھی اس راحت کے ادراک اور انتفاع کی۔ خوب سمجھ لو عجیب تحقیق ہے اس کی مثال میں مجھے ایک حکایت یاد آئی ایک انگریز کے سائیس نے لاٹری میں ایک چٹھی ڈالی تھی۔ دو لاکھ روپیہ کے لئے یعنی ایک ایک روپیہ دو لاکھ آدمیوں نے جمع کیا کہ جس کا نام نکل آوے سب رقم اس کو مل جاوے گی اس میں یہ سائیس بھی شامل ہو گیا۔ آج کل اس قسم کے معاملات بکثرت پھیلے ہوئے ہیں اور حرام و حلال کی کچھ پروا نہیں کی جاتی یہ صریح جوا ہے۔ القصہ اس کا نام نکل آیا اس انگریز کی معرفت خط آیا جس کا وہ نوکر تھا اس نے کھولا تو دیکھا دو لاکھ روپیہ کی چھٹی سائیس کے نام ہے اس کو بلا کر پوچھا کہ تو نے لاٹری میں چٹھی ڈالی ہے اس نے کہا جی ہاں پوچھا کہ بدون ہماری اجازت کے کیوں ڈالی اس نے جواب دیا کہ اس میں تو آپ کی اجازت کی ضرورت نہ تھی قانوناً مجھ کو اجازت ہے۔ انگریز نے کہا کیسا قانون اور بید لیکر اس کو خوب مارا اور توبہ کرائی کہ پھر کبھی چٹھی نہ ڈالے۔ بیچارا جب زخمی ہو گیا اور سخت پریشان ہوا کہ یہ ناگہانی آفت کہاں سے آپڑی اس وقت انگریز نے کہا کہ لو تمہاری نام دو لاکھ روپے نکل آئے ہیں اور کہا کہ اگر پہلے ہی یکدم تم کو یہ خط سنایا جاتا تو تم خوشی سے مر جاتے اس لئے تم کو یہ تکلیف دی گئی اس وقت اس سائیس کو یہ سزا بھی موجب مسرت معلوم ہوئی ہو گی وہ انگریز کو دعا دیتا ہو گا کہ اچھا ہوا اس نے دفعۃً مجھے دو لاکھ کی خبر نہ سنائی۔ تو آپ نے دیکھا کہ دنیا میں بھی سزا کبھی شرط راحت ہو جاتی ہے تو آخرت میں بھی اگر ایسا ہو تو کیا تعجب ہے بہر حال جنت میں ہر شخص اعلیٰ درجہ کی راحت میں ہو گا کیونکہ ہر چیز اس کی رغبت اور مذاق کے موافق ہو گی یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اپنی راحت کے متعلق فی نفسہ اعلیٰ ہونے کا اعتقاد بھی رکھے گا تاکہ معقولی صاحب کا اعتراض وارد ہو۔ غرض وہاں کوئی جہل میں نہ ہو گا اسی طرح دوزخ میں شدت غم کی وجہ سے ہر شخص اپنے کو سب سے زیادہ معذب سمجھے

گا خواہ اتنا علم اجمالاً ہو کہ میں فلاں شخص سے درجہ میں کم ہوں مگر چونکہ ہر شخص کو اس کے تحمل سے زیادہ عذاب ہو گا اس لئے وہ اپنے عذاب کو تفصیلاً دوسرے کے عذاب سے کم نہ سمجھے گا اور خواہ اہل جنہم کو تفاوت درجات کا بھی علم نہ ہو کیونکہ اگر جنہم میں جہل مرکب میں ابتلاء ہو تو اس سے کوئی محذور لازم نہیں آتا وہ دار العذاب ہے ممکن ہے کہ حسی عذاب کے ساتھ معنوی عذاب جہل مرکب کا بھی مجتمع ہو کیونکہ دنیا میں ایک طریق صبر کا یہ بھی ہے کہ اپنے سے زیادہ مصیبت زدہ کو دیکھ لیا جاوے اس سے بھی کلفت کم ہو جاتی ہے جیسا کہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس جوتا نہ تھا اس وجہ سے رنجیدہ تھا۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا پاؤں ہی ندارد ہے تو میں نے شکر کیا کہ میرے پاس پاؤں تو ہے۔ تو جنہم میں خیالی راحت بھی نہ ہو گی کہ یہی سمجھ کر دل کو بہلا لیا جائے کہ ہم فلاں سے کم عذاب میں ہیں وہاں چین کا کیا کام اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے دور رکھے میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت ذات من حیث ہی ذات بدون لحاظ شان نبوت کے مطلوب نہیں کیونکہ ایسی محبت تو ابو طالب کو بھی تھی مگر وہ نجات کے لئے کافی نہ ہوئی بلکہ مطلوب وہ محبت ہے جو شان نبوت کی وجہ سے ہو جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا اتباع علمی و عملی لازم ہے۔

نافرمانی کے ساتھ محبت نبویؐ باعث نجات نہیں

اب میں پوچھتا ہوں ان لوگوں سے جن کے ہاں رات دن اس قسم کے وعظ ہوا کرتے ہیں کہ اے زناکار بھائیو اے شرابی بھائیو جو چاہو کرو تقویٰ کی کچھ ضرورت نہیں بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھو اسی سے نجات ہو جاوے گی اور ان وہابیوں کو نجات نصیب نہ ہو گی۔ ارے ظالمو! تم مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت بڑھانے کی ترغیب دو اس سے ہم منع نہیں کرتے بلکہ ہم خود ترغیب میں شامل ہیں مگر نافرمانی میں دلیری کیوں کرتے ہو۔ بھلا نافرمانی کے ساتھ جو محبت ہو اگر وہ محبت نجات کے لئے کافی ہے تو پھر یہ لوگ ابو طالب کی محبت کو کافی کیوں نہیں کہتے ان کو تو ایسی محبت ان لوگوں سے بھی زیادہ تھی مگر جب ان کی اتنی محبت بھی بوجہ اتباع نہ کرنے کے کافی نہیں ہوئی تو پھر ان مدعیوں کی تھوڑی سی محبت باوجود نافرمانی کے کیسے کافی ہو جاوے گی رہا تفاوت ایمان و کفر کا یعنی ابو طالب ایمان نہ لائے تھے اور یہ لوگ مومن ہیں سو اس تفاوت کا انکار نہیں لیکن اس

سے یہ کیسے لازم آیا کہ سب معاصی بدون عقوبت کے بخش دیئے جاویں گے البتہ ایمان سے اتنی توقع ضرور ہے کہ کبھی نہ کبھی بخشش ہو جاوے گی مگر یہ تو نہیں کہ دوزخ میں بالکل ہی نہ جاویں اور بعض گنہگاروں کو جو بالکل معاف کر دیا جاوے گا اول تو وہ کسی حسنہ یعنی نیکی کی برکت سے ہو گا اور جب گناہوں پر دلیری ہے تو نیکی کا وجود ہی دشوار ہے چہ جائیکہ ایسے درجہ کی نیکی ہو جس سے گناہ معاف کر دیئے جاویں۔ دوسری یہ بات یعنی بالکل معاف ہو جانا موعود تو نہیں جس کی بناء پر یقین ہو سکے بہت سے بہت محتمل ہے اب خود ہی انصاف کرو کہ احتمال مغفرت کی بناء پر معاصی کی اجازت دینا کیسا ہے در حقیقت یہ لوگ لصوص (رہزن) ہیں اور یہ نری محبت جس کے ساتھ اتباع نہ ہو شرعی محبت نہیں بلکہ لغوی محبت ہے۔ اصل میں محبت وہی ہے جو اتباع کے ساتھ ہو جیسا کہ ارشاد خداوندی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ سے ثابت ہوتا ہے یعنی اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اور ابن المبارکؒ فرماتے ہیں۔

تعصی الا لہ وانت تظہر حبہ	ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لوکان حبک صادقا لا طعتہ	ان المحب لمن یحب مطیع

(تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا اظہار کرتا ہے اپنی جان کی قسم یہ کاموں میں نادر بات ہے اگر تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں صادق ہوتا تو اس کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محبّ محبوب کا مطیع اور فرماں بردار ہوتا ہے)

یعنی محبّ تو محبوب کا مطیع ہوتا ہے جب اطاعت نہیں تو محبت کی کیا دلیل ہے البتہ ایک ضعیف درجہ محبت کا معصیت کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے جس کے لئے شرط یہ ہے کہ معصیت کر کے شرماوے نادم ہو اور اپنے کو قصور وار خطاوار سمجھے مگر جو نافرمانی کرتا ہوا شرماوے گا وہ التزام تو کرے گا اتباع کا اور اس کو ضروری تو سمجھے گا۔

استخفاف معصیت کفر ہے

نہ یہ کہ گناہ پر دلیری کرنے لگے اور دوسروں کو جرات دلاوے اور معاصی کو ان کی نظر میں خفیف ظاہر کرے۔ خدا کی پناہ ان لوگوں کو تو اپنے ایمان کی خیر منانا چاہئے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے استخفاف معصیت (گناہ کو ہلکا سمجھنا) کفر ہے۔

معاصی کے باوجود محبت نبویؐ کا ایک درجہ

اور میں نے جو ابھی کہا ہے کہ محبت کا ایک درجہ معاصی کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے یہ بھی ایک حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ایک شخص کو چند مرتبہ شراب نوشی میں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سزا ملتی رہی مگر باز نہ آیا تیسری یا چوتھی بار گرفتار ہو کر آیا تو کسی نے اس پر لعنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت مت کرو انہ یحب اللہ و رسولہ یعنی یہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے اور اس ارشاد کی وجہ یہ تھی کہ وہ باوجود گناہ ہو جانے کے حکم شریعت کو مانتا تو تھا اور اپنے کو گنہگار مجرم سمجھتا اور معصیت پر نادم بھی تھا اور اب تو نصیحت کا مقابلہ کرتے ہیں احکام شرعیہ کا نام سن کر چڑتے ہیں۔ شریعت کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور پھر اچھے خاصے شاہ صاحب ہیں اگر ان کو محبت ہوتی تو کم از کم دل میں دین کی وقعت تو ہوتی اور اس کے سامنے کچھ لچتے۔

ایک غریب آدمی کی صاحب جاہ کو نصیحت

کالپی کی ایک حکایت ہے جس میں ایک غریب کی نصیحت پر ایک صاحب جاہ نے برا مانا وہ حکایت یہ ہے کہ وہاں قنوج کا ایک عطر فروش گیا اور جمعہ کی نماز میں شریک ہوا نماز کے بعد اس نے ایک داروغہ صاحب کو دیکھا کہ فرض تو انہوں نے کسی طرح مجبور ہو کر امام کے ساتھ اطمینان سے پڑھے کیونکہ امام نے اطمینان سے نماز پڑھی تھی اور یہ اقتداء کی وجہ سے اس کی اتباع میں مجبور تھے مگر سنتوں میں آپ نے ڈاک گاڑی ہی چھوڑ دی کہ جھٹ پٹ برائے نام سجدہ رکوع کے فارغ ہو کر چلنے لگے۔ اس گندھی نے ان کو ٹوکا اور کہا کہ مجھ کو آپ پر بہت رحم آتا ہے کہ آپ اپنا کام حرج کر کے تو اتنی دور تکلیف کر کے آئے مگر غرض حاصل نہ ہوئی۔ آپ سنتیں اطمینان کے ساتھ دوبارہ پڑھ لیجئے۔ داروغہ صاحب نے یہ سنتے ہی غریب کو دھکا دیا کہ تیری یہ مجال جو ہم پر خوردہ گیری کرے ہٹ دور ہو تو ہوتا کون ہے۔ آج کل یہ حالت ہے اور یہ برتاؤ ہے احکام کے ساتھ مجھ کو مقصود تو یہی جزو ہے مگر آگے تتمہ بھی کرتا ہوں کہ گو داروغہ جی نے...... اسے دھکا دیا مگر اس نے پھر کہا کہ میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ کے بھلے کی کہتا ہوں مجھ کو جو چاہو کہہ لو مگر نماز دوبارہ پڑھ لو۔ داروغہ صاحب نے سپاہی سے کہا کہ اس کو ہٹا دو۔ سپاہی نے مار او دھکایا مگر وہ یہی کہتا رہا کہ جو چاہو کرو مگر نماز دوبارہ پڑھ لو میں بدون نماز پڑھے ہرگز نہ جانے دونگا۔ اور ٹانگوں میں لپٹ گیا۔ اس پر مجمع اکٹھا ہو گیا آخر دوسروں نے بھی داروغہ صاحب سے کہا کہ ایسی بھی کیا ضد ہے جو اپنے نفع کی بات بھی

نہیں مانتے آپ دوبارہ نماز پڑھ لیں اس میں آپ کا حرج ہی کیا ہے ثواب کی بات ہے۔ مجبورا
داروغہ صاحب نے سنتیں دوہرائیں اور گندھی کے سامنے اچھی طرح اطمینان سے پڑھیں۔
آخر برائی کیا ہوئی اگر پہلے ہی اچھی طرح پڑھ لیتا تو کیا بگڑ جاتا اس واقعہ کی تمام شہر میں شہرت
ہو گئی حالانکہ ظاہر میں وہ گندھی بیچارا اپنا تھا ذلیل ہوا تھا مگر بڑی نیک نامی ہوئی۔ کیونکہ مظلوم
ہونا رسوائی نہیں گو ظاہر میں ذلت معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس قصہ میں اس کا مشاہدہ ہوا۔
چنانچہ وہ گندھی صاحب جدھر جاتے ہیں ہر شخص ان کو بلاتا ہے کہ میر صاحب یہاں تشریف
لایئے کیونکہ اکثر لوگ گندھیوں کو میر صاحب کہتے ہیں نہ معلوم کس بناء پر کہتے ہیں سب
سید تھوڑا ہی ہوتے ہیں۔ غرض کوئی ان کی دعوت کرتا کوئی نذرانہ دیتا۔ اس نے کہا صاحبو
مجھے اس کی ضرورت نہیں میں تو تاجر ہوں میرے ساتھ تو آپ کا یہی احسان بہت ہے کہ
میرا عطر خرید لیا جاوے چنانچہ بہت جلد وہ عطر بک گیا پھر اور لائے وہ بھی جلدی ختم ہو گیا وہ
صاحب پیر ہی بن بیٹھے۔ خیر ان داروغہ صاحب نے لوگوں کے کہنے سے نماز تو پڑھ لی یہ بھی
غنیمت ہے بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ نصیحت سے کبھی نہ پڑھیں۔

وعظ و نصیحت کا ہر شخص اہل نہیں

چنانچہ کانپور میں ایک صدر منصرم تھے نمازی تھے مگر بغیر جماعت کی نماز پڑھا
کرتے تھے مسجد میں نہ آتے تھے ایک مولوی صاحب نے ان کو جماعت کی تاکید کی انہوں نے
کہا مجھ کو دق نہ کرو مگر مولوی صاحب اصرار کرتے رہے۔ ایک دن شیطان سوار ہوا کہ جاؤ ہم
نماز ہی نہیں پڑھتے کر لو ہمارا کیا کرتے ہو۔ غرض پھر عمر بھر نماز پڑھی ہی نہیں اس واقعہ سے
یہ بھی معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت ہر ایک آدمی کا کام نہیں ہے اسی لئے میں اپنے اہل علم
دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ابتدائے سلوک میں وعظ و نصیحت نہ کیا کریں۔ کیونکہ علاوہ
بعض باطنی مقاصد کے کہ اس کو اہل طریق جانتے ہیں ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ قبل تکمیل
تربیت کے نہ فہم درست ہوتا ہے نہ نیت اس لئے احتمال ہے ان کی نصیحت کے بے محل اور
بے اثر ہونے کا اور بعض جگہ مضر ہونے کا مگر بعض جگہ لوگ اس ممانعت سے متوحش ہوتے
ہیں کہ طاعت سے کیوں ممانعت کی جائے اس کے متعلق مجھ کو اپنا ایک واقعہ یاد آ گیا کہ یہاں
ایک ذاکر نے دوسرے ذاکر کو ترفع اور تحقیر کے لہجہ میں کچھ نصیحت کی مجھ کو اطلاع ہوئی میں
نے بلا کر پوچھا کہ آپ اپنا کام کرنے آئے ہیں یا دوسرے کا۔ انہوں نے جو جواب دیا اس سے

یہ مفہوم ہوا کہ امر بالمعروف تو عبادت ہے تو یہ بھی اپنا ہی کام ہے مولویوں سے جیتنا ہوا مشکل ہے مگر میں نے کہا کہ عبادت میں کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں یا نہیں کہا ہاں۔ میں نے کہا امر بالمعروف (نیک باتوں کا حکم کرنا) شرطیں آپ کو معلوم ہیں جواب دیا کہ اس کی شرطیں تو معلوم نہیں۔ میں نے کہا سنئے ان شرائط میں سے ادنیٰ شرط یہ ہے کہ عین امر بالمعروف کے وقت اپنے کو اس سے حقیر سمجھے ورنہ وہ نصیحت اللہ کے لئے نہ ہو گی نفس کے لئے ہو گی اور جس عبادت میں خلوص نہ ہو وہ عبادت ہی نہیں ہے۔

کلید در دوزخ ست آں نماز　　　که در پیش مردم گذاری دراز

(وہ نماز دوزخ کے دروازے کی کنجی ہے جو لوگوں کے دکھانے کو لمبی اور دراز کی جائے)

یہ مقدمات منوانے کے بعد ان سے کہا کہ آپ نے جو دوسروں کو نصیحت کی تھی اس نصیحت کی حالت میں تم نے اپنے کو افضل اور دوسرے کو حقیر سمجھا تھا یا نہیں اقرار کیا کہ واقعی ایسا ہوا میں نے کہا اب بھی امر بالمعروف سے ممانعت کی وجہ سمجھ میں آئی کہا ہاں آ گئی۔ غرض اتنے دلائل کے بعد اس خدا کے بندہ نے مانا کہ بے شک غلطی ہوئی۔ میں نے کہا کہ اس غلطی کا علاج کیا کہنے لگے جو تجویز کیا جائے۔

ہر ذکر موجب قرب نہیں

میں نے کہا علاج ہوتا ہے ازالہ سبب سے اور اس غلطی کا سبب تمہارا ذکر و شغل ہے تم ذکر و شغل کر کے اپنے کو بزرگ اور دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے ہو اس کو چھوڑ دو کیونکہ ہر ذکر موجب قرب نہیں بلکہ بعض ذکر موجب بعد ہوتا ہے اور وہ مطلوب نہیں کما قیل ۔

ہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
ہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

(یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو)

غرضیکہ ان کو ذکر سے منع کر دیا مگر پھر ساتھ ہی ذکر کا ادب غالب ہوا اور اس کا بالکلیہ موقوف کرانا گوارا نہ ہوا اس لئے چلتے پھرتے ذکر کی اجازت دیدی صرف ہیئت خاصہ کو موقوف کرا دیا اور ازالہ کبر کے لئے خانقاہ والوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کا ان کو مشورہ دیا وہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کہا یہ میر اکڈ ھیلوا ہے- یہ ثقیل لغت اس بیچارے نے کیوں سنا تھا وہ حیران ہوا کہ یہ کونسا رشتہ ہے- اس نے اس کے معنے دریافت کیے تو آپ نے کیا خوب تفسیر سے بتلایا کہ جیسے تیرا باپو مر جاوے اور تیری ماں مجھے کرلے اور تو اس کی گیلوں (ہمراہ) آوے تو تو میر اکڈ ھیلڑ اہوا اب بھی سمجھا- کہا ایسا سمجھا کہ عمر بھر بھی نہ بھولوں گا- مگر وہ گنوار تھا اس لئے اس کی گرفت نہیں ہوئی اگر کوئی مہذب اس لغت کی بر سر عدالت بھی تفسیر کرے تو کیا اس کو توہین عدالت کے جرم میں جیل خانہ نہ بھیج دیا جاوے گا-

مضامین لغت میں گمراہ شعراء کا غلو

میں کہتا ہوں کہ یہ لوگ جو آج کل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں اگر ان کو منع کیا جاوے تو محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم شاعر ہیں اور شاعر معذور ہیں کیا یہ گنوار پن کی مد میں معذور ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف یہ لوگ خلاف شریعت کرتے ہیں وہ اہانت ہے انبیاءؑ کی حتیٰ کہ بعض کے کلام میں حق تعالیٰ کی اہانت موجود ہے- غضب کی بات ہے کہ حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ اور یہ اقوال چنانچہ کسی بے ادب نے کہا ہے-

طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

یعنی اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج سے اصل مقصود تو آپ کی زیارت ہے مگر رستہ میں مکہ مکرمہ ہی جو بیت اللہ ہے اور وہ مثل ہمارے آپ پر عاشق ہونے کے سبب ہمارا رقیب ہوا اور ہے زبردست اس لیے اس کی بھی خوشامد کرتے ہیں اور کعبہ کا طواف کر کے اس کو پھسلاتے ہیں تاکہ سفر مدینہ میں مزاحم نہ ہو خدا کی پناہ خدا کی پناہ ایسے ایسے ملحد اور بے دینوں کو عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا جاتا ہے اول تو یہ کلام کفری ہے دوسرے اس کا مضمون بھی غلط ہے کیونکہ مدینہ کے ہر راستہ میں کعبہ کہاں پڑتا ہے- مثلاً جو لوگ شام کی طرف سے آتے ہیں ان کے راستہ میں مدینہ پہلے آتا ہے پھر کوئی اس سے پوچھے کہ وہ لوگ مکہ میں کیوں آتے ہیں- بس ان لوگوں میں نہ دین ہے نہ عقل ہے اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہیں کہ کیا اچھا شعر کہا ہے واہ واہ- اس واہ واہ کا قیامت میں مزہ معلوم ہوگا- میں آپ کو ایک معیار بتلاتا ہوں اس سے جائز ناجائز مدح کا پتہ چلنا نہایت آسان ہے وہ معیار یہ ہے کہ مدح کے

وقت یوں غور کر کے دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس مجلس میں تشریف رکھتے ہوں تب بھی آپ کے سامنے یہ کلام کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اس وقت بھی کہنے کی ہمت ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور جو ایسی مدح ہو نہ وہ مدح ہے نہ نعت ہے بلکہ اس شاعر کی ناک میں ناتھ ہے اسی طرح ایک اور شعر ہے۔

پے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف
محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

یعنی جیسے یعقوب علیہ السلام نے اپنی تسلی کے واسطے یوسف علیہ السلام کا کرتہ مبارک رکھ لیا تھا اسی طرح حق جل جلالہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ اپنے پاس رکھ لیا کہ تسلی رہے کیا نعوذباللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آکر خدا سے غائب ہو گئے تھے اور نظر نہ آتے تھے۔ کیا نعوذباللہ حق تعالیٰ کو سکون کی بھی ضرورت ہے۔ ناس ہو ایسی جہالت کا شاعر نے اپنے نزدیک حسن تعلیل برتی ہے اور اس پر نازاں ہے۔ اول تو وہ روایت ہی متکلم فیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا بیان ہے دوسرے خود اس روایت میں سایہ نہ ہونے کی وجہ بھی موجود ہے کہ آپ پر ابر سایہ فگن رہتا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا تھا اور یہ علت کیسے ہو سکتی ہے جو شاعر نے بیان کی ہے کیا وہ خدا کو حاضر و ناظر نہیں جانتا یہ تو حق تعالیٰ کی شان میں دو شعروں کا مختصر بیان تھا۔ اب اہانت انبیا کا نمونہ سنئے۔ ایک شخص نے کہا ہے۔

بر آسمان چارم مسیح بیمار ست
تبسم تو برائے علاج درکار ست

(چوتھے آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام بیمار ہیں۔ آپ کا تبسم علاج کے لئے درکار ہے)

کیا شاعر صاحب دیکھنے گئے تھے کہ حضرت مسیح بیمار ہیں غرض یہ مضمون بالکل غلط ہے عالم علوی میں مرض کا کیا کام اور یوسف علیہ السلام کو تو شاعروں نے نعوذباللہ زر خرید غلام کہا ہے۔ ان کا ذرا بھی ادب نہیں کرتے۔ ایک مداح نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی بے ادبی کی ہے۔ مشہور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اور تو ان کے بالکل نابینا ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک انبیاء میں کوئی ظاہری عیب بھی نہیں ہوتا تاکہ لوگوں کو ان سے طبعی نفرت بھی

نہ ہو اور اتباع نہ کرنے کے لئے معمولی سایہانہ بھی نہ ملے اور اگر نابینا ہوئے بھی ہوں تو خلقۃً نابینا نہیں تھے۔ بلکہ شدت غم سے ہو گئے تھے جس طرح اور عوارض جسمانی و امراض لاحق ہوا کرتے ہیں۔ پس اگر اور امراض کی طرح یہ مرض ہو بھی گیا ہو تو کیا وہ مکرم نہیں رہے اور ان کی گستاخی جائز ہو گئی غرض ایک شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا لکھا ہے اور سراپا لکھنے کے لئے ایک سیاہی تیار کی ہے اس کے رگڑنے کے لئے چشم یعقوبی کو توبہ توبہ کھرل گردانا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب فقیر دہلوی بدعتیوں کے حق میں بڑے سخت تھے انتظام کے لئے کچھ آدمی ایسے بھی ہونے چاہئیں انہوں نے اس کا خوب جواب دیا ہے۔

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل
نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھرل
توبہ ہی یوں ہو کہیں عین نبی مستعمل
کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجہل

نعوذ باللہ کتنی بڑی گستاخی ہے نبی کی شان میں کہ ان کی چشم مبارک کو کھرل بنایا ہے۔ افسوس ہے مسلمان کہلا کر ان لوگوں کو ان باتوں کی کیسے جرات ہوتی ہے۔ در حقیقت ان میں ایمان ہی کی کمی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو باوجود یقینی افضلیت کے یہ ارشاد فرمائیں لاتفضلونی علی یونس بن متی کہ مجھ کو یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو اور یہ مدعیان محبت انبیاء کی اہانت کریں اور اس حدیث میں یونس علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ ایک قصہ ہے جس کے اکثر اجزاء کا بیان قرآن شریف میں ہے جس سے ناواقف کو ان پر نقص کا وسوسہ ہو سکتا چنانچہ ارشاد ہے وذالنون اذ ذھب مغاضبا الایۃ یعنی وہ اپنی قوم سے خفا ہو کر حق تعالیٰ بلا صریح اجازت لئے اپنے اجتہاد سے بستی سے باہر چلے گئے تھے کیونکہ ان کی قوم پر نزول عذاب کی خبر دی گئی تھی پر وہ اپنے اجتہاد سے چل دئے خدا تعالیٰ سے نصاً استفسار نہ کیا حق تعالیٰ کو ان کی شان کے اعتبار سے یہ بات ناپسند ہوئی کہ بدون حکم کے کیوں چل دئے اس کا تدارک یہ کیا گیا کہ جب ان کے راستہ میں دریا آیا اور وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی چکر کھانے لگی لوگ کہنے لگے کہ اس میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے۔ یونس علیہ السلام بولے کہ صاحبو! میں ہوں بھاگا ہوا غلام مگر سب نے انکار کیا اور کہا کہ آپ صورت سے غلام نہیں معلوم ہوتے آپ تو بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

مرد حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

واقعی انبیاء علیہم السلام کی صورت سے ان کا عاقل و مہذب اور شریف ہونا کافروں کو بھی معلوم ہو جاتا ہے۔

نور حق ظاہر بود اندر ولی
نیک بیں باشی اگر اہل ولی

ولی میں انوار الٰہی نمایاں ہوتے ہیں مگر اس کا ادراک اہل دل کو ہوتا ہے۔ جب ہر ولی کی شان ہے تو نبی کے لئے نور حق ظاہر بود اندر نبی بدرجہ اولی صادق ہوگا تو کشتی والوں نے آپ کے قول کو نہ مانا اور کشتی کی وہی حالت تھی آخر قرعہ کی تجویز ہوئی کہ جس کا نام قرعہ میں نکلے اسی کو دریا میں ڈال دیا جاوے۔ جب قرعہ بار بار انہیں کے نام نکلا اور یہ بھی اصرار کرتے رہے کہ عبد آبق میں ہی ہوں تو ان کو مجبوراً دریا میں پھینک دیا گیا۔ وہاں ایک بڑی سی مچھلی آئی اور ان کا ایک لقمہ کر کے چلی گئی۔ چالیس روز تک آپ اس کے پیٹ میں رہے اور تسبیح و استغفار کرتے رہے پھر مچھلی نے آپ کو کنارہ پر اگل دیا۔ اتنے دنوں میں ضعف بہت ہو گیا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے لئے ایک درخت اگا دیا۔ یہ قصہ قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ اس قصہ سے احتمال تھا کہ شائد کوئی احمق اس کو دیکھ کر یہ سمجھ جاتا کہ حضرت یونس علیہ السلام کا یہ فعل اچھے درجہ کا نہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر آپ کا نام لیکر منع فرمایا کہ ان پر مجھ کو فضیلت مت دینا۔ یعنی جس نبی کے متعلق تم کو شبہ بھی ہو سکتا ہے ان پر اپنی رائے سے مجھ کو فضیلت نہ دو کیونکہ تم اپنی رائے سے فضیلت دو گے تو عنوان غلط تجویز کرو گے ہاں تفضیل بالنص کا مضائقہ نہیں جس میں رائے کا اصلاً دخل نہ ہو کیونکہ نص میں جو تفضیل وارد ہے اس میں کسی نبی کی تنقیص لازم نہیں آسکتی اور تفضیل بالرائے میں اس کا قوی احتمال ہے یہ وجہ ہے ممانعت تفضیل کی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء سے یقیناً افضل ہیں آپ کی تو یہ شان ہے۔

لایمکن الثناء کما کان حقہ   بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(آپ کی تعریف جیسا کہ آپ کا حق ہے نا ممکن ہے۔ قصہ مختصر خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں)

اسی واسطے آپ نے لا فضل لی علی یونس بن متی (یونس ابن متی پر مجھ کو فضیلت نہیں)

نہیں فرمایا بلکہ لاتفضلونی فرمایا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ انبیاء کے احترام کا اس درجہ اہتمام تھا تو ان کی اہانت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرنا کیا اس کا نام مدح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ اس مدح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھاتے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جس ذکر و مدح کو ان لوگوں نے کمال محبت قرار دے رکھا ہے وہ محبت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی ہے پھر وہ لوگ کیا منہ لیکر ہم لوگوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کرتے غرض یہ کہ ان کا اعتراض بالکل لغو ہے بلکہ میں نے ثابت کر دیا کہ ہم لوگ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ کیونکہ دین کے ہر جزو کا ذکر بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر ہے مگر کبھی کبھی میں اس ذکر کو بلاواسطہ بھی کر دیتا ہوں اور یہ ذکر بلاواسطہ کبھی ربیع الاول کے قریب کبھی اس کے اثناء میں ہوتا ہے کیونکہ وہ مہینہ مذکور ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات کا اس تذکیر کے اثر سے اس مہینہ میں بھی یا اس کے آس پاس ذکر ہو جاتا ہے اور مذکر اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ بھی ربیع الاول ہی میں ہوئی ہے اور بقول بعض کے نبوت بھی اس ماہ میں عطا ہوئی اور وفات بھی اس میں ہوئی اس لئے یہ مہینہ ان کمالات کا مذکر ہو جاتا ہے۔ اور وفات کے کمالات مقصودہ میں سے ہونے پر میں ایک تعجب کو متفرع کرتا ہوں وہ یہ کہ ولادت شریفہ کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریفہ کا ذکر کبھی کیوں نہیں کیا جاتا چنانچہ اہل میلاد سے آپ نے ذکر وفات کبھی نہ سنا ہوگا بلکہ بعض نے منع کر دیا ہے حالانکہ وہ میمم ہے اس عالم کے کمالات کی اور میمم کی فضیلت ظاہر ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے یعنی اس عالم کے کمالات کی ابتداء ہے وفات شریف سے گویا وفات در حقیقت ولادت ہوتی ہے عالم ملکوت میں اور جیسا وہاں کی ولادت اشرف ہے ایسا ہی اس کا ذکر بھی افضل ہوگا۔ پس وفات شریف کا تذکرہ بھی کبھی کبھی کرنا چاہئے۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک وعظ میں وفات کا ذکر کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ولادت ہی ہے یعنی ولادت ملکوتیہ اور اس وعظ کا نام المولد البرزخی رکھا ہے۔ غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ناسوتیہ بھی ربیع الاول ہی میں ہے اور ولادت ملکوتیہ بھی۔

فضیلت ماہ ربیع الاول

اور باقی تمام واقعات بین الربیعین ہیں اس لئے یہ مہینہ سب کمالات کا مذکر ہو جاتا

ہے کیونکہ وہ محفوف ہیں ربیعین کے درمیان میں اسی لئے ماہ ربیع کی فضیلت میں ملا علیؒ فرماتے ہیں۔

لهذا الشهر فی الاسلام فضل ومنقبته تفوق علی الشهور
ربیع فی ربیع فی ربیع ونور فوق نور فوق نور

(اسلام میں اس مہینہ کی بڑی فضیلت ہے اور اس کی منقبت تمام مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے ربیع ہے ربیع در ربیع میں اور نور ہے جو نور پر نور ہے)

غرض اس بناء پر ربیع الاول کے قریب یا اس کے اثناء میں گاہ گاہ میرا معمول ہے کہ مقصوداً یا بلاواسطہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا کرتا ہوں اسی وجہ سے اس سال کے ماہ صفر میں میں نے آیت لقد جاء کم من اللہ نور وکتاب مبین یھدی به اللہ من اتبع رضوانه سبل السلام ویخرجهم من الظلمت الی النور (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور کتاب واضح کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں) کا بیان کیا تھا اور آج کہ خود ربیع الاول کا زمانہ ہے پھر اسی کے متعلق بیان کا قصد کیا کیونکہ گذشتہ جلسہ میں کچھ مضامین اس آیت کے متعلق رہ گئے تھے اور اسی وقت خیال تھا کہ کسی دوسرے جلسہ میں ان کو بیان کروں گا مگر جن کاتب نے وہ مضمون لکھا تھا آج وہ موجود نہیں ہیں اس لئے میں نے اس وقت دوسری آیت اختیار کی۔

کاملین سے صدور خطا ممکن ہے

چنانچہ اس دوسری آیت کے متعلق بیان کرتا ہوں حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ ایک واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے صحابہ کے ساتھ خاص برتاؤ کرنے کا غالباً واقعہ تو سب کو معلوم ہوگا مگر مجملاً میں بھی ذکر کرتا ہوں کہ بعض صحابہ سے غزوہ احد میں ایک غلطی ہوگئی تھی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے کہ جو گھٹنوں کے بل چلے

طفل کے نہ گرنے یعنی اس سے لغزش نہ ہونے پر ایک قصہ یاد آیا۔ ایک محقق

خوش مزاج بزرگ سے ایک بچہ نے بیعت کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ کوئی گناہ تو ابھی کیا ہی نہیں توبہ کس چیز سے کراؤں توبہ تو گناہ سے ہوا کرتی ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان حضرت نے گناہ کی رائے دی بزرگوں کے بعضے کلام کا مطلب سمجھنا بڑا دشوار ہے۔ حقیقت اس کلام کی یہ ہے کہ توبہ کی ضرورت گناہ کے بعد ہے یہ نہیں کہ توبہ کی ضرورت سے گناہ کرنا چاہئے۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ طبیب کسی تندرست آدمی کی نبض دیکھ کر نسخہ نہ لکھے اور یہ کہے کہ تم کو دوا کی ضرورت نہیں ہے کہ تم بیمار نہیں ہو۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ بد پرہیزیاں کر کے بیمار ہو جاؤ تاکہ دوسرے مریضوں کی طرح تمہارے واسطے بھی نسخہ لکھا جاوے سو یہ مطلب ہرگز نہیں بلکہ ایک واقعہ کی خبر دیتا ہے کہ غیر مریض کے لئے نسخہ نہیں لکھا جاتا ورنہ اگر یہ مطلب ہو تو سرحدی جیسا واقعہ ہو جاوے گا کہ ایک سرحدی ہندوستان آیا تھا اور کسی مقام پر ڈاکوؤں کے ہاتھ سے زخمی ہو گیا۔ ایک شخص نے اس کی خوب خدمت کی اور علاج کیا سرحدی نے تندرست ہو کر بہت خوشی سے کہا کہ میاں صاحب اگر کبھی ہمارے ملک میں آنے کا اتفاق ہو جاوے تو ہم سے ضرور ملنا ہم تمہارے خدمت کا صلہ دیں گے اتفاقاً وہ ہندوستانی ایک مرتبہ اودھر جا نکلا اور تلاش کر کے خان صاحب کے گھر بھی پہنچا خان صاحب اس کو مکان پر بٹھلا کر کہیں غائب ہو گئے اس کی بیوی نے دریافت کیا تم کون ہو تمہارا کیا واقعہ ہے انہوں نے سارا قصہ بیان کیا اس نے کہا میاں صاحب یہاں سے اسی وقت چل دو کیونکہ خان صاحب اکثر تم کو یاد کر کے یوں کہا کرتے ہیں کہ ہمارا ہندوستان میں ایک دوست ہے جس نے ہمارے زخموں کا علاج کیا اگر وہ محسن دوست یہاں آ پہنچے تو میں اس کو زخمی کر کے اس کی خوب خدمت اور مرہم پٹی کروں تو وہ اب چھرا لینے گیا ہے تاکہ اول تم کو زخمی کرے پھر علاج کرے تم بھاگ جاؤ۔ پس ان حضرات کا مطلب یہ نہ تھا کہ اس سرحدی کی طرح اول گناہ کرے پھر توبہ کرے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب گناہ نہیں ہوا تو توبہ کس چیز سے کراؤں کیونکہ بدون مرض کے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں مفرحات و مقویات کا استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ قصہ درمیان میں یاد آگیا تھا اصل میں میں یہ بیان کر رہا تھا کہ غلطی کا وقوع صحابہؓ سے قابل تعجب نہیں وہ شہسوار تھے جو کبھی گھوڑے سے گر گئے بلکہ اس میں حکمتیں ہوتی ہیں جن کو اہل طریق نے مختلف عنوانوں سے بیان کیا ہے چنانچہ ایک عنوان جو سب سے بڑھ کر ہے وہ ہے جس کو نظامی فرماتے ہیں۔

گناہ من از نامدے در شمار   ترا نام کے بودے آمر زگار

(اگر میرے گناہ گنتی میں نہ آتے تو تمہارا غفور نام کب ہوتا)

مگر یہ ناز ہے جو ہر شخص کو زیبا نہیں اس لئے آپ نہ کرنے لگیں ورنہ کبھی وہ حال ہو جیسے ایک احمق شخص نے ایک ولایتی کو دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو بڑے پیار سے دانہ کھلا رہا تھا کابلی لوگ گھوڑے کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اس پر خوب خرچ کرتے ہیں قیمتی قیمتی گھوڑے رکھتے ہیں گھوڑے کے قیمتی ہونے پر ایک کابلی تاجر کا قصہ یاد آیا کہ وہ کسی رئیس کے پوچھنے پر اپنے گھوڑے کی بڑی قیمت کہہ رہے تھے خریدار نے کہا تم بڑے گراں فروش ہو اس نے کیا مزہ کا جواب دیا کہ تم بڑے ارزاں خرید ہو غرض وہ کابلی اپنے گھوڑے کو بہت محبت سے دانہ کھلا رہا تھا وہ گھوڑا دانہ کھاتے ہوئے کبھی منہ مارتا کبھی دولتی پھینکتا اور وہ کابلی کہتا بیٹا کھاؤ اور جدھر وہ منہ لیجاتا اسی طرف یہ دانہ لے جاتا۔ اس شخص نے یہ ماجرا دیکھا تو دل میں کہا کہ افسوس ہماری بیوی ہماری اتنی قدر بھی نہیں کرتی جتنی یہ کابلی گھوڑے کی قدر کرتا ہے جب ہماری کچھ قدر نہیں ہوتی تو انسان ہونے سے کیا فائدہ اس سے تو گھوڑا ہی بننا بہتر ہے۔ گھر جا کر بیوی سے کہا کہ ہم اب گھوڑے بنیں گے بیوی نے کہا چاہے تم گدھے بن جاؤ میرا کیا حرج ہے۔ چنانچہ اس نے دو کھونٹے گاڑے اور ایک رسی گلے میں باندھی اور ایک کھونٹے میں پچھاڑی باندھی اور دم کی جگہ جھاڑو بند ھوائی اور دانے کا توبڑا منہ پر بند ھوا کر دولتیا چلانے لگا اور اصل مقصود کا انتظار ہی تھا کہ بیوی سے کہا تم یوں کہنا کہ بیٹا کھاؤ بیٹا کھاؤ اس کود پھاند میں چراغ جو پیچھے رکھا تھا جھاڑو میں آگ لگ گئی اس سے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ میاں کی اگاڑی پچھاڑی لگی ہوئی تھی یہ کس طرح بچتے بیوی بھی احمق کی احمق ہی تھی اس نے محلہ والوں کو پکارا کہ ارے دوڑو میرا گھوڑا جلا مگر سب نے کہا کہ اس کے گھر میں گھوڑا کہاں سے آیا مسخری ہے یوں ہی مذاق کر رہی ہے۔ بس آپ گھوڑے بن کر جل کر مر نڈا ہو گئے اچھا ناز کیا۔ اسی واسطے کہتا ہوں کہ ہر شخص کو ناز کرنا زیبا نہیں۔ نظامی کا ناز دیکھ کر آپ ناز نہ کرنے لگئے مولانا فرماتے ہیں ۔

ناز را روئے ببایدہمچو ورد چوں نداری گرد بد خوئی مگرد

(ناز کرنے کے لئے گلاب جیسے چہرے کی ضرورت ہے۔ جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بد خوئی کے پاس بھی نہ جاؤ)

عیب باشد چشم نابینا و ناز زشت باشد روئے نازیبا و ناز

(آنکھ اندھی ہو اور کھلی ہو یہ عیب ہے۔ چہرہ بد صورت ہو اس پر ناز ہو یہ بری بات

ہے)

پیش یوسف نازش و خوبی مکن　　جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

(یعنی یوسف یعنی کامل کے سامنے ناز و خوبی یعنی دعویٰ اظہار کمال مت کرو بجز نیاز و آہ یعقوبی کے اور کچھ مت کرو)

کیونکہ تم نظامی تو ہونے سے رہے ہاں بد نظامی ہو جاؤ گے۔

کاملین کی غلطی کا راز

غرض کاملین سے صدور خطا ہونے میں بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں ان کی خطا کی مثال سنکھیا مدبر جیسی ہے۔ سنکھیا کو حکیم مدبر کر کے کھلا دے گا تو مفید ہو گا اور نا تجربہ کار ویسے ہی کھائے گا تو مر جائے گا۔ پس یاد رکھو کہ صحابی کی خطا کی یہ شان ہے ۔

گر خطا گوید ورا خاطی مگو　　ور شود پر خون شہید آں را مشو

خون شہیداں راز آب اولیٰ ترست　　ایں خطا از صد صواب اولیٰ ترست

(اگر غلطی کرے اس کو خطاوار نہ کہو اور اگر شہید خون میں لت پت ہو جائے تو اس کو مت غسل دو کیونکہ شہیدوں کا خون پانی سے بہت بہتر ہے اور یہ خطا صد صواب سے بہتر ہے)

اور اس میں راز یہ ہے کہ ان کی غلطی اکثر اجتہاد سے ہوتی تھی اور ہماری غلطی فساد و عناد سے ہوتی ہے مگر باوجود خطائے اجتہادی ہونے کے سزا اور تنبیہ کے وہ فوراً خطاوار ہونے کا اقرار کر لیتے ہیں اجتہاد کا عذر پیش نہیں کرتے۔ کیونکہ تنبیہ کے وقت تاویل کرنا گستاخ و بے ادب کا کام ہے جیسا کہ آج کل مرض رہے کہ باوجود صریح خطا ہونے کے بھی اقرار کرنا موت ہے جھوٹی جھوٹی تاویلیں گھڑتے چلے جاتے ہیں حالانکہ جھوٹی تاویل تو قبیح ہے ہی۔ سلف کا مذاق تو یہ تھا کہ صحیح تاویل کو بھی ہر جگہ پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو من غشانا فلیس منا (جو شخص ہم کو دھوکہ دے، وہ ہم سے نہیں ہے) میں تاویل کرنا پسند نہیں۔ کیونکہ تاویل کر کے اس ارشاد کی غرض فوت ہو جاتی ہے کہ پھر اس سے اس درجہ کا زجر نہیں ہوتا جو مقصود ہے اور ان کا یہ قول بالکل درست ہے۔ البتہ خوارج اور معتزلہ کا استدلال رد کرنے کی وجہ سے تصحیح عقائد کے لئے تاویل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ وہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں اور ایسی حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں اس

میں تاویل کر کے ان کا استدلال توڑ دیا جاتا ہے- لیکن جہاں خائن کو زجر کرنا ہو وہاں ہم بھی سفیان بن عیینہ ہی کے ساتھ ہیں تاکہ زجر مقصود فوت نہ ہو- اسی طرح سزا دینے والا سزا دینے کے وقت یہ نہیں پوچھا کرتا کہ تم نے یہ غلطی قصداً کی ہے یا اجتہاد سے کی ہے تربیت کا مقتضا یہی ہے کہ غلطی کو غلطی ہی ظاہر کیا جاوے اور گو حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صحابہ کی غلطی اجتہاد سے تھی مگر اس کے خلاف کی بھی تصریح نہیں- پس مسکوت عنہ ہے اب اگر کسی اور طریق سے اس کا خطا اجتہادی ہونا ثابت ہو جاوے تو انکار کی گنجائش نہ رہے گی چنانچہ دوسرے دلائل سے اس کا اجتہادی ہونا معلوم ہے اس کی مختصر تقریر بھی عنقریب آتی ہے-

شان نزول آیت متلوہ

اب میں قصہ بیان کرتا ہوں شروع میں یوں ہوا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد میں ایک گھاٹی پر پچاس تیر اندازوں کو بٹھادیا اور یوں ارشاد فرمایا کہ تم اس گھاٹی پر چاہے ہمارا کچھ ہی حال ہو ہٹنا نہیں اس کے بعد جب لڑائی شروع ہوئی اور کفار بھاگنے لگے تو ان پچاس صحابہ میں سے اکثر کی رائے یہ ہوئی کہ چلو غنیمت کی لوٹ میں ہم بھی شریک ہوں-

کثرت رائے کا حکم

یہاں ایک بات ضمناً بیان کرتا ہوں کہ یہاں سے کثرت رائے کا مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ باوجود کثرت رائے پر عمل کرنے کے بھی اس فعل کو شرعاً ناپسند کیا گیا- جب صحابہ کی رائے کا یہ حال ہے تو پھر ہم کس شمار میں ہیں- نہ معلوم آج کل کثرت رائے کو کس بناء پر معیار صواب قرار دے رکھا ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں فقط اہل یورپ کی تقلید سے ایسا کرتے ہیں باوجودیکہ دعویٰ کرتے ہیں ان کی مخالفت اور مقاطعت کا اور یہ بھی یاد رکھو کہ ان صحابہ کی یہ شرکت فی الغنیمۃ (مال غنیمت میں شریک ہونا) کسی دنیوی غرض سے نہ تھی یعنی مال حاصل کرنے کے واسطے نہیں تھی کیونکہ غنیمت کا حکم یہ ہے کہ جو بھی جہاد میں شریک ہو اس کو غنیمت سے حصہ ملتا ہے خواہ وہ لوٹ میں شریک ہو یا نہ ہو- یہ نہیں ہے کہ جس کے جو ہاتھ لگے وہ لے بھاگا بلکہ اول سب غنیمت کو جمع کر کے پھر سب مجاہدین پر تقسیم کیا جاتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اگر وہ صحابہ گھاٹی پر بیٹھے رہتے تب بھی ان کو اتنا ہی حصہ ملتا جتنا کہ لوٹ میں شرکت کے بعد ملا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تحصیل مال کے لئے شرکت کی تھی بلکہ محض قتال میں شرکت چاہی تھی تاکہ ثواب میں اضافہ ہو کیونکہ ان

لوگوں نے ظاہر میں اب تک کچھ کام نہ کیا تھا صرف گھاٹی پر خالی بیٹھے ہی رہے تھے وہ سمجھے کہ ہم نے کچھ کام نہیں کیا لاؤ جہاد میں ہم بھی عملی حصہ لیں۔ خوب سمجھ لو بے علمی کی وجہ سے لوگ صحابہ پر طمع دنیوی کا طعن کرتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ مفصل معلوم ہو چکا۔ غرض ان صحابہ نے اپنی یہ رائے سردار سے ظاہر کی کہ ہم غنیمت میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو انھوں نے منع کیا اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عام تھا کہ یہاں سے کسی حال میں نہ ہٹنا اور شرکت غنیمت میں اس کی مخالفت ہے انھوں نے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد معلل تھا یہ مطلب نہ تھا کہ فتح کے بعد بھی گھاٹی سے نہ ہٹنا بلکہ عام ممانعت سے فتح کی تمل کی ہر حالت میں جمار ہنا مراد تھا جب فتح ہو گئی تو پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت ہی کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی غرض فتح تک ٹھہرنا تھا القصہ وہ سردار تو مع چند آدمیوں کے وہاں پر رہ گئے اور باقی سب شریک غنیمت ہو گئے۔ خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے ان کو جاسوس نے خبر دی کہ گھاٹی خالی ہو گئی ہے وہ فنون حرب کے بڑے ماہر تھے فوراً سپاہیوں کی ایک تعداد کو لیکر گھاٹی پر آپہنچے اور جو چند صحابہ وہاں رہ گئے تھے ان کو قتل کر کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا کیونکہ گھاٹی پر جو چند مسلمان باقی رہ گئے تھے وہ ان کے مقابلہ کو ناکافی ہوئے۔ ادھر کفار کو جب معلوم ہوا کہ گھاٹی پر ان کے آدمی پہنچ گئے تو وہ بھی بھاگتے بھاگتے واپس لوٹے اس طرح صحابہ درمیان میں پس گئے۔ اسی ہلڑ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہو گیا اور خود پر پتھر آکر لگا وہ سر مبارک میں گھس گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے باعث ایک جگہ سایہ میں تشریف فرما ہوئے تو شیطان نے اعلان کر دیا الا ان محمد اقد قتل یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے یہ حالت اور یہ اعلان۔ اس پر عشاق کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس سے زیادہ پاؤں اکھاڑنے والی بات کون ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت کی خبر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے بلند آواز کے ساتھ صحابہ کو پکارنے کے واسطے ارشاد فرمایا کہ ان کی آواز بہت بلند تھی رات کو بارہ میل تک جاتی تھی انھوں نے جب آواز دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ و سلامت ہیں اور تم کو بلا رہے ہیں تو صحابہ کو ہوش آیا اور سب جمع ہو گئے۔ قرآن مجید میں واذ غدوت (اور جب آپ صبح کے وقت نکلے) سے اس آیت تک بلکہ بعد تک بھی اس واقعہ کا ذکر ہے جس میں اول غزوہ بدر میں نصرت کرنے کا ذکر ہے پھر غزوہ احد کا بیان ہے۔ اور غزوات کا بیان تو قرآن میں مختصر ہے مگر اس غزوہ کا یعنی

جنگ احد کا بہت طویل بیان ہے۔ جس میں صحابہ کو ان کی غلطی پر متنبہ کر کے پھر اس واقعہ کی حکمتیں بتلائی گئی ہیں۔ اور مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جس طرح فتح و نصرت نعمت ہے اسی طرح بلاء و مصیبت بھی نعمت ہے۔ بہر حال اس واقعہ میں صحابہ کرام سے دو غلطی ہوئیں ایک تو گھاٹی پر سے ہٹ جانا اس کا منشاء تو اجتہاد تھا جیسا کہ مفصل بیان کر چکا ہوں دوسری غلطی بھاگنا اور پاؤں اکھڑنا اس میں خطا اجتہاد سے زیادہ عذر تھا یعنی یہ غلطی حیرانی اور بیہوشی کی وجہ سے ہوئی جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اعلان سن کر صحابہ پر طاری ہو گئی تھی کیا اس اعلان کے بعد مسلمانوں کے ہوش قائم رہ سکتے تھے خاص کر جبکہ صحابہ کے قلب میں اس کا خیال بھی نہ گذرتا تھا۔ گو یہ عقیدہ ضرور تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گی مگر غلبہ محبت کی وجہ سے اس جانب التفات نہ ہوتا تھا۔ اور اس پر تعجب نہ کریں کہ یہ کیسے ممکن ہے میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک بیوی کو انتقال شوہر پر بعد صدمہ ہوا اور خود مجھ سے کہا کہ میں یہ سمجھتی تھی کہ مولوی مرا نہیں کرتے اس لئے مجھ کو خیال تھا کہ یہ صدمہ کبھی نہ دیکھوں گی وہ بیوی اب تک زندہ ہیں اور ان کے اس خیال کا منشاء محض علماء کی عظمت و عقیدت تھی میں کہتا ہوں کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر صحابہ کی یہ حالت ہو تو کیا تعجب ہے۔

واقعہ وصال سرکار دو عالمؐ

غایت محبت کے سبب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی کے مشتاق تھے اس کے خلاف کا ان کو وسوسہ بھی نہ ہوتا تھا اسی لئے تو حق تعالیٰ نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو بہت اہتمام سے بیان فرمایا ہے وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افائن مات اوقتل انقلبتم علی اعقابکم (یعنی اور محمد صرف رسول ہی تو ہیں آپ سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ اپنی ایڑیوں کے بل دین حق سے پھر جاؤ گے) اور صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت یہی آیت پڑھی تھی جبکہ حضرت عمرؓ جیسا مستقل مزاج شخص بھی گھبرا اٹھا اور وہ ننگی تلوار لئے کھڑے تھے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا نام لے گا اس کی گردن اتار دوں گا۔ اب سوچو کہ جس کو کبھی یہ خیال ہی نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہمارے سامنے ہو گی بلکہ خود اپنی نماز جنازہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھوانا چاہتے ہوں نہ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنا اس اعلان کو سن کر ان کا کیا حال ہو گا۔ واقعی عاشق تو یہی چاہا کرتا ہے کہ میں پہلے مروں تاکہ محبوب کو میرے جنازہ پر آ کر میری بیکسی اور ثبات فی العشق کا مشاہدہ ہو کہ محبت میں ایسا پختہ رہا کہ اسی میں مر گیا اور زبان حال سے اس وقت یوں کہتا ہے۔

کششے کہ عشق دارد نگذاردت بدینساں — بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

(عشق کی کشش تجھ کو اس طرح نہ چھوڑے گی جنازہ پر اگر نہ آئے تو مزار پر ضرور آوے گا)

کبھی وہ اپنے جنازہ پر محبوب کے آنے کی تمنا کرتا ہے اور کبھی کشش عشق سے اس کو مزار پر بلاتا ہے۔ عاشق کبھی نہیں سوچتا کہ محبوب میرے سامنے مرے اور میں اس کی قبر پر جاؤں اس تصور کی اس کو ہمت کہاں ہوتی ہے۔ جب لیلیٰ مر گئی تو مجنوں کی بری حالت ہوئی اور اس کی قبر پر آیا اس وقت تک اس کو کسی نے بتلایا بھی نہیں تھا کہ لیلیٰ کی قبر کونسی ہے مگر مٹی سونگھ کر خود ہی معلوم کر لیا کیونکہ محبوب کی مٹی بھی عاشق کے شامہ میں ممتاز ہوتی ہے اسی کو حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں۔

ماذا علیٰ من شم تربة احمد
ان لایشم مدی الزمان غوالیا

یعنی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت کو سونگھ لیا اس کو عمر بھر خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں۔ عشاق کو بوئے محبوب اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ چنانچہ مجنوں بھی اسی طرح لیلیٰ کی قبر پر پہنچا اور وہاں جا کر چیخ مار کر بیہوش ہو گیا پھر عمر بھر اسی غم میں رہا حتیٰ کہ ختم ہو گیا۔ حقیقت میں محبوب کا عاشق کے سامنے وفات پا جانا سخت صدمہ جانکاہ ہے اسی کو حضرت فاطمہؓ دوسرے شعر میں فرماتی ہیں۔

صبت علی مصائب لوانہا — صبت علی الایام صرن لیالیا

(مجھ پر اس قدر مصیبتیں پڑی ہیں۔ اگر وہ دنوں پر پڑتیں تو راتیں بن جاتے)

اس سے آپ اندازہ کر لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سانحہ وفات صحابہؓ کے لئے کیسا جانکاہ تھا کہ ایسے بڑے بڑے استقلال والے اس وقت ہل گئے۔ حقیقت میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ صحابہؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی دین کا کام لیا گیا ورنہ سانحہ وفات سے سب کے سب معطل ہو جاتے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ آپس میں

لڑے تھے ارے کہیں ایسے عاشق بھی لڑا کرتے ہیں جو اپنے کو فنا کر چکے ہوں- ان حضرات نے نفس کے لئے کچھ نہیں کیا سب کچھ دین کے لئے کیا- اس واسطے ان کی سب لغزشیں معاف ہیں- کسی کا منہ نہیں کہ ان پر طعن کرے بہر حال اس واقعہ میں صحابہ سے جو غلطیاں صادر ہوئیں وہ ایسی ہیں کہ دوسرا ان کو غلطی نہیں کہہ سکتا- مگر چونکہ وہ بڑے درجہ کے لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کو ان کی تربیت منظور ہے اس وجہ سے ان کو اس خفیف خطا پر تاثر آگیا مگر ان کو اس تاثر میں بھی مزا آیا ہوگا- کیونکہ اولیاء سے زیادہ صحابہ میں بھی ہر مذاق موجود ہے مگر وہ حضرات ان جذبات کو زبان سے کم ظاہر کرتے ہیں اور اگر ظاہر کرتے بھی ہیں تو ان کے الفاظ مؤدبانہ ہوتے ہیں- مولوی غوث علی شاہ صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ مولانا رومی اور شیخ عطار اور شیخ اکبر میں باوجود اشتراک مذاق وحدۃ الوجود کے کیا فرق ہے فرمایا پہلے ایک حکایت سن لو کہ تین آدمی کسی گاؤں میں پہنچے اور پانی پینے کسی کنویں پر گئے وہاں ایک عورت پانی کھینچ رہی تھی- ان تین شخصوں میں سے ایک نے تو یوں کہا کہ اماں پانی پلادے- دوسرے نے کہا میرے باپ کی جورو پانی پلادے- تیسرے نے کہا میرے باپ سے یوں تو کرانے والی پانی پلادے- مضمون سب کا ایک تھا مگر دیکھ لو عنوان کے بدلنے سے کتنا فرق ہو گیا- پس مولانا رومی تو اماں والے ہیں اور شیخ عطار اور شیخ اکبر دوسرے تیسرے عنوان والے ہیں- خلاصہ یہ کہ بعض صوفی پھوہڑ ہوتے ہیں وہ الفاظ کا بیباکانہ استعمال کر جاتے ہیں حضرات صحابہ ایسا نہیں کرتے ورنہ وہ حقائق سے خالی نہیں- صوفیہ کے ہر مذاق کی اصل صحابہ میں موجود ہے اور احوال صحابہ کے دیکھنے سے اس کی تائید ہوتی ہے- چنانچہ صوفیہ کے اس مذاق کی وہ تاثر سے بھی مزہ لیتے ہیں- ایک حدیث سے تائید ہوتی ہے حدیث میں قصہ ہے کہ بعض صحابہ کو جنگ احد ہی کے موقعہ پر منافقین کے لوٹ جانے سے وسوسہ ہوا کہ ہم بھی لوٹ جائیں مگر پھر سنبھل گئے- اس کے متعلق قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما یعنی مسلمانوں میں سے بھی دو جماعتوں نے قصد کیا تھا کہ جنگ سے ہٹ جائیں اور اللہ تعالیٰ ان کے ساتھی (اور مددگار) تھے (اس لئے سنبھل گئے) گو اس میں ان جماعتوں کی رسوائی کر دی مگر ایک صحابی اس واقعہ کو بیان فرما کر کہتے ہیں کہ ہم کو اس آیت کے عدم نزول کی خواہش نہیں کیونکہ اس میں واللہ ولیھما (اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مددگار تھے) بھی تو ساتھ ہی کہہ دیا ہے- اصل میں تو شکایت کا بھی مزہ آیا ہوگا مگر انہوں نے یہ دور کھا کہ خود شکایت کا مزہ بیان نہ کیا بلکہ اللہ ولیھما (اللہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

تھے۔ان کے غم کو حق تعالیٰ نے اس طرح دور کیا کہ فرماتے ہیں فاثابکم غمابغم لکیلا تحزنوا یعنی تم نے ہمارے نبی کو غم دیا ہم نے اس کے بدلہ میں تم کو غم دیا اور وجہ یہ فرمائی لکیلا تحزنوا (تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو) اکثر مفسرین نے اس جگہ لا کو زائد کہا ہے مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری سمجھ میں آ گیا کہ لا کا زائد ہونا ضرور نہیں یعنی لا غیر زائد کہنے کی صورت میں خدا نے ایک توجیہ ذہن میں ڈال دی اور زائد تو مجبوری کو کہا جاتا ہے۔جب توجیہ بن سکے تو زائد کہنے کی کیا ضرورت ہے اور وہ توجیہ بھی نہایت لطیف ہے۔اول بطور مقدمہ کے یہ سمجھو کہ اگر ہم سے بڑے آدمی کی نافرمانی ہو جائے اور وہ بڑا آدمی ہم کو کچھ سزا دے لے تو شرمندگی ختم ہو جاتی ہے ورنہ قلق ہمیشہ باقی رہتا ہے۔اس مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ شریف آدمی خصوصاً عشاق کی طبیعتوں میں عمر بھر خطا سے غم رہتا ہے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ لیا جاوے۔بس اسی کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس ہزیمت اور شکست میں جو تم پر مصیبت پڑی ہم نے اس کو تمہاری نافرمانی کا عوض بنا لیا ہے تاکہ تم کو یہ غم نہ رہے کہ ہم کو سزا نہیں دی گئی۔پس اس طرح صحابہ سے بدلہ لیکر آئندہ کے لئے ان کے غم کو ختم کر دیا مگر اس سے گو وہ غم تو ختم ہو گیا جو صحابہ کو بدلہ نہ لینے سے ہوتا لیکن ایک دوسرا غم تو باقی رہ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر ان کی طرف سے حزن تھا۔جب چہرہ مبارک کو دیکھتے کہ پہلی سی بشاشت نہیں ہے تو اور بھی رنج میں اضافہ ہو جاتا۔صحابہ اس کی کہاں تک تاب لا سکتے تھے۔ان کی تو یہ شان تھی کہ ایک صحابی نے قبہ دار مکان بنالیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک روز اس طرف گذر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے۔صحابہ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے اس کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اس کے بعد وہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ رخ اپنی طرف نہ دیکھا جیسا پہلے تھا اس گھبرا گئے اور صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہے انہوں نے کہا اور کچھ تو ہم کو معلوم نہیں ہاں اتنی بات معلوم ہے کہ تمہارے مکان کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کراہت کے ساتھ خاموش ہو رہے تھے۔اب گو اس میں یہ بھی احتمال تھا کہ اس سکوت کا کوئی اور سبب ہو مگر صحابی نے محض احتمال کراہت ہی کی بناء پر فوراً سب مکان گرا دیا اور کمال یہ کہ آکر جتلایا بھی نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نے وہ مکان گرا دیا ہے یہ عرض کرنے کی بھی جرات نہ ہوئی۔اللہ اکبر کتنی عظمت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان حضرات کے قلوب میں۔آج کل کے لوگ ان کی خطا کو دیکھتے ہیں مگر ان کمالات کو نہیں

دیکھتے۔ پھر ایک مرتبہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اوہر گذر ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ مکان گرا دیا گیا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ اور بلند تعمیر مکان کی مذمت بیان فرمائی۔ غرض حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انقباض اور بے رخی کو کہاں برداشت کر سکتے تھے بس اس آیت میں حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انقباض کو دور فرمایا ہے کیا ٹھکانہ ہے رحمت خداوندی کا کہ اپنے بندوں کو کسی درجہ میں بھی غمگین نہیں رکھتے بلکہ ہر پہلو سے ان کے رنج دور کرنے کی تدابیر فرماتے ہیں۔ بھلا کہاں خدا اور کہاں بندہ اور پھر یہ توجہ بس اس حقیقت کو یا تو اس طرح تعبیر کیجئے کہ خدا کو اس کی کیا ضرورت تھی محض فضل و رحمت ہے یا اس طرح رکھیے کہ خدا ہی کی شان ہے کہ بلا غرض اتنی توجہ فرماتے ہیں۔ غرض جس طرح چاہے تعبیر کیا جاوے ہر حال میں اس سے غایت درجہ کی توجہ معلوم ہوتی ہے اور یہ محض رحمت ہے ورنہ خدا کی شان تو اتنی برتر ہے کہ اگر وہ بندہ کی طرف مطلق التفات نہ فرماتے تو ان کو اس کا حق تھا۔ اگر بندہ برسوں بھی پکارتا تو وہاں شنوائی نہ ہوتی۔ مگر چونکہ خدا کی صفات قدیم ولازوال ہیں اس لئے یہ شنوائی نہ ہونا لغوی معنے میں تو محال ہے مگر عرفی معنے کے اعتبار سے صحیح ہے یعنی عدم توجہ بلکہ بفرض محال نعوذ باللہ اگر علم و سمع لازم ذات نہ ہوتے تو بندہ اس قابل بھی نہ تھا کہ اس کے وجود کی خبر بھی اس بارگاہ عالی تک پہنچتی مگر اب تو یہ محال ہے کہ خدا کو کسی کی خبر نہ ہو اور کسی کی بات نہ سنے اسی لئے فرض محال کی قید لگا دی تھی مگر اس سے کسی ذہن کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب صفات قدیمہ ازلیہ واجبہ کی وجہ سے یہ سب باتیں وغیرہ لازم ہیں تو پھر رحمت خداوندی اضطراری ہوئی کیونکہ صفت رحمت بھی قدیم وواجب ہے اور واجب کا وجود لازم ہے تو اضطراری رحمت میں بندہ پر احسان ہی کیا ہوا یہ شبہ بالکل باطل ہے کیونکہ علم و قدرت وغیرہ صفات تو ایسی ہیں کہ وہ خود بھی قدیم اور ان کا تعلق بھی قدیم ہے اور بعض صفات خود تو قدیم ہیں مگر ان کا تعلق قدیم نہیں ہے بلکہ حادث اور مشیت پر موقوف ہے۔ مثلاً رحمت کہ اس کا تعلق تو قدیم نہیں بلکہ حادث ہے جو ارادہ سے ہوتا ہے بس یاد رکھنے علم تو قدیم اور ضروری ہے اور یاد رکھنے توجہ اور رحمت کا تعلق ضروری نہیں اگر حق تعالیٰ اس کو متعلق نہ کرتے تو اس میں کوئی اشکال یا خرابی لازم نہیں آسکتی تھی بس وہ تو محض رحمت کی وجہ سے ہماری طرف توجہ کرتے ہیں۔

من نکردم خلق تا سودے کنم ۔۔۔ بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے اس لئے مخلوق کو کہ کچھ فائدہ حاصل کروں بلکہ اس لئے کہ بندوں پر جو

دو کرم کروں)

اسی واسطے ہم کو خدا سے بڑی امیدیں ہیں کہ وہ بلا غرض کے بندوں پر اتنی توجہ فرماتے ہیں۔ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری فرماتے ہیں کہ اگر آخرت میں بھی وہی خدا ہے جو یہاں ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں تو وہ ہمارے حال پر بڑی عنایت فرماتے ہیں امید ہے کہ وہاں پر بھی یہی برتاؤ ہوگا۔ کیونکہ یہی خدا تو وہاں بھی ہے اسی لئے بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب صفت رحمت کا سالک پر غلبہ ہو تو اسی مراقبہ میں مشغول رہے کیونکہ حق تعالیٰ کے شیون مختلف ہیں سب شیون کے حقوق کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بس صفت رحمت کا حق یہ ہے کہ جب سالک پر اس کا ظہور ہو تو اسی کے مراقبہ میں مشغول رہے اور ادھر سے باوجود ان کے استغناء مطلق کے جس کا ابھی اوپر بیان ہوا بندہ کی طرف اتنی توجہ ہونا تو قابل غور ہے ہی مگر اس سے بڑھ کر یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ادھر سے بالکل توجہ نہیں ہوتی جس میں مانعیت توجہ کا اثر ہونا چاہیے مگر پھر بھی ادھر سے توجہ ہوتی ہے۔ اللہ اکبر اول تو وہ ذات بلا غرض توجہ کرے پھر بلا طلب طالب کے توجہ کرے یعنی مستغنی اور غیر طالب بندہ توجہ کرے بلکہ روگردان کی طرف التفات و نظر عنایت کرے واقعی غایت کرم ہے۔

اے خدا قربان احسانت شوم ایں چہ احسانست قربانت شوم

(اے خدا آپ کے احسان پر قربان ہوتا ہوں یہ احسان کیا چیز ہے میں آپ ہی پر قربان ہوں)

حق سبحانہ تعالیٰ کی عجیب رحمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اس بندہ سے جو جنت میں زنجیروں سے جکڑ کر داخل کیے جاویں گے۔ یہ حدیث بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا مذکور ہے اس حدیث میں عجب ربنا (ہمارے پروردگار خوش ہوتے ہیں) کا لفظ آیا ہے بوجہ محاورہ کے خوش ہونے کا ترجمہ کرتا ہوں یہ تو حدیث کا ترجمہ ہوا اور اس کا مطلب بھی خود اسی حدیث میں ان الفاظ سے آیا ہے یعنی الاسیر یوثق ثم یوثق یسلم یعنی کہ بعض کفار دار الحرب سے زنجیروں میں جکڑ کر لائے جاتے ہیں وہ یہاں دار الاسلام میں آکر مسلمانوں کا طرز عمل دیکھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ گویا زنجیروں میں جکڑ کر جنت میں پہنچائے گئے ہیں کیونکہ نہ وہ قیدی بن کر آتے نہ اسلام کی توفیق ہوتی یہ بالکل ایسا ہے جیسا

کہ بچوں کو زبردستی پکڑ پکڑ کر اکثر نہلایا جاتا ہے اور وہ روتے ہیں خود میرے ہی بچپن کا قصہ ہے کہ میں سر پر بال تو رکھتا تھا مگر کھیل میں ہفتوں سر نہیں دھوتا تھا اور اس سے بھاگتا تھا۔ ایک بار تائی صاحبہ یعنی بڑی چچی صاحبہ نے کھلی بھگو کر رکھ لی اور جب میں گھر آیا تو موقع پا کر ایک دم سے کھلی سر پر مل دی تاکہ مجبوراً سر دھونا پڑے کسی نے کیا اچھا کہا ہے ع گر نستانی بستم می رسد (اگر (خوشی سے) نہ لے گا زبردستی پہنچے گا) پس یہی حال ان قیدیوں کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زبردستی جنت میں بھیجنا چاہتے ہیں۔ تھے تو وہ معاند مگر پکڑ کر قید کر کے ان کو جنت میں لے گئے۔ جاہل صوفیوں نے اس حدیث کے اور معنے گھڑے ہیں کہ عشاق قیامت کے دن جنت میں جانے سے انکار کریں گے کہ ہم نے جنت کے لئے تھوڑا ہی آپ سے محبت کی ہے اس لئے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر لیجاویں گے ارے بھائی اس مطلب کی کیا دلیل ہے بلکہ خلاف دلیل ہے کیونکہ یہ تو ایک قسم کی نافرمانی ہے اللہ تعالیٰ جنت میں جانے کا حکم دیں اور وہ نہ مانیں کیا عشاق سے اس کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی جاہلوں نے تو صوفیہ کرام کو بدنام کیا ہے اور یہ تو بسا غنیمت ہے کیونکہ یہاں تو مطلب ہی میں گڑبڑ کی ہے مگر ترجمہ تو حدیث کا نہیں بدلا۔ بعض جگہ تو اس سے بڑھ کر غضب کیا ہے کہ معنی ہی غت ربود کر دیے۔ چنانچہ ایک جاہل صوفی نے من ذالذی یشفع (کون ہے وہ شخص جو سفارش کرے) کے معنے اس طرح کئے ہیں کہ جس نے اس کو یعنی نفس کو ذلیل کیا وہ شفا پا گیا من کو بجائے استفہام کے موصولہ لیا اور ذل کو قطع نظر رسم خط سے بمعنے اذل لیا اور ذی کو اسم اشارہ مؤنث بنایا اور یشف مضارع جو من کی جزاء ہے اور ع کو بمعنے ع صیغہ امر بمعنے احفظ لیا الٰہی توبہ کچھ حد ہے تحریف کی۔ اور ایک صاحب نے والضحی واللیل اذا سجی (قسم ہے دن کی روشنی کی اور رات کی جبکہ وہ قرار پکڑے) کے معنے اس طرح کئے۔ اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے معلوم نہیں نفس کس لفظ کے معنے ہیں شاید لیل سے سمجھا ہو کیونکہ وہ کالی ہوتی ہے اور نفس بھی سیاہ ہوتا ہے یعنی گناہوں کی سیاہی میں ملوث ہوتا ہے اور اذا میں جو ذا ہے اس کو اسم اشارہ سمجھا ہو۔ جس کا ترجمہ ہے یہی ایک فقیر نے ہمارے ماموں صاحب سے دریافت کیا کہ بتاؤ رزق بڑا ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بڑے ہیں۔ کہنے لگا بے پیر معلوم ہوتا ہے۔ پھر خود ہی بیان کیا کہ دیکھو اذان میں اشہدان محمد ارسول اللہ (گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) میں ان پہلے ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیچھے اس لئے ان بڑا ہے اور ان کہتے ہیں ہندی میں اناج کو نعوذ باللہ من

ھذا الکفریات یہ نکتے کہلاتے ہیں فقیری کے کوئی اس جاہل سے پوچھے کہ ان کے معنے اناج کے کدھر سے ہیں کیا اذان میں ہندی لغت ہے اور کیا تقدیم ذکری افضلیت کی علت ہے خدا بچاوے اس جہالت سے ایسے ہی جاہلوں نے صوفیوں کو بدنام کیا ہے مگر اس سے علماء ظاہر کو سب صوفیوں پر ملامت کرنے کا حق نہیں ہو سکتا کیونکہ میں کہتا ہوں کہ آپ کی جماعت میں بھی تو ایسے جاہل موجود ہیں جو اس قسم کی بزلیات بکتے ہیں۔ چنانچہ ایک شخص نے وعظ کہا اور انا اعطیناك الكوثر (ہم نے آپ کو کوثر عطا کی) کا یہ ترجمہ کیا کہ ہم نے تجھ کو کوثر کی مانند دیا ہے۔ کسی نے دریافت کیا کہ مانند کس لفظ کے معنے ہیں تو جواب دیا کہ ایک کاف تشبیہ کا ہوتا ہے اس کے معنے مانند کے آتے ہیں اور یہ علم نحو کی بات ہے اس نے کہا کہ کاف تشبیہ کا تو گول لکھا ہوا ہوتا ہے یہ تو لمبا لکھا ہے۔ (واقعی جاہل کو سمجھانے کے لئے خوب طریقہ اختیار کیا) اس پر جواب دیا کہ ہم کو یہ بات معلوم نہیں تھی غنیمت ہے کہیں تو لاعلمی کا اقرار کیا ورنہ آج کل تو اس کا بھی کوئی جواب گھڑ دیتے۔ پس جب ایسے جاہل واعظوں کے قصوں کی وجہ سے محقق علماء کو نہیں چھوڑا جاتا تو اسی طرح جاہل صوفیوں کی وجہ سے محقق صوفیوں کو بھی نہ چھوڑا جاوے گا۔ یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ بعض جاہل صوفیوں نے اس حدیث کے معنے میں تحریف کی ہے کہ حق تعالیٰ ان بندوں پر خوش ہوتے ہیں جو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ کر جنت میں بھیجے جاتے ہیں اور میں اس سے پہلے یہ بیان کر رہا تھا کہ حق تعالیٰ کی کتنی عجیب رحمت ہے کہ طالب تو طالب وہ غیر طالب بلکہ معرض وروگرداں پر بھی توجہ فرماتے ہیں کہ ان کو بھی زبردستی جنت میں بھیج دیا جاوے گا یعنی ان کو خدا کی رحمت سے اسلام کی توفیق ہو جاتی ہے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے تو تھے کیا ارادہ کر کے اور وہاں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ اس جگہ ایک ضروری بات یاد آگئی اور وہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے مسلمانوں پر دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ اسلام پر اس کے برکات مادیہ وروحانیہ یہ سب دنیا ہی میں عطا ہوئے اور آخرت کے برکات جدا رہے پھر بھی افسوس ہے کہ بہت لوگ یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں کفار پر رحمت زیادہ ہے واللہ یہ بالکل غلط ہے خدا کی قسم پھر خدا کی قسم دنیا میں بھی مسلمانوں ہی پر زیادہ رحمت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتے ہیں فلاتعجبك اموالهم ولا اولادهم انما يريد الله ليعذبهم بها في الحيوة الدنيا و تزهق انفسهم وهم كفرون یعنی کفار کو مال واولاد اس واسطے دیا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب دینا منظور ہے کیونکہ خدا

تعالیٰ نے کفار کو جیسے اولاد و مال زیادہ دیا ہے ویسے ہی ان کو ان اشیاء کی محبت بھی زیادہ دی ہے جس کی وجہ سے ہر دم وہ اس ادھیڑ بن میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کس طرح ہو مال کیسے بڑھے نفع کس طرح حاصل ہو اور اس فکر کی وجہ سے کسی وقت ان کو چین اور راحت نصیب نہیں ہوتی اور رحمت کا اثر در اصل راحت اور چین ہی ہے اور وہ اگر میسر ہے تو مسلمانوں کو میسر ہے یہ دوسری بات ہے کہ ان میں باہم تفاوت ہو۔

اہل اللہ کے برابر کسی کو چین میسر نہیں

کہ ادنیٰ مسلمان کو ادنیٰ درجہ کی راحت اور اعلیٰ درجہ کے مسلمانوں کو اعلیٰ درجہ کی راحت باقی کفار کے مقابلہ میں عموماً سب مسلمان راحت میں ہیں کیونکہ وہ طالب آخرت ہیں اور کفار طالب دنیا ہیں اور دنیا کی یہ حالت ہے۔

گر گریزی بر امید راحتے　　　ہم از انجا پیشت آید آفتے

(اگر کسی راحت کی امید پر بھاگتا ہے تو اس جگہ بھی تجھ کو کوئی آفت پیش آئے گی)

دنیا کی کوئی چیز آفت سے خالی نہیں پھر اس طالب دنیا کو راحت کہاں اور آخرت کی یہ شان ہے۔

ہیچ کنجے بے دود بے دام نیست　　　جز خلوت گاہ حق آرام نیست

کوئی گوشہ بے دوڑ دھوپ اور بغیر دام کے نہیں ہے سوائے خلوت گاہ حق کے آرام نہیں ہے)

خلوت گاہ حق طلب آخرت ہی تو ہے کہ لقاء حق کا سامان کرے اور اس کے بعد علاوہ دلیل کے میں مشاہدہ کراتا ہوں اور ایک نظیر بتلاتا ہوں وہ یہ کہ دنیا میں اہل اللہ تو موجود ہیں ان کو دیکھ لو کس حال میں ہیں ان کا حال دیکھ کر یہ کہو گے۔

ہنوز آں ابر رحمت در فشانست　　　خم و خمخانہ با مہر و نشانست

(اب بھی وہ ابر رحمت در فشاں ہے خم اور خمخانہ مہر و نشاں کے ساتھ موجود ہے)

نبوت تو ختم ہو گئی ہے مگر ولایت تو ختم نہیں ہوئی اہل اللہ اس وقت بھی موجود ہیں تجربہ کر لو تم چند روز اہل اللہ کی صحبت میں رہو اور طالبات دنیا کی صحبت میں بھی رہو۔ اور دونوں جگہ محرم راز بن کر رہو جس سے صحیح حالات دونوں جگہ کے معلوم ہو سکیں واللہ معلوم ہو جاوے گا کہ راحت اور چین اہل اللہ ہی کو نصیب ہے۔ اس سے زیادہ کیا دلیل لاؤں کہ

مشاہدہ غلط ہو گا تو آکر ہاتھ پکڑ لینا مگر قبل تجربہ کے اعتراض کا حق نہیں اور میں اس کا راز بھی کھولے دیتا ہوں کہ اہل اللہ کو سب سے زیادہ وہ راحت کیوں ہے وہ یہ کہ غم ہوتا ہے خلاف توقع سے اور اہل اللہ نے توقع ہی کو قطع کر دیا ہے یعنی وہ دنیا کی کسی چیز سے توقع کو وابستہ نہیں کرتے اور نہ کسی معاملہ میں ان کی کوئی تجویز ہوتی ہے بلکہ وہ ہر معاملہ میں وہی چاہتے ہیں جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں تم بھی حق تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لو تو تمہاری سب خواہشیں اس کی مشیت میں فنا ہو جاویں گی پھر یہ حال ہو گا کہ ع ہر چہ آں خسرو کند شیریں بود۔ (جو کچھ بادشاہ کرتا ہے وہی خوشگوار ہوتا ہے) جب تفویض ہو گئی تو یہ حالت ہو جاوے گی ۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من　　دل فدائے یار دل رنجان من

(محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے میں اپنے یار پر جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو قربان کرتا ہوں)

اور یوں کہو گے ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ پر قربان ہو دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں آپ پر راضی ہوں)

غرض غم ان کے پاس نہیں پھٹکتا۔

اہل اللہ کے غمگین نہ ہونے کا راز

اور ایک لطیفہ اور بھی بتلاتا ہوں وہ یہ کہ اگر کسی وقت ان کو غم ہی کا مراد حق ہونا معلوم ہو جاوے تو پھر وہ غم ہی میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ اصل مقصود تو رضا و قرب ہے نہ خوشی مقصود ہے نہ غم مقصود ہے اس لئے جب وہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا غمگین ہونا ہی مطلوب ہے تو اس وقت غمگین بنجاتے ہیں اور غم ظاہر کرتے ہیں مگر ماتم نہیں کرتے بلکہ کبھی چہرہ سے کبھی کسی بات سے غم ظاہر ہو جاتا ہے باقی اہتمام اظہار غم کا نہیں کرتے کیونکہ اظہار غم کا اہتمام کرنا شرعاً ممنوع ہے اور وہ غم ہی کیا ہوا جس کے ظاہر کرنے کے واسطے اہتمام کیا جاوے وہ تو تصنع اور بناوٹ ہو گی۔ غم تو وہ ہے جو خود بخود اضطراراً ظاہر ہو اس تصنع پر ایک خادمہ کی حکایت یاد آگئی جو ہمارے گھر نوکر تھی اور یہاں سے پہلے ایک شیعی

نواب کے یہاں رہتی تھی وہ ایک بار ماتم میں شریک ہوئی۔ تھوڑا سا ماتم کر کے شیرینی تقسیم ہوتی تھی ایک بار تقسیم میں اس کو بھول گئے اس کو شیرینی میں حصہ نہ ملا اس کے بعد پھر ماتم شروع ہوا ہائے حسن ہائے حسین۔ اس نے بجائے ماتم کے ہائے جلیبی ہائے ریکبی کہنا شروع کیا۔ عورتوں کو معلوم ہوا کہ اس کو جلیبی نہیں ملی تو اس کو بھی حصہ دیا گیا۔ اس بیچاری نے ظاہر کر دیا کہ اصل تو جلیبی تھی نہ کہ ماتم اوروں نے گو ظاہر نہ کیا ہو مگر مقصود سب کا مٹھائی ہی ہوتی ہے جس کا امتحان ہو سکتا ہے کہ ماتم میں شیرینی تقسیم نہ کرو پھر دیکھو کتنے آدمی آتے ہیں۔ بس گویا ان کے مذاق پر ایک ریکبی اور چار جلیبی ملکر پنجتن ہو جاتے ہیں ورنہ کچھ بھی نہیں یہ حقیقت ہے ماتم کی پھر اس کو دین کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جس غم کے اظہار کا اہتمام ہو وہ تو تصنع ہے جیسا اس قصہ میں مذکور ہوا لیکن اللہ والے اس غم کا اظہار بھی نہیں کرتے اس میں بھی وہ خوش ہی ہیں اور غم کے وقت بھی صرف اس لئے طبعاً غمگین ہوتے ہیں کہ محبوب کو انہیں غمگین دیکھنا منظور ہے باقی اندرون دل سے عقلاً وہ اس وقت بھی رضا کے ساتھ مسرور ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے اہل اللہ نے جو چیز دیکھی ہے اس کے ہوتے ہوئے ہر حال میں ان کا خوش رہنا کیا کمال ہے خدا کا احسان مانو جس نے یہ حقائق منکشف کئے اور یہ مقامات عطا فرمائے ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت

(احسان مت جتاؤ کہ ہم بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں بلکہ احسان مانو کہ تم جیسے نااہلوں کو اپنے خدمت میں رکھ چھوڑا ہے)

الغرض دنیا میں مومنین پر جتنی رحمت ہے اس کا کوئی جزو بھی کفار پر نہیں چنانچہ اس واقعہ احد سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں کی راحت کا کس درجہ اہتمام ہے کہ اول لقد عفا اللہ عنھم (اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا) فرما چکے ہیں جس سے آخرت کی طرف سے ان کو بے فکر کر دیا گیا کہ تم سے وہاں گرفت نہ ہوگی۔ اس کے بعد ان کی دنیا کی راحت کا سامان فرماتے ہیں کیونکہ اگر صرف آخرت ہی میں مسلمانوں پر رحمت فرما دیتے تو یہی کافی تھا عفا اللہ عنھم (اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا) فرما دینا بلکہ اس جگہ اس کی اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ تھی جب آخرت میں پہنچتے وہاں رحمت فرما دیتے مگر اس پر بس نہیں کیا گیا بلکہ دنیا میں بھی ان کو اس طرح راحت پہنچائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انقباض جو صحابہ کے لئے موجب کوفت تھا اس کے ازالہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اگر حق

تعالیٰ کو دنیا میں مسلمانوں کو راحت دینا منظور نہ تھا تو یہ اہتمام کیوں کیا جاتا۔ اگر اس راحت دنیوی پر کسی کو شبہ ہو کہ افلاس وغیرہ تو اہل اللہ کو بھی ہوتا ہے پھر اہل اللہ سے غم کی نفی کیسے صحیح ہے۔

اسباب راحت

اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ اسباب غم ہیں عین غم نہیں اس میں لوگوں کو بہت خلط ہو رہا ہے کہ اسباب کو عین مسبب سمجھتے ہیں اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ راحت اور ہے اور اسباب راحت اور پس یہ ضروری نہیں کہ جہاں اسباب غم موجود ہوں وہاں غم بھی موجود ہو مثلاً کسی کو ان کا محبوب زور سے دباوے کہ ہڈیاں بھی ٹوٹنے لگیں مگر ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو کہ محبوب دبا رہا ہے تو گو سبب موجود ہے مگر غم اصلاً موجود نہ ہوگا بلکہ شوق میں یہ کہا جاوے گا۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

بلکہ اس وقت اگر محبوب یہ بھی کہے کہ تم کو تکلیف ہوتی ہو تو لاؤ تم کو چھوڑ کر رقیب کو دبانے لگوں تو اس وقت یوں کہے گا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو خنجر آزمائی کرے)

بس معلوم ہو گیا کہ دبانا عین تکلیف نہ تھا بلکہ اسباب تکلیف میں سے تھا چنانچہ جب معلوم ہو گیا کہ دبانے والا محبوب ہے تو سب تکلیف جاتی رہی بلکہ اب سبب راحت بن گیا اسی طرح اہل اللہ کے ظاہری مصائب کو سمجھو۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہ اسباب ہیں غم کے خود غم نہیں اور اہل اللہ سے ہم غم کی نفی کرتے ہیں اسباب غم کی نفی نہیں کرتے خوب سمجھ لو مگر ان اسباب کے ساتھ بھی اہل اللہ سے غم منتفی ہے کیونکہ اہل اللہ جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کے محبوب حقیقی کا تجویز کردہ ہے تو اس تصور سے سارا غم دھل جاتا ہے۔ شروع میں تو یہ بات عقلی ہی ہوتی ہے مگر آخر میں طبعی بن جاتی ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ جب اہل اللہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہیں محب و عاشق ہیں تو ان کو یہ تکلیف کیوں دی جاتی ہے۔ اور اہل اللہ کو تکلیف میں لذت کس طرح حاصل ہوتی ہے یہ تو کچھ کمال نہ ہوا بلکہ بے حسی معلوم

ہوتی ہے تو اس سائل سے میں پوچھتا ہوں کہ محبوبان دنیا جو اپنے عشاق سے ناز و انداز کرتے ہیں ان میں کیا حکمتیں ہیں اور عشاق کو ان میں لذت کیوں آتی ہے محبوب کے چپت مارنے میں لذت کیوں ہے عاشق کو اس سے کیا نفع ہوا کچھ نہیں۔

محبت کا خاصہ

بس یہی کہا جاوے گا کہ محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب عشاق کو آزمایا بھی کرتے ہیں ان سے ناز و انداز بھی کیا کرتے ہیں اور عشاق کو اس میں لذت بھی آتی ہے اگر اس کا نام بے حسی ہے تو ساری دنیا بے حس ہے کیونکہ محبت سے کوئی خالی نہیں خواہ کسی سے ہو۔ غرض اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تجویز کو فنا کر دیا ہے۔ بس ایسے لوگ دنیا میں بھی راحت سے ہیں جو اپنی تجاویز کو حق سبحانہٗ کے سامنے فنا کر چکے ہیں۔ اسی ازالہ غم کے لئے تو حق جل جلالہٗ نے ولنبلونکم الخ (ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے) کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) کا مراقبہ تعلیم فرمایا ہے یعنی جب کوئی غم کی بات ہو تو کہو کہ ہم اللہ کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں وہ مالک ہیں ایک مقدمہ تو یہ ہوا دوسرا مقدمہ مطوی ہے کیونکہ ایک مقدمہ منتج نہیں ہوتا گو آج کل کے بعض عقلاء قائل ہوئے ہیں کہ ایک مقدمہ بھی منتج ہے اور مطوی ماننا تکلف ہے مگر صحیح یہی ہے کہ نتیجہ مقدمتین سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے مقام پر کہ جہاں بظاہر ایک ہی مقدمہ منتج معلوم ہوتا ہے دوسرا مقدمہ مطوی ہوتا ہے یہاں یہ مانا جاوے گا کہ وہ مالک ہونے کے سبب تصرف کا حق رکھتا ہے تو پھر تم کو چون وچرا کا کیا حق ہے یہ عقلی مراقبہ تھا اور انا الیہ راجعون (ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) میں طبعی مراقبہ ہے اور اس میں دو مرتبے ہیں ایک عشاق کی نظر میں ہے کہ جب خدا مل گیا تو پھر غم کیسا اور ہم کو دوسری وجہ سے اس مراقبہ میں تسلی ہوئی یعنی یہ سمجھ کر کہ وہاں لوٹ کر سب مل جاویں گے اس عالم میں ہم اور یہ مفقود جس کے فقدان کا رنج ہے باہم مجتمع ہو جاویں گے سبحان اللہ قرآن کی بھی کیا شان ہے کہ اس سے ہر شخص کو اس کے درجہ کے موافق تسلی ہوتی ہے۔ ایسے جامع الفاظ میں جن سے عوام بھی تسلی حاصل کریں اور خواص بھی ع تسلی داد ہر یک را بہ نگے (ہر ایک کو ایک طریقے سے تسلی دی) بس قرآن مجید کی شان یہ ہے۔

بہار عالم حسنش دل وجاں تازہ میدارد ۔۔۔ برنگ اصحاب صورت رابیو ارباب معنی را

(اس عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل وجاں کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجاں کو بو سے تازہ رکھتی ہے)

چنانچہ اسی انا للہ وانا الیہ راجعون سے عشاق نے تو یوں سمجھا کہ عالم آخرت میں ہم کو اللہ تعالیٰ ملے گا۔ بیوی نہ رہی نہ سہی اور عوام نے یہ سمجھا کہ وہاں یہ بیوی بھی مل جاوے گی اور اس کے سوا اور بھی بہت کچھ ملے گا۔ اپنے مذاق اور مرتبہ کے موافق تسلی سب کی ہو گئی۔ بس جب عامہ مؤمنین کو بھی مغموم نہیں رکھتے بلکہ اگر کبھی انہیں کی مصلحت سے جو ان کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے تو اس میں تسلی کی تدابیر بتلاتے ہیں تو صحابہ کو کیسے مغموم چھوڑ دیتے تمہید لمبی ہو گئی مگر کچھ حرج نہیں مفید مضامین آ گئے ہیں اور وہ سب ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے افراد ہیں گو اس وقت آپ کا ذکر بواسطہ مقصود تھا مگر الحمد للہ بلاواسطہ بھی ہو گیا۔

شان صحابہؓ

کیونکہ آیت میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملات صحابہ کے ساتھ مذکور ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ کی لغزش پر تنبیہ کر دینے کے بعد صحابہ کا غم دور کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص ارشاد ہے عفوو استغفار للصحابہ (صحابہ کے لئے) کا اور اس سے پہلے فبما رحمة من اللّٰه لنت لهم (بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے) اس کی تمہید ہے کیونکہ صحابہ کو اور تو کوئی غم نہ رہا تھا سب سے حق تعالیٰ نے تشفی کر دی تھی اب صرف ایک غم باقی رہ گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اس لئے حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں فاعف عنهم (تو آپ ان کو معاف فرما دیجئے) مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس مضمون کو کس طرح فرماتے ہیں۔ یعنی فقط فاعف عنهم (آپ ان کو معاف کر دیجئے) نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیشتر ایک تمہید بیان فرمائی جس سے آپ کی جمالت رحمت اور جلالت نبوت کی خاص شان معلوم ہوتی ہے کیونکہ بدون اس تمہید کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طبعی انقباض زائل ہونا دشوار تھا اس لئے اول ارشاد فرمایا فبما رحمة (رحمت کے سبب) کہ آپ اپنے لین وشان رحمت کو دیکھے پھر اس کے ساتھ من اللّٰه (یعنی اللہ ہی کی رحمت کے سبب) بڑھایا کہ یہ رحمت حق تعالیٰ نے آپ کے اندر رکھی ہے جس سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے درجہ کی رحمت ہے پھر

مصلحت اس رحمت کی بیان فرمائی ہے کہ آپ کو نرم اس واسطے بنایا کہ اگر آپ فظ ہوتے یعنی ظاہر میں سخت کلام ہوتے غلیظ القلب یعنی اگر آپ دل سے بھی سخت ہوتے تو نتیجہ یہ ہوتا لا نفضوا من حولک یعنی صحابہ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ ان ارشادات کے بعد کہ متضمن ہیں خاص مراقبات کو طبعی انقباض بھی نہیں رہ سکتا۔ پس صحابہ کا ہر قسم کا غم دور کر دیا گیا اور یہ مقام ایک خاص مسئلہ میں مزال اقدام ہے (قدموں کے پھسلنے کی جگہ) مشائخ مبطلین کے واسطے انہوں نے اس سے یہ سمجھا کہ اپنے ساتھ لوگوں کو لگائے لپٹائے رکھنا خوب مطلوب شرعی ہے اور اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان لین کا اثبات بقصد امر اور فظاظت و غلظت کی نفی بقصد نہی مذکور ہوئی ہے تو انہوں نے مجمع کی دلجوئی کے لئے نرمی اور شفقت ہی کو لے لیا اور داروگیر و درشتی کو بالکل چھوڑ دیا اور جو مصلح ایسا کرے اس پر ملامت و طعن کرتے ہیں لیکن مشائخ محققین اس غلطی میں نہیں پڑتے وہ کلام کی حقیقت کو سمجھ گئے اس لئے وہ معتدل ہوتے ہیں کہ نرمی کی جگہ نرم اور سختی کی جگہ سخت کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ جہاں جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امر ہے وہاں جنگ احد کے بعد جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فاعف عنھم (آپ ان کو معاف کر دیجئے) کا امر ہوا تھا۔

غزوہ تبوک اور واقعہ کعب بن مالکؓ

تبوک میں جو جنگ سے بہت موخر ہے یہ واقعہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام شہر کے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع سے نہ بولیں کیونکہ یہ حضرات بدون کسی عذر قوی کے غزوہ تبوک سے متخلف رہے تھے جس میں شرکت کا سب کو امر ہوا تھا پھر پچاس روز تک یہ حکم رہا۔ اس عتاب سے ان حضرات کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ جس کو قرآن شریف میں بھی اس طرح بیان فرمایا گیا ہے وضاقت علیھم الارض بما رحبت یعنی ان کو زمین تنگ نظر آتی تھی (باوجود وسعت کے کوئی دوسرا شخص یہ حالت بیان کرتا تو غالباً مبالغہ پر محمول کیا جاتا مگر جب خود خدا تعالیٰ نے ان کی یہ حالت بیان فرمائی ہے تو اندازہ کر لو کہ ان حضرات پر کیا گذرتی ہو گی اور خطا صرف یہ تھی کہ جنگ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے کچھ منافقین بھی پیچھے رہ گئے تھے مگر وہ تو بہانہ کر کے بچ گئے اور ان تین حضرات نے صاف صاف عرض کر دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل

ہم کو کوئی عذر نہیں تھا تخلف کا باعث محض سستی تھی اس پر ان کا مقدمہ ملتوی کیا گیا تھا اور مسلمانوں کو ان سے کلام و سلام قطع کرنے کا حکم ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت کعب کے پاس ایک نصرانی بادشاہ کا خط آیا کہ ہم کو معلوم ہوا کہ تمہارے آقا نے تمہارے ساتھ بہت بے قدری کا برتاؤ کیا تم یہاں چلے آؤ ہم تمہاری بہت عزت کریں گے۔ غرض یہ کہ ابتلاء پر ابتلاء ہوا کس قدر سخت امتحان تھا۔

ہم سریا ہم جاں یا ہم دیں　　امتحانے نیست ما را مثل ایں

(سر کا خوف جان کا ڈر دین کا خطرہ ہمارے لئے اس کی مثل کوئی امتحان نہیں ہے)

مگر ان کی ہمت کہ جواب تک نہیں دیا بلکہ اس کو پڑھتے ہی ایک تنور میں جو قریب تھا فوراً جھونک دیا گو بزبان حال قاصد سے یہ کہا کہ آنست جوابش کہ جوابش ندہم (اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو میں جواب نہ دوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی اطلاع ہوئی مگر اس واقعہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے مبارک نہیں بدلی کیونکہ وہاں تو سب کام حکم سے تھا وہاں حکم کے سامنے کوئی پرواہ نہیں تھی کہ کوئی بگڑ جاوے گا یا کوئی مخالف ہو جاوے گا اس دربار کی تو یہ شان ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیاید　　ہر کہ خواہد گو برو

دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

(جو آنا چاہے آجائے جو جانا چاہے چلا جائے۔ اس دربار میں چوبدار چوکیدار و دار و گیر نہیں ہیں)

وہاں احسان کس پر تھا کسی کو ہزار غرض ہو تو دربار میں ناک رگڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کافی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے محتاج نہ تھے اس لئے آپ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی کہ ان کو ایک دشمن بلا رہا ہے لاؤ میں ان کے ساتھ کچھ نرمی کروں۔ ہرگز نہیں۔ جب پورے پچاس دن ہو چکے تب آیت نازل ہوئی اور حضرت کعب بن مالک کہتے ہیں جیسا حدیث میں آیا ہے کہ بڑا غم یہ تھا کہ خدانخواستہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں میرا کیا حال ہوگا کیونکہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ حکم کے خلاف ہرگز نہ کریں گے تو اس ساری عمر کو مسلمانوں سے بول چال بند رہے گی اور اب تو تبدیل حکم کی امید بھی ہے کہ وحی آجاوے پھر تو یہ احتمال بھی منقطع ہو جاوے گا اور اگر میرا انتقال اسی حال میں ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے نیز ان کے لئے زیادتی غم کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ساتھی تو بوڑھے تھے وہ تو گھر میں بیٹھ رہے جس سے ایک قسم کی یکسوئی ہو گئی اور یہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز کے لئے حاضر ہوئے تھے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ کر نظر پھیر لیتے تھے تو ان پر کیا گذرتی ہو گی۔ مگر یہ کن آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھتے بھی ہیں یا نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھا کرتا جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو دیکھا کرتے تھے اور جب میں آپ کو دیکھتا تو آپ نظر ہٹا لیتے تو اصول عشق سے عجب نہیں کہ جب یہ دیکھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا موقوف کر دیتے ہوں کیونکہ اگر یہ بھی دیکھتے رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عادت کے موافق اپنی نظر ہٹا لیتے اور یہ بھی ایک محبوبانہ انداز تھا۔

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

(حسن اسی ناز و خرام اور کرشمہ کا نام نہیں ہے حسینوں کی بہت ادائیں ایسی ہیں جن کا نام نہیں ہے)

اور حضرت کعب اصول عشق سے اپنے دیکھنے سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کو لذیذ سمجھتے ہوں گے۔ اس لئے خود نہ دیکھتے ہوں گے جس کو محبت کا چسکہ لگا ہے اس کے مزہ کو وہی جانتا ہے۔

ذوق این می نشناسی تا نخد انچشی

(اس شراب محبت کو ذوق خدا جب تک نہ پیو نہیں جان سکتے)

اصلاح میں نرمی اور سختی دونوں کی ضرورت ہے

الحمدللہ تھوڑی سی حس ہم کو بھی نصیب ہے اور یہ لذت کہ محبوب ان کو دیکھے گو یہ محبوب کو نہ دیکھیں کچھ عشاق کی گھڑت نہیں بلکہ اس کی اصل قرآن شریف میں موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے واصبر لحکم ربك فانك باعيننا کہ آپ اس لذت میں مشغول رہیے کہ میں خدا کے سامنے ہوں وہ مجھ کو دیکھ رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مراقبہ بتلایا ہے کفار کی ایذاؤں پر صبر کے واسطے کہ اس سے آپ کا رنج کافور ہو جائے گا۔ صاحبو! صحیح مذاق قرآن شریف میں سب موجود ہیں البتہ من

گھڑت باتیں اس میں نہ ملیں گی۔ غرض کبھی اپنے محبوب کو دیکھنے میں لذت ہوتی ہے اور کبھی محبوب کے ان کو دیکھنے اور خود ادھر نگاہ نہ کرنے میں لذت ہوتی ہے تاکہ وہ دیکھتا رہے یہی حالت حضرت کعبؓ کی تھی اور اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر ناراض تھے مگر دل سے ناراض نہ تھے بلکہ دل سے ان کی طرف توجہ تھی۔ اسی توجہ نے تو ان کو سنبھالا حضرت کعبؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے کن آنکھوں سے یہ بھی دیکھتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب کے لئے لبہائے مبارک کو حرکت دی یا نہیں اب بتلایئے کیا یہ واقعات سیاست کے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کیا ایسا برتاؤ کرنا آج جائز نہیں یقیناً جائز ہے پس محققین پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے اگر وہ اس کے موافق عمل کریں۔ آج کل لوگ کہتے ہیں کہ فلاں شخص سخت ہے حالانکہ وہ سختی نہیں اور اگر یہ سختی ہے تو میں کہوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو ایسی سختی کی ہے بلکہ آخر عمل وہی ہے یاد رکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاں یہ کمال ہے کہ لین اور نرم مزاج تھے وہاں یہ بھی کمال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سختی کے موقع پر سخت بھی تھے۔ کیا یہ بھی کوئی تعریف ہے کہ ڈاکٹر فقط مرہم رکھے اور کسی شخص کے باوجود ضرورت کے شگاف نہ دے ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ڈاکٹر ہمیشہ ایسا کرے گا تو اس کے مریض ہلاک ہوں گے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ مرہم کے موقع پر مرہم رکھو اور شگاف کے موقع پر شگاف دو تو جس طرح شگاف اور مرہم دونوں کی ضرورت ہے اسی طرح اصلاح میں نرمی اور سختی درکار ہیں۔ اسی بناء پر یہاں واقعہ تبوک میں اصلاح کے لئے سختی کی گئی اور وہاں واقعہ احد میں اصلاح کے بعد فاعف عنھم (سو آپ ان کو معاف کر دیجئے) فرمایا میں یہ کہہ رہا تھا کہ لوکنت فظا غلیظ القلب لانفضوامن حولك (اگر آپ تند خو اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے سب لوگ منتشر ہو جاتے) میں مبطلین کو غلطی ہو گئی کہ انہوں نے مطلقاً نرمی کو ضروری سمجھا تاکہ مجمع جمار ہے حالانکہ نرمی مطلقاً مطلوب نہیں ہے جیسا کہ بیان کیا گیا اور جو مطلوب بھی ہے وہ نرمی نہیں جو ان لوگوں نے اختیار کی ہے۔ اصل یہ ہے کہ نرمی کی دو قسمیں ہیں ایک نرمی تو وہ جو لوگوں کی دینی مصلحت سے ہو اور ایک نرمی وہ جو اپنی دنیوی مصلحت سے ہو تاکہ لوگ زیادہ معتقد ہوں۔ یعنی جاہ زیادہ ہو۔ آمدنی زیادہ ہو تو یہ لوگ معتقدوں کا مجمع بڑھانے اور زیادہ آمدنی کے ہونے کی وجہ سے نرمی بلکہ بعض مرتبہ خوشامد تک اختیار کرتے ہیں اور نیت ملفوظی کے طور پر وجہ یہ گھڑتے ہیں کہ ان کو ہدایت ہو گی اگر ہم

سختی کریں گے تو وہ ہدایت سے محروم ہو جاویں گے ذرا یہ پیر صاحب غور تو کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم سے تشریف لیجانے پر تو ہدایت بند نہ ہوئی آپ سے تعلق موقوف ہونے پر بند ہو جاوے گی اور گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین اور خدام جو دین کی خدمت کر رہے ہیں اس سے در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیض باقی ہے کیونکہ ان حضرات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض ہے جس سے مخلوق کو ہدایت ہو رہی ہے اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لینے کی یہی صورت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین سے فیض حاصل کیا جائے جیسا کہ مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب　　بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

چونکہ شد خورشید وما را کرو داغ　　چارہ نبود در مقامش از چراغ

(موسم گل ختم ہو گیا اور چمن اجڑ گیا۔ گلاب تو ہے نہیں جس سے خوشبو حاصل ہو اب عرق گلاب سے اس کی بو حاصل کر لو چونکہ آفتاب چھپ گیا اور ہم کو داغ دے گیا اب اس کی جگہ چراغ ہی کافی ہے)

مگر ظاہر میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم سے تشریف لے ہی گئے اور پھر بھی ہدایت کا سلسلہ جاری ہے تو اے پیر کیا تیرے بغیر ہدایت گم ہو جاوے گی ہرگز نہیں بس بیٹھ اپنا کام کر بس تمہارا یہ کہنا کہ نرمی میں ہماری یہ نیت ہے کہ مخلوق کو ہدایت ہو محض لفظی نیت ہے قلبی نیت نہیں ہے۔ نیت ملفوظی پر مجھے اپنا ایک واقعہ یاد آگیا کہ ایک جگہ میں سفر میں تھا لوگوں نے مجھ سے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ میں نے عذر کیا کہ میں مسافر ہوں نماز میں قصر کرونگا اور عوام قصر کی وجہ سے گڑبڑ میں پڑ جاتے ہیں اس لئے کوئی مقیم نماز پڑھاوے تو بہتر ہے۔ تو ایک صاحب نے اس وقت مجھے نیت اقامت کا مشورہ دیا کہ اقامت کی نیت کر لیجئے اور چار رکعت پڑھا دیجئے۔ میں نے کہا سبحان اللہ بھلا اس حالت میں کہ میں سواری کے لئے آدمی بھیج چکا اور ٹکٹ کے لئے دوسرا آدمی بھیج چکا ہوں اقامت کی نیت کس طرح کر سکتا ہوں اور اگر کروں گا تو وہ محض الفاظ ہی الفاظ ہوں گے نیت کدھر سے ہو جائے گی بس ایسی ہی ہدایت کی نیت شیخ مبطل کی ہے کہ اس کے نزدیک اصل چیز تو مال یا جاہ ہے مانعۃ الخلو کے طور پر یعنی کہیں مال و جاہ دونوں مقصود ہوتے ہیں کہیں ایک مگر زبان سے نیت ہدایت اور اتباع سنت اور خوش خلقی کا دعویٰ ہے۔ شیخ جی صاحب اول تو دنیا میں سارے بیوقوف نہیں بستے سب دھوکہ میں نہیں آسکتے۔ دوسرے تم کو تو اپنی حالت خوب معلوم ہے

اگر تمام مخلوق دھوکہ میں آگئی تاہم خدا سے تو مخفی نہیں اس کے سامنے کیا جواب دو گے۔کیا وہاں بھی یہ تصنیفی وجہ چل سکتی ہے ہرگز نہیں رہی نرمی کی دوسری وجہ جو شرعاً مطلوب ہے یعنی لوگوں کو دینی مصلحت سے نرمی اختیار کرنا وہ وجہ ہر موقع کے لئے عام نہیں ہو سکتی کیونکہ جہاں اصلاح کے واسطے سختی کی ضرورت ہے وہاں نرمی کرنے میں دوسروں کی کیا مصلحت ہے۔

مشائخ مبطلین کی غلطی کا منشاء

اب میں ان مشائخ مبطلین کی غلطی کا منشا بتلاتا ہوں کہ اس آیت سے انہوں نے ہر حال میں نرمی کی ضرورت کس طرح سمجھی بات یہ ہے کہ ترجمہ آیت سے یہ لوگ یوں سمجھے کہ مقصود بالکلام انفضاض کا انسداد ہے اور اس کے لئے لین کی ترغیب اور فظاظت وغلظت سے کی گئی ہے اس لئے یہ نتیجہ نکال لیا کہ ہر حال میں نرمی کرنا چاہئے تاکہ لوگ مجتمع رہیں حالانکہ یہ سب بناء الفاسد علی الفاسد ہے آیت کا یہ مدلول ہی نہیں کہ اجتماع خلق مقصود ہے اور اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی کا حکم ہے اگر یہ مطلب ہوتا تو اجتماع خلق مقصود ہوتا تو ابن ام مکتوم کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کیوں ہوتا حالانکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرداران قریش کو دعوت اسلام دے رہے تھے جن کے مسلمان ہو جانے سے مجمع کی زیادت وقوت کی توقع تھی اسی وقت ابن مکتوم نابینا صحابی آگئے اور کچھ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر ان کا سوال گراں ہوا اس پر سورہ عبس نازل ہوئی جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجمع کا بڑھانا اور اس کا اہتمام کرنا مطلوب نہیں بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے عفو اور ان کے لئے استغفار کا اور ان کی دلجوئی کا حکم فرماتے ہیں۔پس اصل مقصود تو فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم (تو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور خاص خاص امور میں آپ ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے ہے اور فبما رحمة من الله لنت لهم (بعد اس کے خدا ہی کی رحمت کے سبب سے آپ ان سے نرم رہے) اس کی تمہید ہے خود مسوق لہ الکلام اور مقصود نہیں جس سے لین کی ترغیب پر استدلال کیا جا سکے پس معنے یہ ہوئے کہ آپ ہمیشہ سے ان کی مصلحت افاضہ کے لئے ان کے ساتھ نرمی فرماتے رہے جس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ فظاظت اور غلظت کے لوازم میں سے انفضاض ہے اور یہاں

انقباض نہیں ہوا معلوم ہوا کہ آپ فظ اور غلیظ القلب نہیں پس اس سے تاکید ہوئی آپ کے لین کی پس آپ ہمیشہ سے ان کے ساتھ نرم رہے ان کو یہی عادت ہو گئی اب بھی اس عادت کے موافق برتاؤ کیجئے اور معاف کر دیجئے تو یہاں تمہید الین کی خبر ہے۔ لین کا امر مقصود نہیں گو ضمناً وہ بھی مفہوم ہوتا ہے یہ ہے آیت کا مطلب مگر اہل غرض کو فہم کہاں اور ان کو ضرورت بھی کیا ہے غور و فہم کی۔

چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد   صد حجاب از دل بسوئے دیدہ شد

(جب غرض آجاتی ہے ہنر پوشیدہ ہو جاتا ہے۔ دل سے سیکڑوں پردے آنکھوں پر پڑ جاتے ہیں)

ان لوگوں نے نہ معلوم کس طرح آیت سے یہ مطلب نکال لیا کہ اجتماع کے لئے نرمی برتنا چاہئے اور اجتماع اور اس کا اہتمام مطلوب ہے دوسرے اگر بالفرض آیت کا وہی مطلب مان لیا جاوے جو یہ لوگ سمجھتے ہیں تو ایک بڑا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان شیخ صاحب میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے میں تو ہدایت منحصر تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ تھی ہدایت کے باب میں کہ۔

عزیزیکہ در گہش ز سر بتافت   بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

(ایسا غالب حسن جس نے اس کی درگاہ سے سر پھیرا جس دروازہ پر گیا کچھ عزت نہ پائی)

وجہ یہ کہ نبی سے منقطع ہوتے میں نجات کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اب یہ شیخ صاحب بتلائیں کہ کیا ان کے ساتھ وابستہ ہونے میں بھی ہدایت خلق منحصر ہے اگر ہے تو اس کی دلیل بیان کریں اور اگر نہیں تو پھر وہ کس لئے یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نرمی نہ کریں تو مخلوق ہدایت سے محروم ہو جائے گی آخر کیوں محروم ہو جائے گی۔ کیا آپ کے سوا اور کوئی ہادی نہیں پس اس فرق کی وجہ سے بھی ان کا استدلال آیت سے تام نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلوق کے وابستہ ہونے کی ضرورت تھی جو یہاں نہیں۔

ایک لطیفہ

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا کہ عمرا خاں جو ایک سرحدی نواب تھے جب حج کو گئے تو بمبئی میں گورنر کو مزاج پرسی کا حکم دیا گیا گورنر آیا اور مزاج پرسی وغیرہ کر کے چلا گیا اور خانصاحب اس کی تعظیم کو اٹھے تک نہیں۔ سہارنپور کے ایک رئیس بھی ہمراہ تھے اور انہیں

سے یہ حکایت منقول ہے۔ انہوں نے کہا مہمان کا اکرام تو مسنون ہے گو کافر ہی مہمان کیوں نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر مہمانوں کا بھی اکرام فرمایا ہے تو آپ نے اس کی مدارات کیوں نہ کی۔ عمر اخاں نے جواب دیا کہ سنو جی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر مہمانوں کا اکرام کیا ہے تو آپ کو پیغمبری کرنا تھی اور مجھ کو پیغمبری کرنا تھوڑا ہی ہے جو میں کافروں کا اکرام کروں یہ کلام عنوان کے اعتبار سے تو پٹھانوں جیسا ہے کہ الفاظ کیسے بے ڈھب ہیں مگر مضمون شیخوں جیسا ہے یعنی محققانہ مطلب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بد دل ہونے میں تو مخلوق کا ضرر تھا کہ وہ ہدایت سے محروم رہ جاتے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرام کرتے تھے اور مجھ سے بد دل ہو کر کسی کا کیا بگڑے گا اور اگر اس کے دل میں اس کے سوا اور کچھ مطلب تھا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں مگر ہم تو شاہی کلام کے اچھے ہی معنے لیں گے بالخصوص جبکہ ایک مسلمان بادشاہ کا ہو۔ اب میں عود کرتا ہوں اصل مضمون کی طرف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کے متعلق یہ امر کیا گیا ہے کہ ان کو آپ کے فیوض کی حاجت ہے جس کے لئے آپ کے انشراح کی ضرورت ہے اس لئے آپ ان کی خطا معاف کر دیجئے اور اس لغزش کی وجہ سے جو درمیان میں انقباض اور عدم انشراح کا برتاؤ ہوا ہے اس کو موقوف کر دیجئے۔

جلالت جناب رسول اکرمؐ

سبحان اللہ اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کس درجہ ظاہر ہوتی ہے حالانکہ صحابہؓ کا قصور خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے اور جب خدا تعالیٰ نے معاف کر دیا تھا تو کیا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم معاف نہ فرماتے ضرور معاف فرماتے مگر پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ بھی ان کو معاف فرما دیں= مطلب اس کا یہ ہے کہ آپ ان کو اپنے معاف کر دینے کی بھی اطلاع کر دیجئے تاکہ ان کی پوری تسلی ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ حق تعالیٰ کی معافی کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاف نہ کرنے کا احتمال تھا ہرگز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رضائے حق کے تابع تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ ان سے راضی ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیونکر ناراض رہتے۔ جس سے محبوب راضی ہو جائے اس سے محب کس طرح ناراض رہ سکتا ہے کسی طرح نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شان بڑی ہے عام اولیاء

رضائے حق میں فنا ہوتے ہیں جدھر حق تعالیٰ کی مرضی دیکھتے ہیں ادھر ہی ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ
حوادث دنیا میں بھی چنانچہ ایک بزرگ تھے شاہ دولا ان کے گاؤں میں سیلاب چڑھ آیا گاؤں
والوں نے آپ سے دعا کے واسطے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ دریا پر چلو اور
پھاوڑے ساتھ لے چلو لوگوں نے ایسا ہی کیا دریا پر پہنچ کر آپ نے گاؤں کی طرف پانی کا راستہ
کھدوانا شروع کیا لوگوں نے امر کی وجہ سے مہورا کھودا اور عرض کیا کہ حضرت اس طرح تو
سیلاب گاؤں کی طرف جلدی آجاوے گا آپ نے فرمایا جدھر مولا ادھر شاہ دولا مگر اگلے دن
دیکھا تو دریا کو گاؤں سے ہٹا ہوا پایا لوگ بہت خوش ہوئے اور اس کا سبب دریافت کیا کہ ہم نے
راستہ کھودا تو تھا گاؤں کی طرف کو اور پانی ہٹ گیا دوسری طرف کو اس کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ
اس دریا کو یہاں تک آکر واپس جانا تھا تم خواہ مخواہ گھبرانے لگے میں نے کہا لاؤ جلدی ہی یہاں
تک پہنچا دیا جائے تو جلدی ہی واپس چلا جاوے گا اس واسطے گاؤں کی طرف کو راستہ کھدوایا تھا
واقعی۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

(جب خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا تو تطویل کلام سے کیا فائدہ سلامتی اسی
میں ہے کہ ان فضا میں سے سکوت کیا جائے)

جب بزرگوں کا یہ حال ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام ہیں تو پھر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے خلاف کیسے ہو سکتے ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم تو متابعت حق میں اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ خدا تعالیٰ خود حضور صلی اللہ کی خواہش
پوری کرنے لگے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ما اری ربك الایسارع
هواك (میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے رب تمہاری خواہش کو جلدی پورا کر دیتے ہیں) واقعی
اتباع کامل سے غلام کی یہی شان ہو جاتی ہے کہ آقا خود اس کی رعایت کرنے لگتا ہے کسی نے
خوب کہا ہے۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں میدہد یزداں مراد متقیں

(جیسا تو چاہتا ہے ایسا ہی خدا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ متقیوں کی مراد پوری کرتے
ہیں)

ایک علمی نکتہ

اس جگہ ایک نکتہ اہل علم کے لئے بیان کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

حضرت علیؓ کے واسطے یوں دعا فرمائی اللهم ادر الحق معه حيث دا (یعنی اے اللہ علی جدھر ہوں حق کو ادھر ہی کر دیجئے- یہ نہیں فرمایا کہ حق کی طرف ان کو کر دے اس میں اسی مقام مرادیت کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان سے کبھی اجتہاد کی غلطی بھی ہو جاوے تو آپ اسباب ایسے پیدا کر دیجئے کہ ان کی بناء پر حق علی کی طرف ہو جاوے- یہ مطلب نہیں ہے کہ ناحق کو حق بنا دیا جائے نہیں بلکہ صورت ایسی پیدا ہو جائے کہ جو حضرت علی کریں یا کہیں وہی حق ہو جائے مثلاً مدعی نے غلط دعویٰ کیا اور حضرت علی نے اجتہادی خطا سے اس کو غالب کر دیا یہ ظاہر میں خلاف حق ہوا مگر پھر مقدمہ میں مظلوم نے زیادتی شروع کر دی جس سے ظالم مظلوم ہو گیا تو حق علی کی طرف ہو گیا خوب سمجھ لو یہ احادیث کے لطائف ہیں جو صوفیہ کے علوم سے حاصل ہوتے ہیں مگر جہلاء صوفیہ کے لطائف معتبر نہیں جاہل صوفی تو بالکل ڈوب گئے اور ظاہری مولوی بالکل کورے رہ گئے مگر اتنا غنیمت ہے کہ ڈوبے نہیں ہیں- بہر حال جب یہ برکت ہے اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ اس کی بدولت آدمی رضائے حق کی طرف خود بخود ہو جاتا ہے تو پھر بھلا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تابع رضا کیوں نہ ہوتے یعنی خدا نے جب عفا الله عنهم (اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا) فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی خطا کیوں معاف نہ فرماتے-

فاعف عنهم کی حکمت

بس فقط تطیب قلب کے لئے صحابہ کو اس کی اطلاع کی ضرورت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی معاف کر دیا کیونکہ صحابہ کے اس طبعی رنج کے ازالہ کا طریقہ یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زبان مبارک سے معاف فرما دیں لقد عفوت عنكم (میں نے تم کو معاف کر دیا) کیونکہ عاشق کی بدوں اس کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے چاہیے کہ اگر کوئی شخص کسی سے معافی مانگے تو اس کی خاطر سے اتنا کہہ دے کہ میں نے معاف کر دیا گو واقع میں اس کی خطا بھی نہ ہو بعض لوگ ایسے خشک ہوتے ہیں کہ بار بار یوں ہی کہتے رہتے ہیں کہ تم نے کیا ہی کیا ہے کس بات کو معاف کروں اور معاف کر دینے کا لفظ زبان پر نہیں لاتے حالانکہ دوسرے کی تسلی کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ صاف الفاظ سے معاف کر دے تاکہ اس کی کھٹک نکل جاوے اگر معاف کر دینے میں زیادہ ہی شرم آوے کہ اس میں مخاطب کو قصوروار ٹھہرانا ہے تو یوں کہہ دو کہ گو تم نے کچھ کیا نہیں مگر تمہارے کہنے سے کہے دیتا ہوں کہ

معاف کیا اور میرے مذاق پر لیغفرلك اللّٰہ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے بخشدیں) میں بھی یہی نکتہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کو قصوروار سمجھتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر آپ اپنے کو قصوروار ہی سمجھتے ہیں تو ہم نے سب قصور معاف کر دیا اس سے مقصود محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کرنا ہے اس آیت کی توجیہیں اور بھی ہیں مگر میں تو اپنی ہی چھاچھ کو میٹھی کہتا ہوں۔ پس فاعف عنھم (آپ ان کو معاف کر دیجئے کی حکمت معلوم ہو گئی کہ صحابہ کی تسلی تھی اس کے بعد فرماتے ہیں واستغفر لھم کہ آپ ان کے واسطے استغفار کیجئے۔

جلالت شان رسول اکرمؐ

اس میں اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان کا اظہار ہے کہ مسلمانوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ تمہاری معافی کی تکمیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے بعد ہو گی دوسرے صحابہ کی تطییب قلب ہے کیونکہ وہ اکثر خطاؤں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استغفار کی درخواست کیا کرتے تھے اور اس واقعہ میں خطا ایسی ہوئی تھی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملال پہنچا اس لئے اس واقعہ میں وہ خود استغفار کی استدعا کرتے ہوئے شرماتے مگر طبعاً ان کو یہ ضرور خیال ہوتا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے استغفار نہ کیا تو اس درجہ کی معافی نہ ہو گی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کے بعد ہوتی کیونکہ قاعدہ ہے کہ کریم کے بیٹے کی سفارش پر کچھ زائد ہی مل جاتا ہے اور حق تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ کو ایسی محبت ہے کہ کسی باپ کو اولاد سے بھی نہ ہو سکتی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے بعد مغفرت کاملہ کی یقینی امید ہے۔

عظمت صحابہؓ

واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں اس کے حروف سے بھی زیادہ علوم ہیں اور یہ بات بالکل بلا مبالغہ ہے مگر ان علوم کے سمجھنے کے لئے ضرورت ہے توفیق خداوندی کی۔ جس کا ایک شعبہ علم عربیت بھی ہے تو یہ علوم محض توفیق سے عطا ہوتے ہیں۔ تیسرا نکتہ واستغفر لھم (آپ ان کے واسطے استغفار کیجئے) میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معافی سے صحابہ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ آپ نے خطا معاف کر دی مگر اس سے وہ اجنبیت کیسے

دور ہو گئی جو خطا سے پیدا ہو گئی تھی اس کے لئے تو خصوصیت کی ضرورت ہے ورنہ معافی کی تو ایک یہ بھی صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر کہہ دے کہ ہم نے سب خطائیں معاف کیں- کیا اس معافی سے تعلقات شگفتہ ہو گئے ہرگز نہیں تو حق تعالیٰ نے ,اعف عنھم (آپ ان کو معاف کر دیجئے) کے بعد واستغفرلھم (آپ ان کے لئے استغفار کیجئے) بڑھا کر یہ بتلایا ہے کہ صرف عفو خطا کافی نہیں بلکہ اس کی بھی ضرورت ہے کہ آپ صحابہ سے خصوصیت کا برتاؤ کریں کہ پہلے کی طرح اس واقعہ میں بھی ہم سے ان کی مغفرت کی درخواست کریں- و نیز ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اوپر جیسا دوسرے نکتہ میں بیان ہوا ہے کہ اس واقعہ میں صحابہ یہ خود کیسے کہتے کہ ہمارے واسطے استغفار کر دیجئے وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی خود ہم سے خفا ہیں- پس جب وہ یہ عرض نہ کر سکے تو خدا نے ان کا کام کر دیا- حاصل اس نکتہ کا صحابہ کی شان تفویض کا اور اس کی برکات کا اظہار ہے جیسا کہ بچہ کے سب کام کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ وہ خود نہیں کر سکتا-

طفل تا گیرا و تا پویا نبود   مرکبش جز گردن بابا نبود

(بچہ جب تک ہاتھ سے پکڑنے کے اور پاؤں سے چلنے کے قابل نہیں ہوتا تو باوا کی گردن پر چڑھا پھرتا ہے)

یعنی چونکہ بچہ ہاتھ پاؤں سے کچھ کام نہیں کر سکتا اس لئے حق تعالیٰ خود اس کے سارے کام بنا دیتے ہیں اور جب خود کرنے لگے اس کا بوجھ اسی پر ڈال دیتے ہیں- بس جس نے یہ نکتہ نہ سمجھا وہ مفلوج ہو گیا مگر تم خود اپنی رائے سے مفلوج نہ بنا بلکہ کسی محقق شیخ کی اجازت سے ایسا کرنا چاہئے اور حضرات صحابہ پر اپنے کو قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ صحابہ حدود کو جانتے تھے اس لئے ان کی خاموشی بدون صریح اجازت کے بھی محدود تھی بہر حال واستغفر لھم (آپ ان کے لئے استغفار کیجئے) میں خصوصیت کے برتاؤ کا امر ہے اور انہیں خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ وشاورھم فی الامر (اور آپ خاص خاص باتوں میں سے ان سے مشورہ کر لیا کیجئے) کہ بعض معاملات میں جو محل ہیں مشورہ کے ان سے مشورہ کیا کیجئے- یہاں الامر میں لام عہد کا ہے اس کی توضیح کے لئے ایک مسئلہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ مشورہ ہر کام میں نہیں ہوا کرتا- چنانچہ جو کام خیر محض ہو کہ اس میں کسی ضرر کا احتمال ہی نہ ہو اس میں مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں مثل مشہور ہے ع در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست- (کار خیر میں استخارہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے) میں نے اس میں تصرف کر کے اس

مصرعہ کو اس طرح بنایا ہے۔ ع در کار خیر حاجت ہیچ استشارہ نیست۔ (کار خیر میں مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ہے) اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے اگر شر ک کا احتمال نہ ہو تو استشارہ اور استخارہ دونوں مسنون ہیں ورنہ نہیں۔

امور خیر میں استخارہ کا ثبوت

چنانچہ بعض احادیث سے ایسے امر خیر میں بھی استخارہ کا ثبوت معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت زینبؓ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا حتی استخیر فیہ ربی کہ میں اللہ تعالیٰ سے اول استخارہ کرلوں۔ اب یہاں سے حضرت ام المومنین زینبؓ کا فہم معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو جواب دیا کہ استخارہ کر کے عرض کروں گی یہاں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور آپ کے نکاح میں شر کا احتمال کہاں تھا جو استخارہ کی حاجت ہوئی اس نعمت عظمیٰ کو فوراً قبول کرلینا چاہئے تھا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو خیر محض تھی مگر ہر شخص تو اس کا اہل نہیں ہوتا بعض دفعہ خادم نااہل ہوتا ہے اس کی خدمت سے مخدوم کو راحت نہیں ہوئی اور بعض وقعہ خادم اہل ہوتا ہے لیکن مخدوم کا مزاج بہت لطیف ہوتا ہے جس کی رعایت اس سے پوری طرح نہیں ہوسکتی جیسے حضرت مرزا صاحبؒ۔ شاہ غلام علی صاحب پنکھا جھلا کرتے تھے تو پنکھا ہلکا ہونے پر فرماتے کیا تمہارے ہاتھوں میں جان نہیں رہی اور اگر زور سے جھلتے تو فرماتے کیا مجھ کو اڑاؤ گے۔ اسی طرح ایک مرتبہ کہیں سے نوز آ لے مرزا صاحب نے پکارا غلام علی وہ حاضر ہوئے تو فرمایا نوز لو۔ انہوں نے ہاتھ پھیلایا کہا گنوار کہیں نوز ہاتھ میں لیا کرتے ہیں کوئی کاغذ یا پتہ وغیرہ لاؤ وہ کچھ لائے اور اس میں نوز لئے اگلے روز دریافت کیا کہ کچھ نوز باقی ہیں شاہ صاحب نے فرمایا حضور وہ تو کل ہی کھالئے تھے تو فرمایا تم کیسے آدمی ہو کہ ایک دن میں اتنا کھا گئے۔ میاں مٹھائی تو کھانے کے بعد ذرا سی کھالیا کرتے ہیں۔ غرض مخدوم میں جتنی حس زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی اس کو بات بات پر تکلیف ہوتی ہے اور اسی لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو بھی ایذا نہیں دی گئی۔ حالانکہ نوح علیہ السلام کو جس قدر تکالیف دی گئیں ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچی لیکن چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حس اور لطافت سب سے زیادہ رکھتے تھے اس

لئے واقعات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ اثر ہوتا تھا۔ پس اب سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گو خیر محض تھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لطافت طبع کی وجہ سے کسی خدمت کے خلاف مزاج ہونے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کا احتمال تھا۔ حضرت زینب اس نکتہ کو پہنچ گئیں اس لئے انہوں نے استخارہ کیا۔ غرض مشورہ کی ہر جگہ ضرورت نہیں اس لئے لام عہد سے فرمایا وشاورھم فی الامر ای فی بعض الامر المعلوم لك (آپ ان سے مشورہ لیتے رہا کریں یعنی محض امور میں جو آپ کو معلوم ہیں) اور جہاں لام استغراق کا نہ ہو وہاں عہد ہی کا ہوتا ہے ائمہ فن نے اس کی تصریح کی ہے بلکہ محققین کا قول یہ ہے کہ لام میں اصل عہد ہی ہے جہاں عہد نہ بن سکے وہاں دوسرے معانی پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں کوئی شخص یہ سوال نہیں کر سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت تھی یا نہ تھی کیونکہ یہ امر تو صحابہ کی تطییب کے لئے ہے باقی اصل مشورہ کی ضرورت سے سکوت ہے اور اس میں روایتیں مختلف ہیں میں ان میں تطبیق دیتا ہوں۔

سرکار دو عالمؐ کے مشورہ فرمانے میں حکمت

ایک روایت میں تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو مشورہ کی ضرورت نہیں مگر امت پر رحمت کے لئے کہ تطییب قلب بھی اس میں داخل ہے کر لیتا ہوں اخرجه ابن عدی والبیهقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس لمانزلت وشاورهم فی الامر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما ان الله ورسوله یغنیان ولکن جعلها الله تعالیٰ رحمة لامتی کذافی روح المعانی (ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباسؓ سے مسند حسن سے روایت کیا ہے جبکہ آیت شاورھم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے رحمت اس کو بنا دیا ایسے ہی روح المعانی میں ہے) اس کا مقتضا تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجت مشورہ کی نہ تھی اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرتے تھے اخرجه الامام احمد عن عبدالرحمن بن غنم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لابی بکر و

عمر لواجتمعتما في مشورة ما خالفتكما كذافي روح المعاني ايضا (امام احمد نے عبدالرحمن بن غنم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر و عمر سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ میں متفق ہو جاؤ گے تو میں تمہاری مخالفت نہ کرونگا ایسے ہی روح المعانی میں ہے) مراد انتظام وبعث عساکر وغیرہ کا کام۔اس کا مقتضایہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب اوقات میں تو مشورہ کی حاجت نہ ہوتی تھی کبھی کبھی اتفاقاً ضرورت پڑ جاتی تھی اور یہ بات شان نبوت کے خلاف نہیں بلکہ مناسب شان ہے۔میں نے اس میں ایک نکتہ نکالا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی حاجت ہونے میں ولوفي بعض الاحوال (اگرچہ بعض حالتوں میں ہو) حکمت ہے کیونکہ حاجت منافی الوہیت ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان شریف کا اظہار تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں الہ نہیں اور بعض علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کی حکمت تعلیم امت بیان کی ہے۔اب مشورہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کی وسعت بیان فرماتے ہیں فاذاعزمت فتوكل على الله (پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) اس میں مطلقاً یہ فرمایا ہے کہ مشورہ کے بعد جدھر آپ کا عزم ہو اپنے عزم پر عمل کیجئے اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سب کے خلاف ہو یا ایک کے موافق اور اکثر کے خلاف ہو ہر حال میں توکلا علی اللہ (اللہ پر بھروسہ کرکے) اپنے عزم پر عمل کرنے کے واسطے حکم فرمایا۔

قرآن حکیم سے سلطنت شخصی کا ثبوت

یہاں سے جڑ کٹتی ہے سلطنت جمہوری کی کیونکہ اس میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے اور محض مشورہ کرنے سے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا لازم نہیں آتا اس لئے وشاورھم سے سلطنت جمہوری پر استدلال نہیں ہو سکتا اور اگر کھینچ تان کر کوئی اس سے استدلال کرتا بھی تو فاذاعزمت فتوكل على الله (پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا پر اعتماد کیجئے) نے اس کو بالکل ہی اڑا دیا اور اس سے مشورہ کو بیکار نہ کہا جاوے کہ جب اس پر عمل نہ کیا تو نفع ہی کیا ہوا اور اصل مشورہ میں یہ فائدہ ہے کہ اس سے معاملہ کے ہر پہلو پر نظر پہنچ جاتی ہے اس کے بعد جو رائے ہوگی اس میں سب مصالح کی رعایت ہوگی اسی واسطے کہا گیا

ہے رایان خیر امن الواحد (دو رائیں ایک رائے سے بہتر ہیں) یہ حاصل ہے مشورہ کا نہ یہ کہ عوام کی رائے کو بادشاہ کی رائے پر ترجیح دی جائے جیسا کہ جمہوری سلطنت میں ہوتا ہے وہ بادشاہ ہی کیا ہوا جو رعایا کی رائے پر مجبور ہو گیا- اسلام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس کو پورے اختیارات ہیں- ہاں البتہ انتخاب سلطان کے وقت جمہور اہل حل وعقد کی کثرت رائے معتبر ہے جبکہ وہ رائے خلاف شرع نہ ہو بہر حال وشاورھم فی الامر (آپ بعض باتوں میں ان سے مشورہ لیتے رہا کریں) تو جمہوری سلطنت کی دلیل نہیں ہو سکتی- البتہ ایک اور آیت سے بظاہر اس پر استدلال ہو سکتا ہے شاید وہ کسی کے ذہن میں بھی نہ آئی ہو مگر میں اس کو بیان کرتا ہوں مع جواب کے کوئی صاحب فقط لا تقربوا (مت قریب جاؤ) کو نہ دیکھیں بلکہ وانتم سکارا (اس حال میں کہ نشہ کی حالت میں ہوں) کو بھی دیکھیں یعنی جواب کو بھی ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ فرمالیں وہ آیت یہ ہے واذقال موسیٰ لقومه یقوم اذکر وانعمۃ اللہ علیکم اذجعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا الایۃ (اور جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم میں نبی بنائے اور تم سب کو بادشاہ بنایا) اس میں حق تعالیٰ شانہ بنی اسرائیل پر انعام نبوت کے مضمون میں تو ارشاد فرماتے ہیں جعل فیکم انبیاء یعنی تم میں نبی بنائے اور انعام سلطنت کے بارے میں ارشاد ہے جعلکم ملوکا یعنی تم سب کو بادشاہ بنایا اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بادشاہت جمہوری تھی ورنہ یہاں بھی یوں فرمایا جاتا جعل فیکم ملوکا کہ تم میں بادشاہ بنائے جیسا کہ نبوت کے متعلق فرمایا یہ تو دلیل ہوئی اور اس کے دو جواب ہیں ایک عقلی ایک نقلی- عقلی جواب تو یہ ہے کہ فاتح قوم کا رعب شاہی عام ہوتا ہے- نیز جس قوم میں بادشاہت ہوتی ہے اس کے ہر فرد کا حوصلہ بڑھا ہوا ہوتا ہے اور ہر شخص اپنے کو فاتح اور سلطان سمجھتا ہے قوم مفتوح کے مقابلہ میں اس لئے جعلکم ملوکا (تم سب کو بادشاہ بنایا) فرمایا یہ نہیں کہ وہ سب کے سب بادشاہ تھے اور نقلی دلیل یہ ہے کہ جب ہماری شریعت میں شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اگر بنی اسرائیل کے لئے جمہوری سلطنت بھی مان لیں تو وہ منسوخ ہو چکی اور ہمارے لئے حجت نہیں ہو سکتی- غرض قرآن شریف سے تو سلطنت شخصی ہی ثابت ہوتی ہے- اب جو اہل اسلام میں جمہوریت کے مدعی ہیں وہ یاد رکھیں کہ ہمارے ذمہ شخصیت پر دلیل قائم کرنا لازم نہیں ہے بلکہ دلیل ان کے ذمہ ہے اور ہم تو مانع ہیں پس جب وہ دلیل لاویں گے اس کا جواب بھی انشاء اللہ ہم دے دیں گے-

بعد مشورہ اللہ پر اعتماد کی ضرورت

اور میں پیشین گوئی کرتا ہوں کہ وہ اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں لا سکتے اور فتوکل علی اللّٰہ (خدا ہی پر اعتماد رکھئے) میں یہ بھی بتلا دیا کہ باوجود مشورہ کرنے کے جو کہ اسباب رویت صواب سے ہے خدا ہی پر اعتماد رکھئے مشورہ کے بعد بھی کام بنانے والا وہی ہے۔ مشورہ پر اعتماد نہ کرنا چاہئے آگے فرماتے ہیں ان اللّٰہ یحب المتوکلین (بے شک اللہ تعالیٰ اعتماد رکھنے والوں کو پسند فرماتے ہیں) اس میں مسلمانوں کو امر وجوبی ہے توکل کا کہ ہر کام میں خدا ہی پر نظر رکھیں دلیل وجوب کی یہ ہے کہ یہاں حب فرمایا ہے جس سے مقابلہ کی بناء پر لازم آیا کہ لا یحب غیر المتوکلین وغیرہ اعتماد رکھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں) اور قرآن کا محاورہ یہ ہے کہ لاحب اپنے لغوی معنے پر مراد نہیں بلکہ بغض کے معنے میں ہے یحب المتوکلین کو یبغض غیر المتوکلین (غیر اعتماد رکھنے والوں کو مبغوض رکھتے ہیں) لازم ہے اور عدم توکل کا مبغوض ہونا دلیل ہے توکل کے وجوب کی البتہ توکل کے مراتب مختلف ہیں اس کا ہر درجہ فرض نہیں اس لئے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ فرض کا درجہ کیا ہے اس کی تفصیل سنو۔

توکل کا درجہ فرض

توکل کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ اعتقاداً ہر حال میں خالق پر نظر رہے اسی پر اعتماد ہو یہ تو فرض ہے یعنی اسباب ہوں یا نہ ہوں ہر حال میں بھروسہ خدا پر ہو اصلی کارساز اسی کو سمجھیں اسباب پر نظر نہ رکھیں۔ دوسرا درجہ توکل کا عملی ہے یعنی ترک اسباب اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ سبب کسی ضروری مقصود دینی کے لئے ہے تو اس کا ترک حرام ہے جیسا کہ اسباب جنت میں سے نماز وغیرہ ہیں ان کا ترک جائز نہیں اور اگر مقصود دنیوی کا سبب ہے تو پھر اس میں بھی تفصیل ہے کہ اگر عادۃً اس مقصود کا توقف ثابت ہے اور وہ سبب مامور بہ ہے تو اس کا ترک بھی حرام ہے جیسے کھانا سبب شبع ہے اور پانی پینا سبب ارتواء ہے ان اسباب کا ترک جائز نہیں اور اگر سبب پر مقصود دنیوی کا ترتب ضروری اور موقوف نہیں تو اقویاء کے لئے ایسے اسباب کا ترک جائز بلکہ بعض صورتوں میں افضل ہے اور ضعفاء کے واسطے ترک کی اجازت نہیں اور اگر وہ سبب محض وہمی ہے تو اس کا ترک سب کے لئے افضل ہے اور اگر اشتغال میں کوئی دینی ضرر ہے تو اس کا ترک واجب ہے خوب سمجھ لو بہر حال مقصود آیت کا یہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

طرح عمل کرنا مشکل ہے لیکن پھر بھی اس میں تفاوت ہے کہ بعضے درجہ وسط سے بہت قریب ہیں اور بعضے بعید ہیں پس اس کی اصلی حد پر جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کر کے دکھلا دیا وہ ازبس دشوار ہے اب غور کیجئے کہ ہماری خاطر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی دشواری کا تحمل گوارا فرمایا کیا یہ رعب نہیں یقیناً بڑی رحمت ہے اور قیامت میں اس سے زیادہ کی امید حق تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہماری امیدیں پوری فرمادے۔

شُکر النّعمه بذکر الرَّحمۃِ الرَّحمۃ

تذکرہ رحمت رسول اور اس کی نعمت بے بہا کا شکریہ

جامع مسجد تھانہ بھون میں ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۳ ہجری جمعہ کو ''رافت ورحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بر حال امت'' کے موضوع پر بیٹھ کر بیان فرمایا وعظ ۲ گھنٹے جاری رہا، مولوی ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے اسے قلمبند کیا، ایک سو افراد نے سنا، یہ وعظ عام امت کے لئے مفید ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ومولانا محمد اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم-

امابعد- فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم- لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم-

(ترجمہ) اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہارے جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں)

ذکر اللہ اور ذکر رسول اکرمؐ کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں

یہ ایک آیت ہے سورہ برات کے ختم کے قریب کی جس میں کچھ فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر چند کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مثل ذکر اللہ کے کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہر وقت ہونا چاہیئے کیونکہ حق تعالی نے جس طرح اپنی اطاعت فرض فرمائی ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے من اطاع الرسول فقد اطاع اللّٰہ (جس نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اس نے اطاعت کی اللہ کی) واطیعوا اللّٰہ والرسول (اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم کی) تو جو شان اطاعت کی ہے وہی شان ذکر کی بھی ہے کہ جس طرح حق تعالی کی اطاعت فرض ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے اور جس طرح ذکر اللہ باعث ثواب ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں اسی طرح ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجب ثواب ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں بلکہ یہ بھی ہر وقت ہی ہونا چاہیئے

حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کی حکایت اس پر مجھے یاد آگئی۔ کسی نے مولانا سے دریافت کیا کہ میلاد شریف کرنا کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ بھائی ہم تو ہر وقت میلاد شریف کیا کرتے ہیں کیونکہ ہم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) پڑھتے ہیں اس میں ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ہم تو ہمیشہ ذکر میلاد کرتے ہیں کیونکہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوئے ہوتے تو ہم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کا ذکر کیسے کرتے واقعی خوب جواب دیا۔

ولادت رسول اکرمؐ سے مقصود

مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے مقصود تو رسالت ہی تھی ورنہ نفس پیدائش میں تو سب شریک ہیں تو جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر کرتا ہے وہ پیدائش کا ذکر بالغ وجہ کرتا ہے کہ پیدائش کا بھی ذکر کرتا ہے اور جو اس سے مقصود تھا اس کو بھی بیان کرتا ہے۔ اور جو لوگ صرف میلاد کا ذکر کرتے ہیں وہ ایسی چیز کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور ہر فرد بشر میں مشترک ہے وہ مقصود کا ذکر نہیں کرتے جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اور پھر ذکر بھی جب قیود کے ساتھ ہو تو یہ لغا کی کمی ذکر کو مستلزم ہے کیونکہ جب تک خاص معینہ خاص مجمع کی صورت اور خاص طریقہ ذکر میلاد نہ ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے محروم رہتے ہیں اور یہ منطقی مسئلہ بھی ہے کہ عام کے ساتھ جس قدر تخصیصات زیادہ ہوں گی اسی قدر اس کے افراد کم ہوں گے مثلاً مطلق جسم کا وجود بہت زیادہ ہے جسم نامی کا اس سے کم حیوان کا اس سے بھی کم انسان کا سب سے کم۔

پابندی قیود سے ذکر رسولؐ میں کمی ہوگی

غرض یہ بات مشاہد بھی ہے کہ قیود اور تخصیصات بڑھانے سے شئے کا وجود کم ہو جاتا ہے اور عقلی مسئلہ بھی ہے تو ہر طرح یہ بات ثابت ہوگئی کہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو لوگ قیود کے پابند ہیں وہ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم کرتے ہیں اور جو لوگ قیود کے پابند نہیں وہ ہر وقت ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں اور اس کے ساتھ اگر ایک مقدمہ یہ بھی ملا لیا جاوے کہ من احب شیئاً اکثر ذکرہ کہ جس کو کسی چیز سے

محبت ہوا کرتی ہے وہ اس کو کثرت سے یاد کیا کرتا ہے تو آپ خود فیصلہ کر لیں گے کہ ذکر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قیود کو لازم کر لینا یہ کی محبت کی دلیل ہوئی یا نہیں۔ خلاف ان کے جو قیودات کے پابند نہیں کہ وہ ہر وقت ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں رہتے ہیں۔ ہاں ان کے نزدیک صرف ایک قید کی ضرورت ہے وہ کیا اخلاص کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خلوص دل سے ہونا چاہیئے کیونکہ بدون خلوص کے عمل مقبول نہیں ہوتا مگر یہ قید بھی قبولیت کے لئے ہے نفس عمل کے لئے اس کی بھی ضرورت نہیں بلکہ محققین ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیا خود مطلق ذکر کے لئے بھی یوں ہی فرماتے ہیں کہ خلوص قلب کا انتظار نہ کرنا چاہیئے بلکہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہیئے اس کی برکت سے شدہ شدہ خلوص بھی پیدا ہو جاوے گا یہ سب باتیں حاجی صاحب قدس اللہ سرہم کے یہاں جا کر حل ہوئیں

ریاء ہمیشہ ریا نہیں رہتی

چنانچہ حاجی صاحب ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ریاء ہمیشہ ریاء ہی نہیں رہتی۔ پہلے ریا ہوتی ہے پھر عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت بن جاتی ہے غرض ریاء ہمیشہ ریاء نہیں رہا کرتی آخر کار مبدل بخلوص ہو جاتی ہے۔ پھر وہ خلوص موجب قرب ہو جاتا ہے تو اہل تربیت کے نزدیک ابتداء عمل کے لئے اخلاص کی قید بھی ضروری نہیں وہ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس طرح ہو ذکر کرنا چاہیئے خلوص کا انتظار نہ کرنا چاہیئے دوسرے یہ کہ بعض اعمال سے دوسروں کو تو نفع پہنچ جاتا ہے پھر ان کی برکت سے اس عامل کا کام بن جاتا ہے فقیہ ابو اللیث رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب سے ریاکار مر گئے ابواب خیر بند ہو گئے اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ ریاء بھی کوئی اچھا عمل ہے۔ نہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں بہت سے لوگ نام آوری کے لئے خانقاہیں اور سرائے مدرسے وغیرہ بنایا کرتے تھے مقصود ان کا صرف نام ہوتا تھا۔ مگر جب ان سے مخلوق کو نفع پہنچا تو کوئی ان میں خدا کا خاص بندہ بھی ہوتا تھا وہ بانی کے حق میں دعاء خیر کرتا تھا حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے تھے۔ اس طرح وہ ریاء بواسطہ نافع ہو جاتی تھی۔ شیخ شیرازی نے خوب کہا ہے۔

خورش دہ بہ گنجشک و کبک و حمام	کہ شاید ہمائے در افتد بدام
چو ہر گوشہ تیر نیاز افگنی	بنا گاہ بینی کہ صیدے کنی

(چڑیا چکور اور کبوتر وغیرہ کے لئے دانہ ڈالو شاید ہما بھی جال میں پھنس جائے جب ہر طرف تیر

نیاز ڈالے گا تو اچانک کسی دن دیکھے گا کہ کوئی شکار کرلے گا)

سو جب سے لوگوں نے نام آوری کے واسطے یہ کام کرنے چھوڑ دیئے تو ابواب خیر بند ہو گئے کیونکہ محض خدا کی رضاء کے لئے کام کرنے والے ہر زمانہ میں بہت کم ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ غرباء ہیں جن میں ان ابواب کی وسعت نہیں تو اس طریقہ سے ابواب خیر گویا بند ہو گئے اور اس میں ریاء کا اذن نہیں بلکہ تو ہم ریاء کو مانع قرار دینے کا امر ہے۔

فضول خیالات

غرض جیسا ذکر اللہ کے لئے محققین کے نزدیک خلوص کی قید نہیں تو اسی طرح ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی خلوص کا منتظر نہ ہونا چاہیئے۔ جس طرح ہو اور جس قدر ہو سکے کام کرنا چاہیئے۔ اسی طرح یہ بھی نہ خیال کرنا چاہیئے کہ ہم ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قابل کہاں ہمارا ایسا منہ کہاں جو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کریں۔ اس خیال نے بہت آدمیوں کو افعال خیر سے روک رکھا ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے دعا کے واسطے کہا کہ میرے ذمہ قرض بہت سا ہے دعا کیجئے میں نے کہا کہ بھائی میں دعا کروں گا تم بھی دعا کیا کرو ان شاء اللہ تعالیٰ حق تعالیٰ سے امید ہے کہ تمہارا قرض اتار دیں گے وہ صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اجی ہمارا منہ اس قابل کہاں ہے جو ہم دعا کریں میں نے کہا کہ تمہارا منہ تو اس سے بھی بڑی چیز کے قابل ہے وہ کیا ہے اسلام ظاہر ہے کہ اسلام سے بڑھ کر کوئی عبادت اور طاعت نہیں ہو سکتی تمام عبادات کا رتبہ اس سے کم ہے اس کے لئے تمہاری زبان بھی قابل ہو گئی اس وقت نہ یہ عذر کیا کہ میں کلمہ اپنی زبان سے کیونکر نکالوں میرا منہ اس قابل کہاں جب تمہارا منہ اسلام کے لئے قابل ہے تو دعا کے لئے کیوں قابل نہ ہو گا اس کا مرتبہ تو اس سے بہت کم ہے جاؤ فضول خیالات میں نہیں پڑا کرتے خدا سے خود بھی دعا کرنا چاہیئے۔ بلکہ صاحب ضرورت کی دعا میں زیادہ امید قبولیت ہے کیونکہ وہ پریشان ہو کر گھبرا کر دعا کرتا ہے اور حق تعالیٰ مصیبت زدہ کی دعا جلدی قبول فرماتے ہیں امن یجیب المضطر اذا دعاه ویکشف السوء (یا وہ ذات جو بیقرار آدمی کی سنتا ہے جب وہ اس کو پکارتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کرتا ہے۔)

شیطانی دھوکہ

غرض یہ بھی ایک شیطانی دھوکہ ہے کہ ہم اس قابل کہاں جو ذکر اللہ یا ذکر رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کریں ہم اس لائق کہاں جو خدا سے دعا کریں اس دھوکہ میں پڑ کر بہت لوگ خدا کی نعمت سے محروم پڑے ہوئے ہیں اور فی ذاتہ تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بیشک ایسی ہی چیز ہے کہ ؂

ہزار بشویم دہن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

یعنی ہزاروں لاکھوں دفعہ منہ کو خوشبودار بنایا جائے جب بھی اس کے قابل نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی کام شروع ہی کر دینا چاہیئے گو وہ کام ناقص ہوگا مگر رحمۃ حق سے وہی قبول ہو جاوے گا۔

قبولیت ذکر کی عجیب مثال

مولانا خوب فرماتے ہیں ؂

ایں قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است

خوب مثال دی کہ جیسے استحاضہ والی عورت جس کو ہر وقت خون جاری رہتا ہے شریعت اس کو حکم دیتی ہے کہ ایسی حالت میں تو نماز پڑھتی رہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے قبول فرمالیں گے۔ ظاہر ہے کہ جب اس کا خون بہہ رہا ہے تو وہ حقیقت میں ناپاک ہے مگر اس حالت میں بھی اس کی نماز قبول ہو جاتی ہے تو اسی طرح گو ہمارا منہ مثلاً خدا کی یاد کے قابل نہیں مگر شریعت کا حکم ہے کہ قابل ہو یا نہ ہو کام کرنا چاہیئے حق تعالیٰ قبول فرمانے والے ہیں اور اس میں ایک راز غامض ہے وہ یہ کہ اگر کوئی بدون طہارت غیر ماموربہا کے اطاعت نہ کرے یا نہ ہو سکتی ہو اور یہی انتظار رکھے کہ جب تک ہم ذکر کے قابل نہ ہو جاویں ذکر شروع نہ کریں تو جس وقت بھی یہ شخص ذکر شروع کرے گا یا کوئی طاعت کرے گا تو اس وقت اپنے آپ کو طاہر اور اس کے قابل سمجھے گا حالانکہ حق تعالیٰ کی عظمت حقوق کے اعتبار سے کوئی بھی قابل اور طاہر نہیں ہو سکتا۔ اور کسی اور کی تو کیا مجال ہے جبکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لا احصی ثناءً علیك انت كما اثنيت على نفسك کہ اے اللہ میں بھی آپ کی ثناء نہیں کر سکتا تو جب بھی ہم طاعت کریں گے وہ ناقص ہی ہو گی۔

عجب میں مبتلا

تو جو لوگ اس انتظار میں پڑے ہوئے ہیں کہ جب ذکر کے قابل ہوں گے اس وقت شروع کریں گے وہ عجب میں مبتلا ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کبھی اس قابل بھی ہو سکتے یہ کتنا

بڑا مرض ہے۔

صاحبو ہم جب بھی عبادت کریں گے وہ خدا کی عظمت کی نسبت سے ناقص ہی رہے گی کبھی بھی اس کے لائق نہیں ہو سکتی اور جس درجہ کے تم متمنی ہو وہ تو مستحیل ہے تو یہ خیال باطل ہے اس کو دل سے نکال دینا چاہیئے ورنہ اس خیال میں پڑ کر یا تو کام سے رہ جاؤ گے اگر ہمیشہ اپنی نا قابلیت پیش نظر رہی اور اگر کبھی شروع کرو گے تو دوسری بلا میں گرفتار ہو گے کہ اپنے آپ کو صاف اور عبادت کے قابل سمجھو گے یہی وہ راز ہے جس کی وجہ سے اہل تربیت فرماتے ہیں کہ اپنے کو ریاکار ہی سمجھ کر تم کام شروع کر دو اور یہی سمجھتے رہو کہ تم کسی قابل نہیں اور نہ کبھی قابل ہو سکتے ہو حق تعالیٰ سب قبول فرمالیں گے اور اگر کچھ نقصان بھی رہے گا تو تمہارا اپنے آپ کو ناقص سمجھنا اس نقصان کی تلافی کر دے گا۔ واقعی عجیب دربار ہے کہ اپنے عمل کو ناقص سمجھنے سے اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

(بندہ وہی بہتر ہے کہ اپنی کوتاہی کا عذر دربار خداوندی میں لائے ورنہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ اس کی عظمت خداوندی کے لائق کوئی طاعت بجا لائے)

پاک ہونے کا انتظار

اس انتظار کی بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسا کہ امثال میں مذکور ہے کہ ایک ناپاک شخص کا دریا پر گذر ہوا دریا نے اس کو پکارا کہ میرے پاس آجا میں تجھے پاک کر دوں اس نے کہا کہ میں کس منہ سے آؤں تو پاک صاف اور میں گندہ ناپاک۔ دریا نے کہا کہ تو چاہتا ہے کہ پاک ہو کر میرے پاس آئے اور بدون میرے پاس آئے تو پاک نہیں ہو سکتا تو ہمیشہ ناپاک ہی رہے گا بس تو اسی حالت میں ناپاک ہی میرے پاس چلا آ تجھے میں ہی پاک کر سکتا ہوں مجھ سے دور رہ کر تو پاک نہیں ہو سکتا۔

صاحبو! اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اپنے گمان کے موافق پاک صاف ہو کر خدا کی طرف رخ کریں۔ حالانکہ بدون خدا کی طرف رخ کیے تم پاک ہی نہیں ہو سکتے۔ بس اس کا تو یہی طریقہ ہے کہ تم جیسے بھی ہو چلے آؤ۔

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ

(واپس آ واپس آ جو کچھ بھی تو ہے واپس آجا گرچہ کافر اور آتش پرست وبت پرست بھی ہے تو واپس آ)

رحمت متوجہ ہو کر تم کو خود پاک کر دے گی۔

ذکر اللہ کیلئے فراغت کا انتظار

اسی طرح بعض لوگ خدا کی یاد کے لئے منتظر رہتے ہیں کہ دنیا کے جھگڑوں سے نجات ہو جائے تو پھر فارغ ہو کر اللہ اللہ کریں۔ کوئی کہتا ہے کہ بیٹے کا نکاح ہو جائے تو بے فکر ہو کر خدا کو یاد کریں فلاں زمین کے مقدمہ سے چھٹکارا ہو جائے تو آخرت کی فکر میں لگیں مگر میں بقسم کہتا ہوں کہ ان جھگڑوں سے نجات خدا کی یاد کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ خدا سے لگاؤ پیدا کرو رفتہ رفتہ سب تعلقات خود ہی کم ہو جائیں گے اس کے بغیر کبھی تعلقات سے نجات نہیں ہو سکتی۔ اس طرح تو آپ روز یہی کہتے رہیں گے کہ آج یہ قصہ پیش آگیا اس سے فراغت ہو جائے تو پھر کام میں لگوں پھر کوئی دوسرا جھگڑا کھڑا ہو جائے گا تو آپ اس سے فارغ ہونے کا انتظار کریں گے تو ہمیشہ یہی حال رہے گا۔

ہر شبے گویم کہ الف فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

(ہر رات کو ارادہ کرتا ہوں کہ کل یہ جنون چھوڑ دوں جب کل آتی ہے تو پھر اس کو کل پر ٹال دیتا ہوں)

دنیا کے قصوں سے کبھی نجات نہیں نصیب ہو گی کوئی شاعر دنیا کے بارہ میں خوب کہتا ہے۔

وما قضی احد منها لبانته　　　　لا ینتهی ارب الا الی ارب

(کوئی شخص اس کی حاجتوں کو پوری نہ کر سکا ایک حاجت سے فارغ ہوا دوسری حاجت پیش آگئی۔)

یہ لوگ وصل کے لئے منتظر ہیں فضل موقوف ہے وصل پر تو ان کو کبھی خدا کے ساتھ لگاؤ پیدا کرنے کی توفیق نہیں ہو سکتی ہمیشہ انتظار ہی میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ ایک دن موت آکر دبائے گی اور دنیا سے خالی ہاتھ رخصت ہو جائیں گے۔ بس اگر وصل خدا چاہتے ہو تو ان جھگڑوں کے ختم ہونے کا انتظار نہ کرو ایسی حالت میں خدا کی یاد میں لگ جاؤ پھر وہ خود

ہی سب تعلقات کو ختم کردے گا- اور رحمت حق متوجہ ہو کہ تم کو اپنی ہی طرف کھینچ لے گی ومن یتق اللہ یجعل لہ محزجاوّ یرزقہ من حیث لا یحتسب (اور جو شخص اللہ تعالی پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے کوئی راہ نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا)

مولانا فرماتے ہیں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش | تادم آخر دمے فارغ مباش
تا دم آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود

(اس راہ سلوک) میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بیکار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہو گی جس میں عنایت ربانی تمہاری ہمراز اور رفیق بن جائے گی)

کام میں لگنے کی ضرورت

یہ مسئلہ حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہاں حل ہوا- حاجی صاحب سے جب کوئی یہ کہتا کہ حضرت نوکری چھوڑ دوں تو آپ ارشاد فرماتے کہ نوکری مت چھوڑو تم کام میں لگے رہو کام کرتے کرتے پھر تم خود ہی چھوڑ دو گے کسی سے پوچھو گے بھی نہیں سبحان اللہ! بڑے محقق تھے- غرض یہ ہے کہ جس طرح بھی ہو کام میں لگ جانا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم اس قابل کہاں جو ذکر خدا و ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کریں- تم کام شروع کر دو حق تعالی شانہ سب قبول فرمالیں گے وہ فقط کاملین ہی کے خریدار نہیں وہ ناقص کے بھی خریدار ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ان اللہ اشتری من المو منین انفسھم و امو الھم بان لھم الجنۃ- دیکھئے فرماتے ہیں کہ خدا تعالی نے تمام مسلمانوں سے ان کی جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں اس میں مومنین کا لفظ ہے یہ نہیں فرمایا کہ ان اللہ اشتری من الکاملین انفسھم واموالھم (یعنی اللہ تعالی نے کاملین کی جانوں اور مالوں کو (جنت کے بدلے) خرید لیا ہے) اور اس میں ایک راز ہے وہ یہ ہے کہ وہ بازار جس درجہ کا کھرا ہے اس کے قابل متاع تو کسی کے پاس بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ کاملین کو بھی جو جزاء عطا ہو گی وہ اس قدر ہو گی کہ ان کے اعمال کی ان کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہ ہو گی وہ محض فضل ہی فضل ہو گا اس لئے اس بازار میں کھوٹے کھرے کی پوچھ ہی نہیں- سبحان اللہ! کیا

عجیب بازار ہے مولانا فرماتے ہیں۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کہاں پاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن ہی خرید لو)

یعنی ایک پھول کے بدلے پر باغ عطا فرماتے ہیں اور باغ بھی کیسا جنت تجری من تحتھا الا نھر (ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) ایسا بازار کہیں دیکھا بھی ہے جس میں اس کا کچھ بھی خیال نہیں کہ یہ تو ایک پھول لے کر آیا ہے اتنے بڑے باغ کا یہ مستحق نہیں واقعی خود اپنے عمل سے اس کو کون پا سکتا ہے۔

رحمت خداوندی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ لن یدخل الجنة احد بعملہ کہ جنت میں اپنے عمل کی وجہ سے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ سب رحمت خداوندی سے جنت میں جائیں گے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا ولا انت یا رسول اللہ کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا اور فرمایا ولا انا الا ان یتعمدنی اللہ برحمتہ یعنی نہ میں ہاں اگر خدا کی رحمت متوجہ ہو جائے تو میں بھی اللہ کی رحمت سے جنت میں جاؤں گا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں تو اور تو کس شمار میں ہیں بالکل سچ فرمایا۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را　　　کہ بیک گل می خری گلزار را

(ایسا بازار کہاں پاؤ گے کہ ایک پھول کے بدلہ میں چمن ہی خرید لو)

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد　　　انچہ در وہمت نیاید آں دہد

(فانی اور حقیقت جان لیتے ہیں اور اس کے بدلہ میں باقی رہنے والی جان عطا کرتے ہیں جو وہم و گمان سے بلند و بالا ہے)

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت

غرض ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ذکر خدا کی طرح ہر وقت ہونا چاہیئے اس کے لئے کسی قید کا پابند نہ ہونا چاہیئے ظاہر میں بس ایک قید ضروری معلوم ہوتی تھی اخلاص کی مگر محققین اس کو بھی ضروری نہیں سمجھتے یعنی اس میں مبالغہ کرنے کو تو ذرا غور کرو کہ جو شخص اتنا توسع کرے گا اس کو زیادہ توفیق ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوگی یا اس شخص کو جو اتنی قیود میں

جکڑا ہوا ہے کہ مہینہ بھی خاص ہو مجمع بھی ہو لوبان بھی ہو کچھ غزل گانے والے بھی ہوں مٹھائی بھی ہو پھر یہ لوگ دعوی کرتے ہیں کہ ہم محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میاں اگر محب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو جس طرح بن پڑتا محبوب کو یاد کیا کرتے ان قیدوں کے پابند نہ ہوتے۔ بھلا کہیں عاشق بھی اپنے محبوب کی یاد میں کسی چیز کا پابند ہوا کرتا ہے۔ محبت ہی دل میں نہیں جو اتنے قصوں کے منتظر ہو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ان رسوم نے لوگوں کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے بہت روک رکھا ہے۔ میں نے ایک واقعہ خود دیکھا کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ایک شخص نے بیعت کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ دوسرے وقت پر رکھو دوسرے وقت اور چند آدمی بیعت ہونے آئے۔ حاجی صاحب نے ان صاحب سے بھی فرمایا کہ بھائی آؤ تم بھی بیعت ہو جاؤ تو آپ فرماتے ہیں کہ حضرت میں نہیں ابھی بیعت ہوتا میں تو مٹھائی لا کر بیعت ہوں گا لاحول ولا قوۃ الا باللہ ان رسوم نے کیسا لوگوں کا راہ مار رکھا ہے۔ بھلا اس سے بڑھ کر کیا خوش نصیبی تھی کہ شیخ خود بلائے کہ آؤ ہم تمہارے خریدار بنتے ہیں اور وہ عاشق صاحب ہیں کہ مٹھائی نہ ہونے کی وجہ سے رکے جاتے ہیں بس سوا اس کے کہ تعلق کی کمی ہے اور کیا کہا جا سکتا ہے تو بس اگر محبت ہے تو یہ قیود خود ہی معلوم ہو جائیں گی کہ کس قدر مانع ذکر ہیں اس لئے چاہیے کہ جس طرح ذکر اللہ کے لئے کوئی قید نہیں اٹھتے بیٹھتے کھڑے ہوئے لیٹے ہوئے سب طرح کر سکتے ہیں اسی طرح ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کوئی قید لازم نہ کریں رہا نماز وغیرہ کے لئے جو قیود ہیں ان میں خاص مصالح و حکمتیں ہیں اور وہ قیدیں ایک خاص طریق ذکر کے لئے ہیں مطلق ذکر اللہ کے لئے تو نہیں ہیں۔ اور پھر وہ بھی نص ہے۔ اور یہاں کونسی نص ہے۔ بعض لوگ اہل عرب کے دستور سے استناد کرتے ہیں کہ وہاں بھی تو قیود ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بیشک وہاں بھی کچھ قیود ہیں تو پھر کیا ہوا۔ اہل عرب کے فعل سے کوئی شرعی حکم تو نہیں بدل سکتا اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو ہندوستان کے لوگوں کو اہل عرب کے فعل سے استناد کرنے کا کوئی حق بھی نہیں کیونکہ وہ لوگ ان قیود کے اس قدر پابند نہیں ہیں اگر اتفاق سے مجمع ہو گیا تو مجمع میں ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو گیا اور کہیں مجمع کی بھی قید نہیں دو چار آدمی کھانا کھانے بیٹھے جی چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنیں ایک دوسرے سے کہتا ہے یا مولانا المولد الصغیر یعنی مختصر طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر میلاد تو سناؤ اس نے مولد مختصر سنا دیا پھر کھانا شروع کر دیا اگر کہیں مجمع میں میلاد کا ذکر ہوا تو مٹھائی وغیرہ کے

وہ ایسے بہت پابند نہیں ایک شخص مٹھائی تقسیم کرنے اٹھتا ہے جہاں تک تقسیم ہو گئی بانٹ دی جب ختم ہو گئی صاف کہہ دیا خلاص کہ بس جاؤ ختم ہو گئی نہ صاحب خانہ کو اس کا خیال ہوتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے میری ناک کٹے گی نہ ان لوگوں کو کچھ خیال ہوتا ہے جن کو مٹھائی نہیں ملی کہ دیکھو ہم مٹھائی سے رہ گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجمع صرف ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اکٹھا ہوا تھا مگر خوش طبعی کے لئے مٹھائی بھی تقسیم ہو گئی یہ نہیں کہ مجمع کی علت غائی صرف مٹھائی ملنا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ہے کہ صاحب خانہ جب دیکھتا ہے کہ لوگ بہت جمع ہو گئے اور مٹھائی کم ہے تو فوراً ایک آدمی کو مٹھائی کے لئے چلتا کرتا ہے اور مولود خواں سے اشارہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ذرا کوئی غزل گانی شروع کر دو ابھی مٹھائی نہیں آئی۔اب مولود تو ختم ہو چکا تھا مگر مٹھائی کے واسطے گلا پھاڑ پھاڑ کر مولود خواں صاحب غزلیں گا رہے ہیں جس سے سننے والے بھی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ سارا جوش و خروش مٹھائی کے اشتیاق میں ہے اور جہاں وہ مٹھائی آئی سارا جوش ختم ہوا بھلا ان لوگوں کو اہل عرب کے فعل سے استناد کرتے ہوئے شرم نہیں آتی وہ اللہ کے بندے مٹھائی کے واسطے مجلس میں جمع نہیں ہوتے نہ صاحب خانہ ہی کو اس کا اہتمام ہوتا ہے نہ آنے والوں کو اس کا خیال ہوتا ہے۔ ہندوستان کے مولود کی مثال تو شیعوں کی مجلس حسینؓ جیسی ہے۔ لکھنؤ میں محرم کے مہینے میں جا بجا مجلس حسینؓ ہوتی ہے۔ایک شیعی شخص نے ایک سنی وکیل صاحب سے کہا کہ آپ مجلس حسینؓ میں شریک نہیں ہوتے انہوں نے کہا کہ مجلس حسینؓ تو میں نے آج تک یہاں کہیں ہوتے ہوئے سنی نہیں اس نے کہا واہ صاحب لکھنؤ میں خدا جھوٹ نہ بلوائے روزانہ پچاس جگہ تو مجلس حسینؓ آج کل محرم میں ہوتی ہے ان وکیل صاحب نے کہا کہ صاحب میں نے تو کہیں بھی مجلس حسین نہیں سنی اور اگر آپ کو میرا اعتبار نہ ہو تو تھوڑی دیر آپ یہاں تشریف رکھئے ابھی معلوم ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص دعوت دینے آیا کہ فلاں نواب صاحب کے یہاں آج مجلس ہے۔وکیل صاحب نے پوچھا کہ بھائی کاہے کی اس نے کہا کہ فیرینی کی اس کے بعد دوسرا شخص آیا کہ فلاں رئیس صاحب کے یہاں رات کو مجلس ہے انہوں نے پوچھا کہ میاں کاہے کی مجلس ہے اس نے کہا کہ شیرمال کی۔ تیسرا آیا اس نے کہا شیرینی کی وکیل صاحب نے ان صاحب سے کہا کہ آپ نے سن لیا۔امام حسینؓ کا تو کہیں بھی ذکر نہیں کہیں شیرمال کی مجلس ہے کہیں فیرینی کی ہے کہیں شیرینی کی ہے۔امام حسینؓ کی مجلس ہوتی تو بھلا ایسی بات تھی کہ میں شریک نہ ہوتا وہ دوسرے صاحب کہنے لگے کہ میاں تم

تو بڑے مذاق آدمی ہو۔

مجالس میلاد کا حال

غرض یہی حال آج کل ہماری مجالس میلاد کا ہے کہ اکثر مٹھائی کی بدولت مجمع ہو جاتا ہے۔اگر مٹھائی تقسیم نہ ہو تو نہ کوئی پڑھے اور نہ کوئی سننے آوے۔خدا کو بھی دھوکہ دینا چاہتے ہیں کہ ہم ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں اور اسی قبیل سے ہمارے یہ میانجی رمضان کے حافظ غضب دکھاتے ہیں سارے رمضان تو وہ تیز قرآن پڑھتے ہیں کہ یعلمون تعلمون کے سوا کچھ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا رکوع میں بمشکل تمام شاید ایک بار سبحان ربی العظیم کہتے ہوں ترویحہ تو گویا ہوتا ہی نہیں اور جب ختم کا دن ہوتا ہے اور ذرا مٹھائی کے آنے میں دیر ہو جائے تو اب کوئی حافظ صاحب کی قرات دیکھے کیسے گا گا کر لحن کے ساتھ قرآن پڑھتے ہیں لمبے رکوع اور لمبے سجدے ترویحہ بھی خوب لمبا کریں گے اور پکار پکار کر سبحان ذی العزة والجبروت سبحان ذی الملك والملكوت سبحان الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئكته والروح (پاک ہے وہ ذات جو زندہ جس کو موت نہیں آئے گی پاک ہے پاک ہے پروردگار ہے ملائکہ اور روح کا) اور بہت سی دعائیں پڑھیں گے کوئی پوچھے کہ آج یہ زور زور سے کس کو یاد کر رہے ہیں فقط مٹھائی کو کیونکہ آج حافظ صاحب کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ ہر ترویحہ کے اوپر ادھر ادھر جھانک لیتے ہیں کہ مٹھائی آگئی یا نہیں اگر انہیں نماز شروع کرنے کے بعد بھی معلوم ہو جائے کہ مٹھائی آگئی ہے تو اسی وقت سے وہ قرات اور لحن اور لمبے رکوع لمبی ترویح سب رخصت ہو جاتے ہیں واقعی ان میانجیوں کی تو ساری قرات اور ساری ترویح ختم کے دن مٹھائی ہی کے واسطے ہوتی ہیں گویا مٹھائی کیا ہے جنت ہے کہ جس طرح جنت میں پہنچ کر سارے اعمال معاف ہو جائیں گے اسی طرح اس مٹھائی کے آتے ہی وہ قرات اور ترویح سب رخصت ہو جاتے ہیں اب خیال کیجئے کہ ان رسوم نے ہماری حالت کو کہاں تک پہنچا دیا اس پر اگر کوئی خدا کا بندہ اس سے منع کرے تو اس کو برا بھلا کہنے کو تیار ہوتے ہیں استغفر اللّٰہ العظیم (میں استغفار کرتا ہوں اللہ عظیم سے) معلوم ہوا کہ محبت کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے ذکر کے واسطے کسی وقت اور کسی قید کا پابند نہ ہو جیسا اس وقت بلا کسی قید و تخصیص کے بیان کے لئے یہ آیت اختیار کی گئی ہے۔

فضائل رسول اکرمؐ

جس میں حق سبحان تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان فرمائے ہیں ارشاد فرماتے ہیں لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف الرحیم (ترجمہ) آیت کا یہ ہے۔ کہ اے لوگو تمہارے پاس (ہمارے) رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ہیں جو کہ تمہیں میں سے ہیں ان پر تمہاری مشقت (اور تکلیف) بہت گراں ہوتی ہے وہ تم پر (تمہاری بہبودی کے لئے) بہت حریص ہیں مسلمانوں پر بہت زیادہ شفیق و مہربان ہیں) پس ہر چند کہ جیسا اس ذکر مبارک کا مقتضا ہے کہ اس میں کوئی قید نہ ہو اس وقت بھی کوئی قید نہیں جیسا میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے لئے کوئی قید نہیں اور کسی وقت کی پابندی نہیں جس وقت چاہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو۔ مگر تاہم کوئی خاص داعی دینی خاص وقت پر اس کا محرک ضرور ہوتا ہے چنانچہ اس وقت جو میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اس کا داعی ایک خاص تازہ انعام ہے جو اس بندہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار مقدس سے ہوا ہے جس کے شکریہ میں متحیر تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں بعض احباب نے مشورہ دیا کہ اگر آج وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کر دیئے جائیں تو یہ بھی اس انعام کے شکریہ کی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ بیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو نفع پہنچ جانے کی امید ہے اس وقت وعظ لکھنے کا سامان بھی نہ تھا کیونکہ جمعہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے رستہ ہی میں یہ مشورہ ہوا مگر خدا تعالی کو چونکہ منظور تھا وقت کے وقت سب انتظام ہو گیا اس لئے میں نے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا تاکہ اس نعمت کے شکریہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فضائل بیان ہونے سے کچھ تسلی ہو جاوے۔ گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بے شمار ہیں اور مختلف قسم کے ہیں جن میں سب کا بیان کرنا تو اس وقت دشوار ہے بلکہ سب کے بیان کے لئے تو عمر بھی کفایت نہیں کر سکتی۔

عنایت و شفقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

مگر میں اس وقت ایک خاص فضیلت کا بیان کرنا چاہتا ہوں جس کو حق تعالی نے بالمؤمنین رؤف الرحیم میں بیان فرمایا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت اور شفقت و رحمت کو بیان کروں گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے حال پر ہے کیونکہ وہ نعمت خاص بھی

عنایت و شفقت ہی کے قبیل سے ہوئی ہے سو واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمارے حال پر یہ شفقت ہی تو ہے کہ ہم جیسے نالائقوں کے حال پر بھی توجہ فرماتے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں اور ہم کہاں تو اس ذکر کی ایک تو یہ وجہ ہے کہ انعام کے وقت ایک خاص جوش ہوا کرتا ہے منعم کے احسانات و فضائل کے تذکرہ کرنے کا دوسرے اس بیان کی آج کل امت کو ضرورت بھی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ذکر امت کے لئے بھی بہت نافع ہوگا کیونکہ میں اس وقت یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ آج کل امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں بہت کمی اور کوتاہی ہو رہی ہے چنانچہ بہت لوگ تو صرف یہی سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک پیغمبر تھے احکام الٰہی پہنچا دینا آپ کا فرض منصبی تھا آپ نے احکام پہنچا دیئے اب ہم کو ان پر عمل کر کے قرب الٰہی حاصل کرنا چاہئے یہ لوگ بجز اعتقاد تبلیغ احکام اور ان میں آپ کی اطاعت کر لینے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تعلق پیدا کرنے ضروری نہیں سمجھتے حالانکہ نصوص سے تصریحاً معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس اطاعت کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوسرے خاص تعلقات پیدا کرنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے جن میں سے ایک حق تو آپ کی عظمت کرنا ہے یعنی یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پوری طرح بجا لاؤ چنانچہ ارشاد ہے یایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ۔ (اے ایمان والو! اللہ اور رسولؐ (کی اجازت) سے پہلے سبقت مت کیا کرو) یایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر والہ بالقول کجھر بعضکم لبعض یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشقدمی مت کرو آپ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو جس طرح آپس میں چیخ پکار کر باتیں کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح باتیں نہ کرو۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فالذین امنوابہ وعزروہ ونصروہ واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون (سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

حقوق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھئے ایمان بالرسول پر اکتفا نہیں فرمایا عذروہ و نصروہ (ان کی حمایت کرتے ہیں اور

ان کی مدد کرتے ہیں) کی بھی قید زیادہ فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ فلاح اور کامیابی آخرت کے لئے جس طرح آپ پر ایمان لانا شرط ہے آپ کی عظمت کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ارشاد ہے لتؤ منوا باللہ ورسولہ وتعزروہ و توقروہ۔ (تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور حمایت کرو ان کی یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مدد کرو ان کی) دوسرا حق آپ کے ساتھ محبت کرنا ہے کہ وہ بھی بقدر ضروری ہے اور یہ بہ نص حدیث حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ایسا حق ہے جس کے بدون ایمان کامل نہیں ہوتا۔ لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین (تم میں سے کوئی مومن کامل نہ ہوگا جب تک میری محبت اس کو اپنے لڑکے اور اپنے باپ اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہوگی) دیکھئے کتنی صاف حدیث ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تک میرے ساتھ محبت سب سے زیادہ نہ ہوگی کوئی شخص مومن (کامل) نہیں ہو سکتا۔ دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت کو خدا کی محبت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے لن یؤمن احدکم حتی یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما (ہرگز کوئی شخص تم میں سے مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت ماسوا سے زیادہ نہ ہو جائے)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین حقوق

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح حق تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت و محبت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کرنا بھی فرض ہے گو فرق مراتب کا لحاظ ان سب میں ضرور ہوگا حق تعالیٰ کی اطاعت و عظمت و محبت کی اور شان ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و عظمت و محبت کی دوسری شان ہے مگر ہیں سب فرض اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حقوق بہت سے ہیں مگر اس وقت کلی طور پر ان ہی تین حقوق کو بیان کرنا چاہتا ہوں جن کا ذکر اجمالاً ابھی کر چکا ہوں جب آپ دیکھیں گے کہ ان تین حقوق میں ہم نے کس قدر کوتاہیاں کر رکھی ہیں تو اس سے باقی حقوق میں کوتاہی کا خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔ سو کلی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تین حقوق ہیں ایک اطاعت دوسری محبت تیسری عظمت۔ اب ان میں کوتاہی دیکھئے کہ بعض لوگ صرف اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو

ضروری سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو نہ تعلق عظمت ہے نہ تعلق محبت مگر میں سچ کہتا ہوں کہ بدون محبت و عظمت کے اطاعت بھی پوری طرح نہیں ہو سکتی قدم قدم پر اتباع سنت وہی کرے گا جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت رچی ہوئی ہو گی۔ اس لئے گو وہ اپنے آپ کو مطیع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عامل بالحدیث کہیں۔ مگر سوائے چند مسائل اختلافیہ کے جن کو وہ رات دن گایا کرتے ہیں باقی افعال و اعمال کو ان کے کوئی دیکھے کہ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے وہ اتباع حدیث کا کتنا خیال کرتے ہیں۔ رات دن آمین و رفع یدین کی حدیثیں تو تلاش کرتے ہیں کبھی یہ بھی فکر ہوئی کہ حدیث سے معلوم کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح کھانا کھاتے تھے کس طرح بیٹھتے تھے کس طرح معاملات و معاشرات میں برتاؤ کرتے تھے تقوی کے کن دقائق کی رعایت فرماتے تھے باطنی اخلاق میں آپ کا کیا رنگ تھا۔ ہم نے تو کبھی ان لوگوں کو سوائے چند اختلافی مسائل کے باقی اعمال میں اتباع سنت کا گرویدہ نہ پایا اور جن میں بزعم خود اتباع کرتے ہیں وہاں بھی اطاعت کا نام ہی نام ہے زیادہ محرک اس کا وہی نفسانیت و تعصب و گروہ بندی ہے جس کی وجہ وہی ہے کہ اطاعت پوری طرح بدون محبت کے ہو نہیں سکتی

دعوی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور بعض لوگ صرف محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری سمجھتے ہیں تو انہوں نے فقط محبت کو لے لیا ہے مگر یہ بھی محض ان کا دعوی ہی دعوی ہے اور ظاہر ہے دعوی بدون دلیل مسموع (سننے کے قابل) نہیں ہو سکتا اور دلیل مفقود بس ان کے نزدیک تو محبت اس کا نام ہے کہ کبھی مجلس میلاد منعقد کر لی۔ نعتیہ غزلیں پڑھ دیں یا سن لیں اس کے سوا ان کو کچھ بھی خیال نہیں کہ ہم جو کچھ حرکتیں کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی ہیں یا ناراض۔ ہم نے مدعیین محبت کو دیکھا ہے کہ شراب پیتے ہیں سود لیتے ہیں زنا میں مبتلا ہیں مگر سال میں ایک دو مرتبہ ربیع الاول میں میلاد کی مجلس منعقد کر کے محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں کیا یہ لوگ ابن مبارک کا قول بھول گئے۔

تعصی الرسول وانت تظہر حبہ   ھذ المری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقاً لاطعتہ   ان المحب لمن یحب مطیع

(تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے اور آپ کی محبت کا اظہار کرتا

ہے اپنی جان کی قسم یہ کاموں میں نادر بات ہے اگر تو آپ کی محبت میں صادق ہوتا تو آپ کی اطاعت کرتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے)

کیا غضب ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ ہے اور سر سے پیر تک مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غرق ہیں بھلا یہ بھی کہیں عاشق کا طریقہ ہوا کرتا ہے۔ یہ عجیب محبت ہے کہ عاشق کو محبوب کے ناراض ہو جانے کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ جو برتاؤ یہ لوگ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کر کے احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرتے ہیں اگر کوئی ان کے ساتھ یہی برتاؤ کرے کہ ان کی محبت کا دعویٰ کر کے مجلس میں بیٹھ کر ان کی مدح سرائی کر دیا کرے مگر ان کا حکم کوئی جانہ لاوے تو یہ لوگ خود اس کی محبت کو اس کے منہ پر دے ماریں گے پھر جائے افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی برتاؤ کر کے خوش ہیں اور نازاں ہیں اور ذرا بھی نہیں ڈرتے کہ یہ محبت تو اس قابل ہے کہ الٹی ہمارے منہ پر ماری جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو سکتی ہے

اس جگہ ایک شبہ ہو سکتا ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہیے وہ یہ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے شراب پی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری فرمائی پھر ان سے یہ حرکت صادر ہوئی پھر آپ نے ان پر حد جاری فرمائی جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو کسی دوسرے صحابی نے ان پر لعنت کی کہ خدا اس پر لعنت کرے بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اس پر حد جاری ہوتی ہے اور شراب پینے سے باز نہیں آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لعنت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ انہ یحب اللہ رسولہ کہ اس کو برا بھلا مت کہو اس کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اس حدیث کو نقل کر کے شیخ عبدالحق نے اس سے یہ مسئلہ استنباط (کسی بات کا کسی بات میں سے نکالنا) کیا ہے کہ اس حدیث سے ایک عجیب بات معلوم ہوئی کہ معصیت کے ساتھ بھی محبت خدا اور سول صلی اللہ علیہ وسلم جمع ہو سکتی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود شراب پینے کے ان شخص کو محب اللہ والرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب دیا تو شاید آج کل کے مدعیان محبت بھی اس حدیث سے سہارا ڈھونڈھیں کہ گو ہم دوسرے گناہ کرتے ہیں مگر پھر بھی اس حدیث کے مطابق ہم اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم

کے محبّ ہو سکتے ہیں جواب یہ ہے کہ اس وقت نفس محبت میں گفتگو نہیں اور نہ میں نفس محبت کی آپ سے نفی کرتا ہوں جب کسی شخص نے کلمہ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھ لیا تو کسی قدر تو محبت اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گی گفتگو محبت مطلوبہ میں ہے جس کی تحصیل ماموریہ ہے اور جس کے بعد دعویٰ محبت تسلیم کیا جا سکے چونکہ دعویٰ بدون قدر معتدبہ کے صحیح نہیں کیا کوئی شخص ایک پیسہ کا مالک بن کر اپنے کو مالدار کہہ سکتا ہے آپ کو اس حالت کے ساتھ اپنے آپ کو محبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کا منہ نہیں شاید تم یہ کہو کہ پھر کیا ان صحابی میں محبت مطلوبہ نہیں تھی کیا ان میں وہ درجہ محبت کا موجود نہ تھا جو شریعت کو مطلوب ہے میں کہتا ہوں کہ یہ قیاس آپ کا صحیح نہیں کیونکہ ہر شخص کی معصیت بھی برابر نہیں ہو سکتی دیکھئے ایک تو وہ شخص ہے جس کو ہر وقت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دھن ہو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں جان ومال وآبرو قربان کرنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں کرتا پھر کسی وقت شیطان نے دھوکہ دیدیا نفس کی شرارت غالب آگئی اور گناہ صادر ہو گیا پھر گناہ کر کے بھی چین سے نہیں بیٹھتا جب گناہ سے فارغ ہوا اور آنکھیں کھلیں تڑپ گیا اور بے قرار ہو گیا کہ ہائے کیا کروں میرا خدا مجھ سے ناراض ہو گیا ہو گا اب خدا کو کس طرح راضی کروں ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ صحاح میں موجود ہے کہ ان سے زنا کی حرکت صادر ہو گئی تھی فوراً بیقرار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجمع عام میں آکر عرض کیا یا رسول اللّٰہ طہرنی فقد ھلکت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تباہ ہو گیا مجھے پاک فرما دیجئے تنہائی میں بھی نہ کہا ایسے خدا کے خوف سے بے چین ہوئے کہ مجمع عام میں آکر زنا کا اقرار کیا نہ آبرو کا خیال کیا نہ بدنامی کا۔

ع۔ عاشق بد نام کو پروائے ننگ و نام کیا

حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ ان کی بات پر توجہ نہیں فرمائی ہر بار میں آپ نے ٹالنا چاہا اور یہ فرمایا کہ شاید تم نے چھو لیا ہو گا شاید تم نے بوسہ لے لیا ہو گا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ اس پر حد قائم نہ ہو خدا سے توبہ استغفار کر لے کیونکہ اس طرح سے بھی گناہ معاف ہو سکتا ہے مگر ان کو تو خدا پر جان فدا کرنے کی دھن لگی ہوئی تھی۔ صاف صاف لفظوں میں بیان کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو اس طرح کیا تب آپ نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ ان کو باہر میدان میں لے جا کر

رجم کرو یعنی پتھر مار مار کر جان سے مار ڈالو اس وقت کسی صحابی کے بدن پر ان کے خون کی چھینٹ آپڑی تھی تو ان کی زبان سے کوئی سخت لفظ ماعز کی شان میں نکل گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ ماعز اسلمی نے ایک کامل توبہ کی ہے کہ اگر سارے مدینہ والوں پر بھی اس کو تقسیم کیا جاوے تو سب کی مغفرت ہو جائے ظاہر ہے کہ ایک شخص کی توبہ کے جب اس قدر حصے کئے جائیں گے تو بظاہر ہر شخص کے کیا بانٹے آئے گا مگر ماعز کی توبہ اس قدر کامل توبہ تھی کہ اس کے ہزار بانٹے کرنے کے بعد بھی ہر حصہ ایک مسلمان کی مغفرت کے لئے کافی تھا تو ان کے لئے تو کیا کچھ ہوا ہو گا تو بھلا ایسی خطا کو کوئی خطا کہہ سکتا ہے جس سے ایسی توبہ کاملہ نصیب ہو۔

. ایں خطا از صد صواب اولی ترست

(یہ خطا سو صواب سے بہتر ہے)

صحابہ کی معصیت پر کس کا منہ ہے جو اپنی معصیت کو قیاس کرے ان حضرات کی معصیت توبہ کاملہ کا سبب بن جاتی تھی جس سے ان کو مقام توبہ جو بڑا عالی مقام ہے نصیب ہوتا تھا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ معصیت سبب قرب خیر کا ہو سکتی ہے نہیں نہیں معصیت ہمیشہ موجب شر ہی ہوتی ہے کہ سبب سخط حق ہے مگر کبھی سبب بعید خیر کے لئے بن جاتی ہے اس طرح کہ معصیت سے خدا تعالیٰ ناراض ہوئے اور اس شخص کو اپنے دل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خدا تعالیٰ ناراض ہیں اس سے بے چین ہو گیا اور ایسی ندامت طاری ہوئی جو کبھی نہ ہوئی تھی اس وقت حق تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ مقامات عطا ہو جاتے ہیں تو اس طرح وہ معصیت سبب بعید کا بن گئی۔

ایک دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ یا ان کے صاحبزادے عبداللہ زمین مصر میں اسلامی لشکر کے سردار بنے ہوئے تھے کہ لشکر میں سے چند آدمیوں نے شراب پی لی چونکہ اس وقت تک شراب کی حد مقرر نہ ہوئی تھی اس لئے سالار لشکر نے امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہاں لشکر میں بعض لوگوں نے شراب پی ہے ان کو کیا سزا دی جائے غور کیجئے کہ لشکر دشمن کی زمین میں موجود ہے اور ذرا بھی ان کی رعایت کا خیال نہیں بلکہ حکم سزا کے لئے امیر المومنین کی خدمت میں قاصد بھیجا جا رہا ہے حالانکہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جب لشکر دشمن کی زمین میں ہوتا ہے تو اس کی بہت رعایت اور خاطر کی جاتی ہے مگر حضرات صحابہ میں یہ مضمون تھا ہی نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ

نے صحابہ کے اجماع کے بعد ۸۰ کوڑے شراب پینے کی سزا لکھ کر بھیج دی۔ اب جس وقت یہ حکم پہنچا ہے تو یہ نہیں ہوا کہ سالار لشکر نے تفتیش کی ہو کہ شراب کس کس نے پی بلکہ آپ نے ایک اعلان فرمادیا کہ جس کسی نے شراب پی ہو وہ آکر اپنے آپ کو پاک کرالے بس اتنا اعلان ہوتا تھا کہ لوگ آنے شروع ہوئے۔ ایک آتا ہے کہ حضرت میں نے شراب پی تھی' اس کے بعد دوسرا آتا ہے کہ میں نے بھی شراب پی تھی۔ اب غور کیجئے کہ ان لوگوں پر کوئی ثبوت تھا نہ گواہ تھے نہ تفتیش کی گئی خود ہی ان کے اقرار سے جرم کا ثبوت ہو رہا ہے اور ہر شخص پر ۸۰ کوڑے پڑ رہے ہیں اور یہ لوگ صحابہ بھی نہیں تھے بلکہ تابعین تھے ہر شخص خوشی کے ساتھ اپنی زبان سے شراب پینے کا اقرار کرتا ہے اور کوڑے کھا کر چلا جاتا ہے ایک تو گنہگار یہ تھے ایسے گنہگاروں کی نسبت ارشاد ہے انه یحب اللّٰہ ورسوله کہ ان کو اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور یہ گناہ شیطانی دھوکہ سے صادر ہو گیا۔ ایک وہ شخص ہے کہ جس کو کبھی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھتے بیٹھتے خیال بھی نہیں آتا شریعت کو دو پیسے میں بیچ ڈالنا اسے گوارا ہے جس وقت جو جی میں آتا ہے کر گزرتا ہے ہر کام میں بے باک ہے حلال و حرام کی تمیز ہی نہیں گناہ کرنے کے بعد بھی کچھ زیادہ پریشان و پشیمان نہیں ہوتا کیا ایسے شخص کو بھی انه یحب اللّٰہ و رسوله (اس کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے) میں داخل کیا جا سکتا ہے اور کیا ان لوگوں کو بھی یہ کہنے کا منہ ہے کہ ہم اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محب ہیں۔ بلکہ حضرت اگر سچ مچ محبت ہوتی تو کبھی زبان سے بھی یہ دعوے نکل سکتے سچے عاشقوں کی تو زبان سل جاتی ہے زبان سے اظہار ہو ہی نہیں سکتا اب رہی یہ بات کہ جب وہ زبان سے نہیں دعوی کرتے تو دوسرے کیسے سمجھیں کہ ان کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے سو بات یہ ہے کہ وہ زبان سے اگرچہ ظاہر نہ کریں مگر عشق بھی کہیں چھپا رہا ہے کھل ہی جاتا ہے۔

می تواں داشت نہاں عشق ز مردم لیکن
زردی رنگ رخ و خشکی لب راچہ علاج

شاعر کہتا ہے کہ تم آدمیوں سے عشق کے تذکرہ کو چھپا سکتے ہو مگر چہرہ کی زردی اور لبوں کی خشکی کو کس طرح چھپالو گے۔ غرض عشق ایسی بلا ہے کہ پوشیدہ رہ نہیں سکتا کہ عشق و مشک رانتواں نہفتن (عشق اور مشک کو نہیں چھپا سکتے) بلکہ مولانا تو فرماتے ہیں کہ عشق بے زبان عشق زبانی سے بھی زیادہ روشن ہوتا ہے کیونکہ زبانی محبت تو صرف دعوی ہی

دعویٰ ہے اور عشق بے زبان کے ساتھ ساتھ دلیل بھی موجود ہے فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست
لیک عشق بے زباں روشن ترست

(اگرچہ زبان کا بیان روشن گر ہے لیکن عشق بے زبان زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ رموز ذوقیہ سے ہے جس کو زبان سے اچھی طرح نہیں کہا جا سکتا)

محققین کاملین کا عشق

اسی لئے محققین کاملین کا عشق اکثر بے زبان ہی ہوتا ہے اور وہ بے زبان رہ کر بھی سب کچھ کر گذرتا ہے ہاں کبھی کبھی کامل بھی بے قرار ہو کر بول اٹھتا ہے کہ۔

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

(ضبط انتہا کو پہنچنے کی وجہ صاحبدلوں اول نکلا جاتا ہے وہ درد عشق جو پوشیدہ تھا افسوس ظاہر ہوا جاتا ہے)

یعنی جب ضبط انتہا کو پہنچ جاتا ہے اور تاب ضبط نہیں رہتا تو بے تاب ہو کر زبان سے بھی اظہار ہو جاتا ہے تو پھر ایسے وقت میں یعنی جب کہ عشق بے زبان کو زبان لگتی ہے تو پھر قیامت کا سامنا ہے پھر اس کے سننے کے واسطے بڑا مضبوط کلیجہ چاہئیے اس وقت اس کی بالکل یہ حالت ہوتی ہے۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(میرے دل میں ایسا درد عشق ہے کہ ظاہر کروں زبان جل جائے۔ اگر خاموش رہوں تو ڈرتا ہوں کہ ہڈیوں کا گودا نہ جل جائے)

پھر اگر اس پر کوئی ملامت بھی کرنے لگے تو اس وقت تو اس کے جوش کا ٹھکانا ہی نہیں رہتا وہ بے تاب ہو کر پھر یوں کہتا ہے۔

ساقیا برخیز و درده جام را خاک برسر کن غم ایام را
گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اے ساقی اٹھ اور جام محبت عطا کر اور ایام گذشتہ کے غم کے سر پر خاک ڈال)

غرض اس کا زبان سے ظاہر ہونا غضب ہے قیامت کا سامنا ہے اس کا پوشیدہ ہی رہنا بہتر ہے مگر وہ بے زبان ہو کر بھی سب کچھ کر ڈالتا ہے اس کے ظاہر ہونے کی ضرورت ہی نہیں وہ اخفاء پر بھی مخفی نہیں رہا کرتا۔ سوا ایسا عاشق اگر کوئی غلطی کر گذرے وہ بیشک یحب اللّٰہ و رسولہ (وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے) کا مصداق رہتا ہے نہ یہ کہ بےباکی کرے اور مدعی محبت بنا رہے ہیں۔ بس ایسے بےباک عاصی کی نسبت انہ یحب اللّٰہ و رسول (بلاشک وہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہے) وارد نہیں ہوا وہ انہیں حضرات کی بابت ارشاد ہے جو اپنی جان ومال کو خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر چکے تھے ہر وقت رضا جوئی اور اتباع کے گرویدہ رہتے تھے۔ خیر کبھی نفس کی شرارت سے گناہ بھی صادر ہو گیا بس معیار یہ ہے کہ اگر نیکیاں زیادہ ہوں اور معاصی کم تو وہ خدا ور سول صلی اللہ علیہ وسلم کا محب ہے اور اگر نیکیاں کم ہوں اور گناہ زیادہ اس کو محب نہیں کہیں گے اس کو ابن مبارک کا قول سنایا جائے گا کہ اگر تجھ کو محبت ہوتی تو زیادہ تو اطاعت کرتا خیر کبھی اتفاقاً معصیت کا بھی صدور ہو جاتا مگر جب سرکشی کا پلہ بھاری ہے تو اس کو محب کون مان لے گا۔ محبت ایسی سستی چیز نہیں محبت کے لئے بڑے امتحان کی ضرورت ہے۔

وجائزة دعوى المحبة فى الهوى

ولكن لا يخفى كلام المنافق

(عشق میں محبت کا دعوی جائز ہے۔ لیکن منافق کا کلام پوشیدہ نہیں رہتا)

لوازم محبت

چنانچہ جس طرح اطاعت نہ ہونا ایک امتحان ہے دوسرا امتحان عظمت کا نہ ہونا ہے چنانچہ اس کا یہ حال ہے کہ ان کے قلب میں عظمت کا نشان تک نہیں حالانکہ محب کے دل میں محبت کی عظمت بھی لوازم محبت سے ہے۔ یہ کیسی محبت ہے کہ محبوب کی ذرا بھی عظمت نہیں۔

عظمت کا حال سنئے یہ لوگ اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بہت بیہودہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہیں فتنہ کہتے ہیں کہیں لفظ ستم استعمال کرتے ہیں اور بعض تو اس سے بھی زیادہ غضب کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کـ فـ ر کے لفظ سے

خطاب کرتے ہیں- خدا کی پناہ یہ لوگ کس قدر بیباک ہیں- بعضے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اس طرح کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی شان میں گستاخی ہو جاتی ہے بھلا خیال کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی مدح سے کیا خوشی ہو سکتی ہے غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص صاحب کمشنر کے سامنے پیشکار کی ایسی مدح کرے کہ حضور جو کچھ ہیں بس آپ ہی ہیں آپ ہی کے قبضے میں سارا اختیار ہے بدون آپ کے کوئی حاکم کچھ نہیں کر سکتا تو اس وقت پیشکار کا ناگواری و شرمندگی سے کیا حال ہو گا- آیا اس مدح سے اس کو کچھ خوشی ہو گی یا ندامت کے مارے سیروں اس پر پانی پڑے گا- کہ حاکم بالا کے سامنے میں کیا چیز ہوں جو اس کی تنقیص کر کے یہ شخص میری مدح کرتا ہے- بعینہ یہ حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسی مدح سے ہو گا چنانچہ حدیث میں ایک مقام پر وارد ہے- لاتسودوا وجھی یوم القیامۃ کہ قیامت کے روز تم میرا منہ کالا مت کر دینا- یہ ایسی مدح کی نسبت اور ایسے مداحین کی بابت بھی ارشاد ہے- اللہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منور چہرہ مبارک اور اس کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ کہ میرا منہ کالا مت کرنا توبہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور ایسا کیوں ہوتا (فداہ ابی وامی) (میرے باپ اور ماں آپ پر قربان ہوں) ان مداحین ہی کا قیامت میں منہ کالا ہو گا- مگر اس کلمہ میں آپ اپنی سخت ناگواری کا کس قدر اظہار فرماتے ہیں- دیکھئے صاحبو! کیا یہ شعر بے ادبی کا نہیں-

پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسفؑ
محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

استغفر اللہ العظیم اس شاعر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا مضمون باندھا ہے اور اس میں کیا عجیب توجیہ اختیار کی ہے جس سے وہ اپنے دل ہی میں خوش ہو لیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سے یقیناً سخت ناراض ہوں گے یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہیں تھا اب وجہ اس کی یہ کہی جاتی کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر تاپا نور ہی نور تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی اس لئے آپ کے سایہ نہ تھا کیونکہ سایہ کے لئے ظلمت لازمی ہے شاعر صاحب اس مضمون کو اس طرح باندھتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا تو بیقرار ہو گئے کہ اب میرا محبوب مجھ سے جدا ہوتا ہے کہاں دیکھوں گا تو تسکین خاطر کے لئے آپ کا سایہ رکھ لیا کہ اسی کو دیکھ کر تسکین کر لیا کروں گا جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو جب

یعقوب علیہ السلام نے جدا کیا تو ان کو پیراہن یوسفی سے تسلی ہوتی تھی۔الٰہی توبہ الٰہی توبہ دیکھئے اس مضمون میں حق سبحانہ تعالیٰ کی کس قدر بے ادبی کی گئی ہے اول تو حق تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بیقرار مانا کہ ان کے واسطے تسلی کی ضرورت ثابت کی حالانکہ خدا تعالیٰ اس سے بالکل منزہ اور پاک ہیں جب خدا کو بھی بے قراری ہونے لگے اور تسکین خاطر کی ضرورت ہو تو پھر خدائی کس طرح باقی رہے گی۔دوسرے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ دنیا میں آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے ایسے دور پڑ گئے کہ خدا تعالیٰ ان کو دیکھ بھی نہ سکتے تھے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر تنقیص ہے کہ خدا تعالیٰ سے بعید مانا اور خدا پر کیا دھبہ لگایا کہ دنیا میں بھیج کر وہ اپنے محبوب کو دیکھ بھی نہیں سکتے گویا بصیر کی صفت نہ رہی تھی کیا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عظمت ہونی چاہئے۔

بعض شعراء کی گستاخیاں

کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں انبیاء علیہم السلام کی اہانت کی جاتی ہے۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے کہ ایک بھائی کی مدح اس طرح کی جائے کہ اس کے دوسرے بھائی کو اس کے سامنے گالیاں دی جائیں کیا ایسی مدح سے کوئی شخص خوش ہو سکتا ہے جس میں اس کے دوسرے بھائی کو برا بھلا کہا جائے اور بھائی بھی کیسے دو قالب ویک جان انبیاء علیہم السلام آپس میں سب بھائی بھائی ہیں اور ان میں ایسا اتفاق ہے کہ ہرگز دوسرے کی اہانت کو ایک گوارا نہیں کر سکتا اور انبیاء علیہم السلام کی یہ توہین کہیں تو تہذیب کے ساتھ ہوتی ہے کہیں بد تہذیبی کے ساتھ توہین کی یہ مثالیں ہیں کسی شاعر نے آپ کی نعت لکھنے کے لئے خیالی سیاہی تیار کی ہے تو اس میں کہا ہے "دیدہ یعقوب کھرل الخ" استغفر اللہ یعقوب علیہ السلام کی شان میں کس قدر گستاخی ہے کسی دوسرے شاعر نے اس کا خوب جواب دیا ہے۔

ابھی اس آنکھ کو ڈالے کوئی پتھر سے کچل
نظر آتا ہے جسے دیدہ یعقوب کھرل
توبہ ہے یوں ہو کہیں عین نبی مستعمل
کوئی تشبیہ نہ تھی اور نصیب اجل

کبھی یوسف علیہ السلام کی توہین کی جاتی ہے اور عیسیٰ علیہ السلام تو بھلا تختہ مشق ہیں ان کی شان میں تو بہت ہی گستاخی کی جاتی ہے۔ایک صاحب کہتے ہیں۔

بر آسمان چہارم مسیح بیمار است
تبسم تو برائے علاج در کار است
(چوتھے آسمان پر عیسٰی علیہ السلام بیمار ہیں آپ کا تبسم علاج کے لئے در کار ہے)
کہ عیسٰی علیہ السلام آسمان چہارم پر بیمار ہیں ان کی شفاء کے لئے آپ کے تبسم کی ضرورت ہے۔ بھلا جو نبی بیماروں کو اچھا کرتے ہوں ان کو محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم کو شفاء ثابت کرنے کے لئے بیمار مانا جائے یہ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم کا شفا ہونا اس کے بدون بیان نہ ہو سکتا تھا پھر آسمان پر بیمار کیونکر ہو سکتے ہیں وہ تو ایسی جگہ ہیں جہاں ان کو نہ کھانے کی ضرورت نہ پینے کی نہ آب و ہوا وہاں کی خراب جو بیمار ہونے کا احتمال بھی ہو۔

غلبہ حال

اور یہ کرتے ہیں کہ امیر خسروؒ کی غزل جو کسی محبوب مجازی کی شان میں ہے تضمین کر کرا کے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں پڑھتے ہیں جس میں یہ مصرعہ بھی ہے۔
اے نرگس زیبائے تو آوردہ رسم کافری
(اے محبوب تیری نرگس زیبا رسم کافری لائی ہے)
اور اگر اس قسم کے مضامین کسی بزرگ کے کلام میں پائے جائیں تو اس کو غلبہ حال پر محمول کیا جائے گا۔ مگر ان شاعروں کے کلام میں ہم کو تاویل کی کیا ضرورت۔ جن کو نہ محبت ہے نہ خاک محض تک بندی ہی جانتے ہیں یہ تو بد تہذیبی کے ساتھ اہانت انبیا علیہم السلام کی مثالیں تھیں۔ بعض لوگ تہذیب کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کی توہین کرتے ہیں اور اس میں عوام کی تو کیا شکایت کی جائے خواص تک مبتلا ہیں گو میرے اس بیان سے بعض خشک علماء ناخوش ہوں گے مگر جو بات ناحق ہو گی اس کو تو بیان کیا ہی جائے گا بعض واعظین و مصنفین و مدرسین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں اس طرح سے ثابت کرتے ہیں کہ اس سے ان کی تنقیص لازم آجاتی ہے گو ان کی نیت تنقیص کی نہ ہو مگر اس طرح مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے انبیاء کی تنقیص کا وہم بھی ہو جائز نہیں اسی لئے میں نے یہ کہا تھا کہ بعض لوگ تہذیب کے ساتھ انبیاء کی توہین کرتے ہیں اس کی ایک مثال یہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام کا

معجزہ مشہور ہے کہ ان کے پتھر پر عصا مارنے سے جاری ہو گئے تھے اب بعض مدرسین اس کی کوشش کرتے ہیں کہ انبیاء سابقین کے ہر ہر معجزہ کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو ان سے افضل واکمل ثابت کریں۔ چنانچہ اس معجزہ موسوی کے مقابلہ میں بھی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بیان کرتے ہیں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے عصا مارنے سے پتھر سے چشمے جاری ہو گئے تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے غزوہ حدیبیہ میں پانی جاری ہو گیا تھا جس سے تمام لشکر سیراب ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو معجزہ موسوی سے افضل ثابت کرنے کے لئے اس طرح تقریر کرتے ہیں کہ پتھر سے پانی نکلنا کچھ زیادہ عجیب نہیں کیونکہ بعض پتھروں سے چشمے نکلتے ہیں مگر لحم و شحم سے پانی کا جاری ہو جانا یہ بہت عجیب ہے اس تقریر سے مفضول اور افضل دونوں کی تنقیص لازم آتی ہے مفضول کی تنقیص تو ظاہر ہے کہ اس تقریر میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی وجہ اعجاز کو کمزور کر دیا گیا ہے کہ پتھر سے پانی کا نکلنا کچھ چنداں جائے تعجب نہیں گویا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ کوئی بڑا بھاری معجزہ نہ تھا استغفر اللہ ایک ایسے معجزہ کو جسے حق سبحانہ تعالیٰ نے جا بجا امتنان و اظہار قدرت کے لئے بیان فرمایا ہے اعجاز میں کمزور اور معمولی بتلانا کتنا بڑا غضب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص اس سے اس طرح لازم آتی ہے کہ ان حضرات نے اس واقعہ کے معجزہ ہونے کو اس پر موقوف کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی نکلتا تھا حالانکہ اس کا کہیں ثبوت نہیں احادیث سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالہ میں پانی منگا کر اپنا دست مبارک اس میں رکھ دیا تو وہ پانی ابلنے لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے ابلتا ہوا نظر آتا تھا۔ اس سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ لحم و شحم سے پانی نکلتا تھا بلکہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک رکھ دینے سے وہ پانی بڑھنے لگا اور جوش مارنے لگا اور انگلیوں کے درمیان سے اس کا ابلنا نظر آتا تھا اب جن صاحب نے اس معجزہ کے اعجاز کو اس بات پر موقوف کیا ہے کہ پانی لحم و شحم نے نکلا تھا جس کا کچھ ثبوت نہیں تو گویا در پردہ وہ اس اعجاز کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ لحم و شحم سے تو پانی کا نکلنا ثابت ہی نہ ہوا۔

ایک دوسرے صاحب کہتے ہیں۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوہ صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمی

مطلب ان کا یہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام تو ایک تجلی صفاتی سے بے ہوش ہو گئے اور آپ نے تجلی ذاتی کا مشاہدہ کیا اور تبسم ہی فرماتے رہے۔ بھلا ان حضرات سے کوئی پوچھے کہ کیا تم تجلی طور کے وقت موجود تھے جو تم نے قطعی فیصلہ کر دیا کہ موسٰی علیہ السلام پر تجلی صفاتی ہوئی تھی یا تم شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جو یقین کے ساتھ حکم لگاتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلی عین ذات ہوئی تھی یا محض تخمین اور قیاس سے جو چاہا حکم لگا دیا حالانکہ شب معراج کا حال کسی کو کیا معلوم ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلی کیسی ہوئی تھی۔

ایک بزرگ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق تعالیٰ کی کیا باتیں ہوئیں؟ انہوں نے جواب میں یہ شعر فرمایا:

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں

بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

(اب کس کی ہمت ہے کہ باغ کے مالی سے یہ پوچھے کہ بلبل نے کیا کہا اور پھول نے کیا سنا اور صبا نے کیا کیا)

واقعی خوب ہی جواب دیا اس وقت کسی کی کیا طاقت جو ان اسرار کو تعیینی طور پر معلوم کر سکے اگر قسمت میں ہے تو جنت میں جا کر معلوم کر لیں گے باقی یہاں اول تو کسی کو معلوم کس طرح ہو سکتا ہے اور جو کسی کو کشف سے کچھ معلوم بھی ہوتا ہے تو وہ ظنی ہے اس پر یقین کیونکر ہو سکتا ہے مگر یہ حضرت تو بڑی پختگی کے ساتھ بلا کھٹکے فرماتے ہیں۔۔

تو عین ذات می نگری در تبسمی

(آپ نے تجلی ذاتی کا مشاہدہ کیا اور تبسم ہی فرماتے رہے) گویا یہ بھی معراج کے وقت سارا معاملہ دیکھ رہے تھے پھر اس شعر میں جو فضیلت شاعر صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمائی ہے وہ فضیلت بھی تو نہیں بن سکتی۔ وہ فضیلت یہ بیان کی ہے کہ موسٰی علیہ السلام ایک تجلی صفاتی سے بے ہوش ہو گئے تھے اور آپ عین ذات کے مشاہدہ کے وقت بھی تبسم ہی میں رہے۔ اگر تھوڑی دیر کو ان کی خاطر یہ مان بھی لیا جائے کہ موسٰی علیہ السلام پر تجلی صفاتی ہوئی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تجلی ذاتی تو جو نقص یہ موسٰی علیہ السلام پر لگاتے ہیں اگر معاذ اللہ وہ کوئی نقص ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اس سے زیادہ لازم آئے گا کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام

سے ایک بار درخواست کی تھی کہ تم مجھے ایک دفعہ اپنی اصلی صورت دکھلا دو حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ دیکھ نہ سکیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے تو ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے نہایت حسین وجمیل صورت تمام آفاق آسمان کو ان کے پر گھیرے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے تو اگر کوئی یہودی اس واقعہ سے یہ اعتراض کرے کہ موسیٰ علیہ السلام تو خدا کی تجلی سے بیہوش ہوئے تھے اور تمہارے نبی ایک فرشتہ کو دیکھ کر بیہوش ہو گئے اگر خدا کو دیکھ کر بیہوش ہو جانا کوئی نقص کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ فرشتہ کو دیکھ کر بے ہوش ہونا اس سے بڑھ کر نقص ہو گا تو اس وقت یہ شاعر صاحب کہاں جائیں گے جو فرماتے ہیں۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات
توعین ذات می نگری در تبسمی

(موسیٰ علیہ السلام تو ایک تجلی صفاتی سے بے ہوش ہو گئے اور آپ نے تجلی ذاتی کا مشاہدہ کیا اور تبسم بھی فرماتے رہے)

بے سمجھے ایسی بات کہہ ڈالنا بھی غضب ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے بیٹھے تھے مگر الٹا اعتراض لازم آگیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی است
(بے عقل کی دوستی دشمنی کی طرح ہے)

اب اس کی حقیقت سنئے بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شب معراج میں بے ہوش نہ ہونا کوئی ایسا امر نہ تھا جس کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کے بے ہوش ہو جانے کو دلیل مفضولیت کی ٹھیرائی جاوے نہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر بے ہوش ہونا کوئی ایسی حالت تھی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں بے ہوش نہ ہونے کو دلیل افضلیت کہا جاوے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر تجلی الٰہی عالم ناسوت میں ہوئی تھی اور اس عالم میں قویٰ انسانی کمزور ہوتے ہیں اس لئے وہ بے ہوش ہو گئے اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی عالم میں تجلی ہوتی تو آپ بھی بے ہوش ہو جاتے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر آپ کا بے ہوش ہو جانا ثابت ہے آخر اس کی کیا وجہ تھی فقط یہی کہ عالم ناسوت میں آپ کے قویٰ کمزور تھے۔ اور شب معراج میں آپ اس لئے بیہوش نہ ہوئے

کہ وہ عالم ملکوت ہے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ملکیت غالب تھی آپ کے قوی متحمل ہو گئے تھے عالم ملکوت میں اگر موسیٰ علیہ السلام پر بھی تجلی ہوتی تو وہ بھی بے ہوش نہ ہوتے۔

غرض یہ طریقہ ہرگز پسندیدہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل دیگر انبیاء کا مقابلہ کر کے اس طرح بیان کئے جائیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی اس سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تنقیص لازم آجاتی ہے اور اگر یہ نہ بھی ہو تب بھی آخر دیگر انبیاء علیہم السلام کا ادب بھی تو لازمی ہے جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ادب کرتے تھے تو ہم کو ضرور ان کا ادب کرنا چاہئے۔ بس اسلم یہ ہے کہ اس بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اتباع کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تفضلوا بین انبیاء اللہ مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ تم انبیاء میں ایک کو دوسرے پر محض اپنی رائے سے کسی وجہ سے افضل نہ ثابت کرو۔ یہ مطلب نہیں کہ انبیاء سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں کیونکہ بعض مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کچھ اپنے فضائل ذکر فرمائے ہیں کیونکہ امت پر ان فضائل کا اعتقاد ضروری تھا۔ سو ان فضائل منصوصہ کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لاتفضلوا بین انبیاء اللہ (انبیاء علیہم السلام کے درمیان ایک کو دوسرے پر اپنی رائے سے فضیلت مت دو) تفضیل بالرائے کی نفی مقصود ہے کہ تم خود اپنی رائے سے وجہ فضیلت تراش کر کے انبیاء میں تفضیل مت کرو کہ اس میں اندیشہ دیگر انبیاء کی تنقیص کا ہے اور فضائل منصوصہ کے بیان کرنے میں یہ اندیشہ نہیں کیونکہ وہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ارشاد فرمودہ ہیں ان میں سے کسی کی تنقیص نہیں۔ مثلاً فضائل منصوصہ یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔

فضائل منصوصہ رسول اکرمؐ

میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ انا سید ولد ادم میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ انا اول شافع و اول مشفع میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔ انا صاحب لواء الحمد و ادم ومن بعدہ تحت لوائی میرے ہی ہاتھ میں لواالحمد ہو گا آدم

علیہ السلام سے لیکر قیامت تک کے تمام آدمی میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے اور اس کے سوا فضائل منصوصہ بکثرت ہیں اگر کسی کو شوق ہو تو یہ فضائل بیان کرے مگر اپنی طرف سے تراش کرنا وجوہ فضائل بیان کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ کیا کہوں علماء تک اس میں مبتلا ہیں ایک تفسیر کی کتاب جو داخل درس ہے اور سب اس کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اس تک میں ایسے مضامین موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب بنی اسرائیل کو لیکر حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے چلے تو طلوع شمس کے بعد فرعون نے ان کو جالیا اس کا لشکر قریب پہنچ گیا تو بنی اسرائیل نے گھبرا کر کہا کہ بس ہم تو پکڑے گئے اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کلا ان معی ربی سیھدین (بلا شک اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے وہ مجھ کو راہ پر پہنچادے گا) اس پر وہ مفسر لکھتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو ترجیح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں صدیق اکبرؓ سے فرمایا تھا جبکہ کفار غار کے قریب پہنچ گئے اور وہاں جا کر باتیں کرنے لگے کہ یہاں تک تو نشان قدم کا پتہ چلتا ہے یہاں سے آگے نشان قدم نہیں معلوم ہوتے نہ معلوم آسمان پر چڑھ گئے یا زمین میں غائب ہو گئے تو حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ اپنے پیروں کی طرف نگاہ کریں تو ہم کو دیکھ لیں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تحزن ان اللہ معنا (مت غمگین ہو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے) وہ مفسر فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے معی فرمایا بصیغہ واحد متکلم کہ خدا میرے ساتھ ہے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معنا بصیغہ جمع متکلم فرمایا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ کسی کو شریک نہیں فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کے صیغہ سے دوسروں کو بھی اپنے ساتھ شریک فرمایا دوسرے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ذکر کو خدا کے ذکر سے مقدم فرمایا ان معی ربی (بے شک اللہ میرے ساتھ ہے) پہلے معی ہے پھر ربی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے ذکر کو اپنے ذکر سے مقدم فرمایا ان اللہ معنا میں کہتا ہوں کہ بلاغت کوئی کمالات نبوت سے نہیں نبوت کے کمالات دوسری قسم کے ہیں۔ بلاغت کو اس میں کیا دخل اس کی تو بالکل ایسی مثال ہوئی کہ جیسے کوئی یہ دعویٰ کرے کہ یوسف علیہ السلام تمام انبیاء سے زیادہ حسین تھے اس لئے وہ سب سے افضل تھے

ظاہر ہے کہ اس کا یہی جواب دیا جائے گا کہ حسن صورت کمالات نبوت سے نہیں اس لئے اس سے فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی۔ بس اسی طرح بلاغت کلام بھی کوئی شرائط نبوت سے نہیں جس کی وجہ سے ایک نبی کی دوسرے کے اوپر فضیلت ثابت کی جا سکے ورنہ اگر فضیلت کے یہی معنی ہیں کہ ہر بات میں افضل ہو تو شاید یہ بھی دعویٰ کیا جائے گا کہ فلاں ولی سے رستم افضل ہے کیونکہ رستم کی قوت جسمانی اس ولی سے زیادہ تھی مگر ظاہر ہے کہ اس سے اس ولی کی طرف کوئی نقص عائد نہیں ہو سکتا کمالات ولایت میں قوت جسم کو کیا دخل ہاں قوت قلبیہ مقبولین کی سب اقویاء سے زیادہ ہوتی ہے جس کا اندازہ قوت فیضان سے ہو سکتا ہے یہ گفتگو تو تسلیم کے بعد تھی ورنہ ہم یہ ہی تسلیم نہیں کرتے کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بلاغت میں کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے کم ہے کیونکہ بلاغت کلام کے معنی یہ ہیں کہ کلام مقتضی حال کے موافق ہو تو ان دونوں اقوال میں سے کسی کو دوسرے سے ابلغ اس وقت کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ دونوں یکساں حال میں صادر ہوئے اور دونوں حال بالکل متحد تھے اور یہ ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ واقعات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ حال مختلف تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک اکھڑ جاہل قوم تھی جس وقت لشکر فرعون کو اس نے آتے ہوئے دیکھ لیا تو موسیٰ علیہ السلام کے قول پر بھی ان کو اعتماد نہ رہا کہ حق تعالیٰ میری مدد فرمائیں گے اور اس قوم ظالم سے مجھ کو نجات دیں گے انہوں نے بڑی پختگی اور یقین کے ساتھ یہ کہہ ڈالا کہ انا لمدرکون کہ اب تو ہم یقیناً پکڑے گئے جملہ اسمیہ اور ان ولام تاکید ان کے کلام میں موجود ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں سے بے اعتقاد ہو کر کہا تھا اب فرمایئے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معیت حق کہاں باقی رہی تھی یہ حال اسی کو چاہتا ہے کہ ان معی ربی (یقیناً اللہ میرے ساتھ ہے) بصیغہ واحد استعمال کیا جائے۔

شان صدیق اکبرؓ

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ان اللہ معنا بصیغہ جمع ارشاد فرمایا وہاں کیا حال تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت فقط صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ نعوذ باللہ صدیق اکبرؓ نے کوئی بے اعتقادی کی بات ظاہر کی ہو یا ان کے کسی حال سے بے اعتقادی ظاہر ہوئی ہو بلکہ سچ پوچھئے

تو حضرت صدیق اکبر کو جو اس وقت حزن تھا وہ اپنی جان کے اندیشہ کی وجہ سے نہ تھا ورنہ اپنے کو سانپ کے منہ میں نہ دیتے۔بلکہ ان کا سارا حزن فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کہیں بال بیکا نہ ہو جائے۔ تو ایک تو وہ حال تھا کہ ساتھ میں بے اعتقاد قوم تھی جس نے دشمن کو آتے ہوئے دیکھ کر یقین کر لیا کہ بس ہم گرفتار ہو جائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں کے ہوتے ہوئے کیسے پختگی کے ساتھ زبان سے یہ لفظ نکال گئے انا لمدرکون (اب تو ہم یقینا پکڑے گئے) یہ بھی نہ خیال کیا کہ ہم خدا کے حکم سے نکلے ہیں خدا تعالیٰ نے مدد کا وعدہ فرمایا ہے ایسی قوم کے لئے یہی جواب زیبا تھا جو موسیٰ علیہ السلام نے دیا کلا ان معی ربی سیہدین کہ سب سے پہلے لفظ کلا بڑھایا جو لغت عربی میں ڈانٹنے اور دھمکانے کے لئے بولا جاتا ہے گویا کہ گلے پر طمانچہ مار دیا کہ ہرگز نہیں خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھ کو راہ پر پہنچائے گا۔

دوسری جگہ یہ حالت ہے کہ ساتھ میں ایک صدیقؓ ہے جس سے کبھی بے اعتقادی کا وہم بھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ ہر بات کو سب سے پہلے ماننے والا ہے اور جان نثار ہے کہ اس کو اپنی جان کا غم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا غم تھا اس کو معیت حق میں کیونکر نہ شریک کیا جاتا اور کیونکر اس کی تسلی نہ کی جاتی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا لاتحزن غم نہ کرو ان اللہ معنا خدا ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

غرض کہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام اس حال کے مقتضی کے بالکل موافق تھا اگر وہ حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتا تو بقاعدہ بلاغت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی غالباً ان معی ربی (یقینا میرا رب میرے ساتھ ہے) ہی فرماتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اس حال کے مقتضی کے موافق تھا اگر یہ حال موسیٰ علیہ السلام کیساتھ ہوتا تو وہ بھی غالباً ان اللہ معنا (یقینا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے) ہی فرماتے۔ اب آپ نے دیکھ لیا کہ اپنی طرف سے تراشی ہوئی وجہ فضیلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ اس کو ذرا سے تامل کے بعد ایک ادنیٰ طالب علم نے توڑ دیا۔ اب بھلا ان حضرت مفسر سے کوئی پوچھے کہ جیسا آپ نے دونوں اقوال کو تو دیکھا تھا احوال کو بھی تو دیکھا ہوتا کہ موسیٰ علیہ السلام کا قول کس موقعہ پر صادر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کیسے موقعہ پر صادر ہوا۔ اس کے بعد یہ بھی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ذکر کو خدا کے ذکر سے مقدم کیا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے ذکر کو اپنے ذکر سے مقدم کیا۔

اے صاحبو کیا اس تقریر میں موسیٰ علیہ السلام پر سخت اعتراض نہیں ہوا کہ معاذ اللہ ان کو بولنا بھی نہ آتا تھا ان کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہ تھا کہ خدا کے ذکر سے اپنے ذکر کو مقدم کر دیا میں یہ نہیں کہتا کہ مفسر کے دل میں بھی یہ اعتراض ہو گا مگر ان کی اس تقریر سے ہر سننے والے کو موسیٰ علیہ السلام کی نسبت یہی بدگمانی پیدا ہو گی۔ استغفر اللہ العظیم مگر میں کہتا ہوں کہ اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام کا قول کسی طرح غیر ابلغ نہیں ہو سکتا۔ بات یہ ہے کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں کہ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہیوں کے قول سے چونکہ بے اعتقادی اور عدم یقین بر وعدہ خداوندی کا ظہور ہو چکا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام اس جواب میں ناراضی کے ساتھ یہ بات ظاہر فرماتے ہیں کہ جب تمہارے اعتقاد و یقین کی یہ حالت ہے تو فقط میرے ہی ساتھ معیت حق شامل ہے تمہارے ساتھ معیت حق نہیں تو آپ کا مقصود حصر بیان فرمانا ہے اور قاعدہ بلاغت مشہور ہے۔ تقدیم ماحقه التاخیر یفید الحصر (جس کا حق مؤخر کرنے کا اس کو مقدم کر دینا حصر کا فائدہ دیتا ہے) اس لئے آپ نے لفظ معی کو ربی سے مقدم فرمایا تو حصر کے لئے کسی لفظ متاخر کو مقدم کر دینا یہ تو عین بلاغت ہے اس سے موسیٰ علیہ السلام کے قول کی کامل بلاغت باقی رہی یا کم ہوئی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ حصر مقصود نہ تھا اس لئے آپ نے اپنے ذکر کو مقدم نہ فرمایا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود صدیق اکبر کو بھی معیت حق میں شامل کرنا تھا کیونکہ ان سے جس جاں نثاری کا ظہور ہوا تھا اس کی وجہ سے وہ اس قابل تھے کہ ان کو معیت حق میں شریک کیا جائے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حصر مقصود ہوتا تو شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بقاعدہ بلاغت اپنے ذکر کو مقدم فرماتے تو یہ غیر ابلغ کیا ہوا۔ غرض معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی آپ کے مقابلہ میں تنقیص کی جائے۔ ایسی عظمت سے نہ خدا تعالیٰ راضی ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں ایک بار اسی قسم کا واقعہ دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا کہ ایک صحابی کے ساتھ کسی یہودی کی گفتگو ہوئی مسلمان صحابی نے ضمن قسم میں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ وہ یہودی قسم ہی کے ضمن میں کہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ صحابی نے غصہ میں آ کر یہودی کے ایک طمانچہ مارا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

شکایت لایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی پر غصہ ظاہر فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ لا تفضلوا بین انبیاء اللہ (انبیاء علیہم السلام کے درمیان اپنی رائے سے ایک کو دوسرے پر فضیلت مت دو) اگرچہ اس یہودی کا قول حقیقت میں غلط تھا اور صحابی حق پر تھے جو بات وہ کہہ رہے تھے غلط نہ تھی فی الواقع حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل ہیں مگر اس وقت ان صحابی کے فعل سے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص کا شبہ ہو سکتا تھا (اگرچہ ان کی نیت یہ نہ تھی) اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی گفتگو سے منع فرمادیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ طرز جو بعض حضرات علماء نے اختیار فرمایا ہے اچھا نہیں ہے اس میں بڑا خطرہ ہے اگرچہ ان کی نیت تنقیص کی نہ ہو مگر اس قسم کی تقریروں سے جو کہ مقابلہ کی صورت سے محض رائے سے ہوں تنقیص لازم آہی جاتی ہے۔

یہ گفتگو تھی حقیقی عظمت نہ کرنے والوں کے ایک گروہ کے باب میں اور ان حقیقی عظمت نہ کرنے والوں کا ایک گروہ اور بھی ہے یعنی آج کل کی نئی تعلیم یافتہ جماعت وہ یہ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت کو جانتے ہی نہیں گو ظاہر میں عظمت کرتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بوجہ ملکیت اور سلطنت کے کرتے ہیں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات میں سے صرف انتظام مملکت اور تمدن و سیاست کو منتخب کر لیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کریں گے تو ان سب کا خلاصہ یہ نکلے گا کہ بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بڑے بیدار مغز بادشاہ اور ریفارمر تھے کہ آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے عرب جیسی جاہل قوم کو مہذب بنا دیا اور ان کے باہمی اختلافات کو رفع کر کے سب کو متحد و متفق بنا کر حکمرانی اور سلطنت کے قابل ان کو بنا دیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلی کمالات وہ ہیں جو حیثیت نبوت کے ہیں گو آپ میں اور شیون و کمالات بھی تھے مگر وہ دوسرے کمالات اس کمال نبوت کے تابع ہیں ان میں سے ایک ملک و سلطان ہونا بھی ہے۔ مگر آج کل کی نئی تعلیم یافتہ جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل میں صرف شان ملکیت و بادشاہت کی وجہ سے آپ کی عظمت کرتے ہیں آپ کی نبوت و رسالت کے کمالات سے بحث نہیں کرتے کہ آپ کی معرفت و علم کے ساتھ آپ سے معجزات و خوارق کیسے کیسے صادر ہوئے بلکہ اکثر تو مغربی تعلیم کے اثر سے مغلوب ہو کر معجزات کا انکار ہی کرتے ہیں چنانچہ آج کل ایک جدید سیرت

تجویہ چھپی ہے جس پر تمام نئی تعلیم یافتہ جماعت غش ہے مگر اس کو اول سے آخر تک دیکھنے سے جو خلاصہ نکلتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہت بڑے مدبر و بیدار مغز بادشاہ تھے یا ایک مصلح قوم ریفارمر تھے اور اس سیرت کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی بادشاہ کی سیرت ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی اولوالعزم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات رسالت کی بحث ہی نہیں۔

میں جب ضلع فتح پور گیا تو ایک صاحب میرے ملنے والے ہیں انہوں نے ایک شخص کے ہاتھ وہ سیرت میرے پاس بھیجی کہ ذرا اس کو دیکھ لو اور یہ بتلا دو کہ یہ سیرت دیکھنے کے قابل ہے یا نہیں۔ میں نے یہ عذر کیا کہ بھائی میں اس وقت سفر میں ہوں اس وقت ساری کتاب کا دیکھنا دشوار ہے اور دو تین مواقع دیکھ کر میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اس میں کیا خوبی ہے اور کیا خرابی ہے۔ جب میں وطن پہنچوں گا وہاں بھیج دی جائے تو میں وہاں دیکھ کر اس کا فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اسی مجلس میں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو اس ساری کتاب کے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں ایک موقع دکھاتا ہوں بس اسی کو دیکھ لینا کافی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک موقع نکال کر دکھایا اس جگہ مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ عیسٰی علیہ السلام میں انتظام سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ نوح علیہ السلام میں رحمت و شفقت کا مضمون نہ تھا۔ میں نے کہا لو بھائی اس کتاب کا حال تو اسی موقع سے معلوم ہو گیا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کی گئی ہے آپ کے بھائیوں کو عاری عن الفضائل (فضائل سے خالی) بتلا کر۔ اسی سے قیاس کر لو کہ جب مصنف کے دل میں انبیاء علیہم السلام کی یہ وقعت ہے تو اور کیا کچھ گل کھلائے ہوں گے۔

ع۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

(میرے چمن ہی سے میری بہار کا اندازہ کر لو)

میرے نزدیک وہ سیرت ہرگز قابل دیکھنے کے نہیں۔ جس میں انبیاء علیہم السلام کی تنقیص کی گئی ہو۔

ملکہ سلطنت حضرت عیسٰی علیہ السلام

صاحبو! یہ کتنا بڑا غضب ہے کہ عیسٰی علیہ السلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان میں

سلیقہ ملک داری نہ تھا حالانکہ احادیث صحاح میں وارد ہے کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نزول فرمائیں گے اور اس وقت وہ بادشاہت بھی کریں گے اور انتظام سلطنت بہت خوبی کے ساتھ انجام دیں گے۔ تو جس شخص کے انتظام سلطنت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدح فرمائیں اب کسی کا کیا منہ ہے جو ان پر یہ الزام لگائے کہ ان میں سلیقہ ملک داری نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں چونکہ ساری عمر زہد و پارسائی کے ساتھ بسر کی اس لئے اس سے یہ قیاس کر لیا گیا کہ ان کو انتظام سلطنت آتا ہی نہ تھا سو خود یہ قیاس کتنا غلط قیاس ہے۔ بھلا بادشاہت نہ کرنے سے یہ کیونکر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں قابلیت ہی نہ تھی۔ قابلیت نہ ہونا تو یوں معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہت کرتے اور اچھے طریقے سے نہ کرتے۔ اس باب میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت موجود ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور مسلمانوں پر بادشاہت کریں گے اور نہایت عدل و خوبی کے ساتھ بادشاہت کریں گے اور ان میں ایسی قابلیت ہوگی کہ ایک بہت بڑے قانون کا انتظام خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سپرد فرماتے ہیں وہ یہ کہ جزیہ کو موقوف کر دیں گے۔ جس پر بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہو کر تشریف لائیں گے پھر وہ شریعت کے کسی حکم کو کیونکر منسوخ کریں گے مگر میری تقریر سے جواب نکل آیا اگرچہ صورتاً خبر ہے مگر معناً انشاء ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو امر فرما گئے ہیں کہ اپنے زمانہ میں آپ جزیہ کو موقوف فرما دیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اتنا بڑا مدبر تسلیم فرماتے ہیں کہ ان کے سپرد اتنا بڑا قانون فرماتے ہیں کسی دوسرے کو یہ اجازت نہیں دیتے بات یہ ہے کہ ان میں ملکہ سلطنت کامل ہے۔ مگر جب تک حق تعالیٰ نے اس سے کام لینے کو نہیں فرمایا اس سے کام نہیں لیا اور جب اس سے کام لینے کا حکم ہوگا کام لیں گے۔

ترحم سیدنا حضرت نوح علیہ السلام

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام پر یہ الزام لگایا کہ ان میں ترحم کم تھا افسوس کہ یہ لوگ قرآن کو بھی تو نہیں دیکھتے۔ قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کے بارہ میں یہ ارشاد خداوندی موجود ہے واوحی الی نوح انہ لن یؤمن من قومک الا من قد امن فلاتبتئس بما کانوا یفعلون واصنع الفلک باعیننا و وحینا ولا تخا طبنی فی الذین

ظلموا انهم مغرقون ترجمہ۔ ان آیات کریمہ کا یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرف یہ وحی بھیجی گئی کہ بس اب آپ کی قوم میں سے بجز ان لوگوں کے جو کہ ایمان لا چکے ہیں اور کوئی بھی ایمان نہ لائے گا تو آپ ان کے افعال سے رنجیدہ نہ ہو جائیے۔ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کے افعال سے رنج ہوتا تھا اور رنج ہونا شفقت کی دلیل ہے شفقت نہ ہوتی تو ان کے افعال کی کچھ بھی پرواہ نہ ہوتی یہی سمجھتے کہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے مگر نہیں ان کو وجہ شفقت کے رنج ہوتا تھا ہاں جب تو حق تعالیٰ نے منع فرمایا کہ بس اب مت رنج کرو تو پھر رنج نہیں کیا اور ان کی طرف سے دل کو خالی کر لیا اس کے بعد حکم ہوتا ہے کہ تم ایک کشتی ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے بناؤ اور ان ظالموں کی بابت اب کوئی بات ہم سے نہ کہیو یہ بالیقین غرق ہوں گے۔

بھلا جب حق تعالیٰ نے صاف صاف منع فرمادیا کہ اب ان لوگوں کی بابت مجھ سے بات نہ کہیو تو حضرت نوح علیہ السلام ان کے ساتھ شفقت کا اظہار تو کیسے ظاہر کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے پھر بھی جہاں ذرا سی گنجائش پائی شفقت کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ حق تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم تمہارے اہل کو غرق نہ کریں گے جب نوح علیہ السلام کا بیٹا غرق ہونے لگا تو حق تعالیٰ سے اس کی سفارش کی ونادی نوح ربه فقال رب ان ابنی من اهلی وان وعدك الحق وانت احكم الحاكمين یعنی نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ یا اللہ میرا بیٹا بھی تو میرے اہل میں سے ہے اور آپ کا وعدہ سچا ہے یعنی آپ وعدہ فرما چکے ہیں کہ تمہارے اہل کو ہم غرق نہ کریں گے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا اس کے اعمال برے تھے اور تمہارے اہل سے مراد وہ لوگ تھے جو کہ آپ کے خاندان کے ہوں اور متبع بھی ہوں تو دیکھئے شفقت نہ ہوتی تو بیٹے کے واسطے عرض نہ کرتے۔ شائد آپ یہ کہیں کہ اپنے بیٹے کے لئے دعا کرنا اور سفارش کرنا یہ تو دلیل شفقت نہیں ہو سکتی کیونکہ اپنے بیٹے سے تو باپ کو شفقت ہوا ہی کرتی ہے جواب یہ ہے کہ اول تو نوح علیہ السلام پیغمبر تھے اور انبیاء علیہم السلام مثل اپنی اولاد کے دوسروں کو بھی سمجھتے ہیں۔ مگر چونکہ دوسروں کی سفارش کے لئے کوئی گنجائش نہ رہی تھی اس لئے نہ کر سکے۔ اور بیٹے کے بارہ میں چونکہ عرض معروض کی گنجائش تھی بوجہ وعدہ سابق کے اس لئے ذرا سی گنجائش پر بھی نہ چوکے اور فوراً عرض کر ہی دیا اس سے ہم یہی سمجھیں گے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو دوسروں پر بھی شفقت تھی مگر بوجہ گنجائش باقی نہ رہنے کے ان کے لئے عفو کی دعا نہ کر سکے۔

دوسرے یہ کہ یہ تو مسلم کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ محبت وشفقت ہوا کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب بیٹا انتہا درجہ کا سرکش و نافرمان ہو تو وہ شفقت جاتی رہتی ہے۔ چنانچہ امتحان کے طور پر ان والدین کا حال دیکھ لیا جاوے جن کی اولاد نافرمان ہے کہ وہ کس قدر اپنی اولاد سے بیزار رہتے ہیں۔ خصوصاً مذہبی مخالفت یہ تو ایسی مخالفت ہے کہ اس کے بعد تو شفقت رہا ہی نہیں کرتی خصوصاً انبیاء علیہم السلام کو ان کی محبت و بغض تو سب فی اللہ ہوتی ہے۔ خیر! ابراہیم علیہ السلام کے والد ابراہیم علیہ السلام کو مخالف فی الدین اور بتوں کی برائی کرتے ہوئے دیکھ کر غصے میں آ کر کہتے ہیں قال اراغب انت عن الھتی یآ ابراھیم لئن لم تنتہ لارجمنک واھجرنی ملیاً کہ اے ابراہیم کیا تم میرے بتوں سے بے رخ ہو اگر تم اس بے رخی سے باز نہ آوگے تو میں تم کو پتھر مار مار کر قتل کر دوں گا۔ اور میرے پاس سے مدۃ العمر کے لئے دور ہو جاؤ۔ تو انبیاء کا تو مخالف فی الدین کے ساتھ کیا حال ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ نوح علیہ السلام کا وہ بیٹا ان کا نہایت نافرمان اور سرکش بیٹا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دین میں مخالف تھا۔ اس کے بعد بھی نوح علیہ السلام کی یہ شفقت کہ یہ طوفان آیا تو اس نافرمان سے آپ فرماتے ہیں کہ اے بیٹے ہمارے ساتھ تو بھی کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت رہ نہیں تو غرق ہو جائے گا۔ اس نے اس بات کو بھی منظور نہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کو بھی موج طوفان نے غرق کر دیا۔ اس قدر سرکشی کے بعد بھی جب وہ غرق ہو گیا تو نوح علیہ السلام پھر بھی حق تعالیٰ شانہٗ سے اس کی بابت عرض معروض کرتے ہیں۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ کمبخت اپنے ہاتھوں تباہ ہوا۔ میں کیا کروں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام میں شفقت بہت ہی زیادہ تھی ورنہ اس قدر سرکشی کے بعد کیسا ہی باپ ہو اس کو بھی شفقت نہیں رہا کرتی اس سے ثابت ہوا کہ ان کی صفت شفقت و رحمت میں ذرا کمی نہ تھی پس پھر جو قوم کے لئے بددعا کی معلوم ہوا کہ بامر حق تھی۔ تیسری بات یہ تھی کہ نوح علیہ السلام نے جو بددعا اپنی قوم کے حق میں کی تھی اگر وہ دعا بے رحمی کی تھی تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو ہرگز قبول نہ فرماتے مگر جب حق تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا تو معلوم ہوا کہ وہ بددعا بے رحمی کی نہ تھی اگر اس بددعا کی وجہ سے نوح علیہ السلام بے رحم ہوتے تو پھر حق تعالیٰ کو بھی بے رحم کہو کہ انہوں نے ایسی بے رحمی کی بددعا کو قبول فرما لیا۔ اور ایک نوح علیہ السلام ہی کی دعا کو نہیں۔ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کو بھی اسی طرح قبول فرمایا

قولہ: ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلایؤ منوا حتی

ربنا اطمس علیٰ اموالھم واشدد علیٰ قلوبھم فلا یؤمنوا حتیٰ یروا العذاب الالیم (ہمارے پروردگار ان کے اموال کو ہلاک کر اور ان کے دلوں پر سختی کر پس وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ کے دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں)

تو اے جنٹلمینو! یہ الزام تم نوح علیہ السلام کو کیا دیتے ہو کہ وہ بے رحم تھے صاف یوں ہی کہہ دو نا کہ خدا تعالیٰ بھی معاذ اللہ بے رحم ہیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے دربار میں ممکن ہے کہ جابجا درخواستیں منظور ہو جایا کریں جس کا نہ کوئی ضابطہ ہے نہ کوئی قانون اگر یہ ہے تو حق تعالیٰ کا دربار کیا ہوا شاہان اودھ کی کچہری ہوئی کہ جو کسی نے کہہ دیا بس ہو گیا چاہے حق ہو چاہے ناحق تو کیا معاذ اللہ خدا کے دربار میں اندھیر کھاتہ ہے کہ کچھ قاعدہ ہی مقرر نہیں کہ کس دعا کو قبول کرنا چاہیے کس دعا کو قبول نہ کرنا چاہیے بس جس کی دعا چاہی منظور کر لی خواہ وہ کیسی ہی بے رحمی کی دعا ہو اور جس کی چاہے رد کر دی خواہ وہ اچھی ہی ہو کیا نعوذ باللہ خدا کا دربار اس آنریری مجسٹریٹ کے دربار جیسا ہو گا جس کو بوجہ ریاست کے آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا تھا مگر لیاقت خاک نہ تھی جب آپ کے پاس مقدمات آنے شروع ہوئے تو بڑی فکر ہوئی کہ کیا کروں مقدمات کس طرح فیصل کروں تو آپ ایک دوسرے آنریری مجسٹریٹ کی عدالت میں گئے کہ دیکھوں وہ کس طرح مقدمات فیصل کرتا ہے تو اس وقت ان کے ہاتھ میں ایک مقدمہ کی مسل آئی اس کے بارہ میں انہوں نے پڑھ کر کہا کہ منظور پھر ایک دوسری مسل آئی اس کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ نامنظور۔ یہ اناڑی مجسٹریٹ بہت خوش ہوئے کہ بس ہم کو فیصلہ کرنا آگیا۔ اب آپ عدالت کرنے بیٹھے مقدمات کی مسلیں پیش ہوئیں پس جو اول ہاتھ میں آئی اسے کہہ دیا منجور جو اس کے بعد ہاتھ میں آئی وہ نامنجور و نامنظور بس اب کیا تھا دو منٹ میں مقدمات طے ہونے لگے منجور نامنجور دو لفظوں میں قصہ پاک ہوا۔ نہ مسل کا پڑھنا نہ سننا نہ یہ خبر کہ یہ قابل منظوری کے ہے یا نہیں۔ بس طاق سلسلہ میں آجانا چاہیے وہ منظور ہو گئی کوئی جو جفت عدد کے سلسلہ میں پڑ گئی وہ نامنظور ہو گئی۔ تو کیا معاذ اللہ خدا کے دربار کو بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ وہاں بھی اس کا خیال نہیں کیا جاتا کہ درخواست قابل منظوری کے ہے یا نہیں فقط منظور و نامنظور سے فیصلہ کیا جاتا ہے استغفر اللہ العظیم خدا کی کیا عظمت ہے اور اگر یہ احتمال نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی بددعا بے رحمی کی وجہ سے ہرگز نہ تھی ورنہ حق تعالیٰ شانہ اس کو ہرگز قبول نہ فرماتے کیا حق تعالیٰ کے ذمہ رسول کی ہر بات ماننا ضروری ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے انبیاء علیہم السلام کی دعا کو قبول نہیں فرمایا تو اگر نوح علیہ السلام کی بددعا قابل قبول نہ ہوتی تو حق تعالیٰ اس کو بھی رد فرما دیتے

معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی قوم اسی قابل تھی کہ ان کو بالکل تباہ کر دیا جائے وہ ہرگز قابل رحم نہ تھی یہاں تک کہ تنگ آکر نوح علیہ السلام نے ان پر بد دعا کی۔ ساڑھے نو سو برس تک تو ان کو سمجھایا نصیحت کی مگر وہ ہمیشہ ان پر سختیاں ہی کرتے رہے یہاں تک کہ اکثر وعظ و نصیحت کے وقت ان کو اس قدر تکلیف پہنچاتے تھے کہ وہ بے ہوش ہو جاتے تھے جب نو سو برس تک ان کی یہی حالت رہی تب ان کے حق میں بد دعا کی اس قدر ایذا شاید ہی کسی نبی کو اپنی قوم سے پہنچی ہو پھر حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ اب یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے' ان کے بارے میں ہم سے بات نہ کیجئے نہ ان کے افعال سے رنج کیجئے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ رحم کے قابل ہی نہ تھے مگر ایک نئے مجتہد صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل بیان کر رہے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی اہانت کی جا رہی ہے اور پھر آپ کی بھی اگر تعظیم کی تو بحیثیت بادشاہ ہونے کے۔

غرض اس اس طرح لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق میں کوتاہی کر رہے ہیں کہ کوئی صرف اطاعت کو ضروری سمجھتا ہے محبت و عظمت سے ان کو تعلق نہیں کوئی محبت کا دم بھرتا ہے اطاعت و عظمت سے اس کو واسطہ نہیں کوئی آپ کی عظمت کرتا ہے تو اس طرح کہ محض بادشاہت کی حیثیت سے اور یا اس طرح کہ جس سے دیگر انبیاء کی توہین ہو جاتی ہو بلکہ بعض مرتبہ حق تعالیٰ شانہ' کی بے ادبی ہو جاتی ہے اس لئے اس کی تلافی کی ضرورت ہے اور تلافی ہوتی ہے کوتاہیوں کا سبب دریافت ہونے سے اور سبب ان سب کوتاہیوں کا یہ ہے کہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محض ضابطہ کا تعلق ہے۔ کوئی خصوصیت کا تعلق نہیں حالانکہ نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تعلق بھی ہونا چاہیے۔ اور خاص تعلق پیدا ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان کئے جائیں۔

اہل معرفت کا مذاق

دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ انعامات و احسانات بیان کئے جائیں جو ہمارے حال پر آپ نے فرمائے ہیں تو یہ دو امر ضروری ہوئے پھر ان میں بھی باہم ایک تفاوت ہے وہ یہ کہ فضائل و کمالات سن کر خاص تعلق بہت کم لوگوں کو پیدا ہوتے ہیں اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ الانسان عبد الاحسان۔ انسان احسان کا غلام ہے جب کسی کے احسانات اپنے

اور بہت دیکھتے ہیں اکثر خاص تعلق اس سے پیدا ہو جاتا ہے۔ البتہ جو خاص اہل معرفت ہیں ان کا تو مذاق یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو کوئی بھی نفع نہ پہنچے جب بھی وہ جان و مال سے آپ پر فدا ہیں جیسا عارف شیرازی محبت للنفس کا مذاق ہوتا ہو محبت کے باب میں فرماتے ہیں۔

ہر چند آز مودم ازوے نبود سودم

من جرب المجرب حلت به الندامه

(میں نے ہر چند آزمایا مجھ کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا جو شخص تجربہ کار کا تجربہ کرتا ہے اس کو ندامت اٹھانی پڑتی ہے)

تو محب اللہ کا تو کیا پوچھنا ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ان کو وحی قطعی سے بھی معلوم ہو جاوے کہ ہماری قسمت میں ابدالآباد کے لئے جہنم میں رہنا مقدر ہے تب بھی ان کی محبت میں ذرا کمی نہ ہو گی نفع نہ ہونے کی صورت میں جمیع عاشقین یہی کرتے ہیں کہ محبوب کی رضا کو اپنی رضا پر مقدم کرتے ہیں اور اپنی محرومی پر بھی دل خوش رہتے ہیں۔

میل من سوئے وصال و میل اوسوئے فراق

ترک کام خود گرفتم تابر آید کام دوست

(میرا میلان وصل کی طرف ہے اور محبوب کا خیال فراق کی طرف میں نے اپنی مراد کو ترک کر دیا تاکہ محبوب کی مراد پوری ہو جائے)

مگر یہ خاص ہی عاشقین کا مذاق ہے سب کا یہ مذاق نہیں ہوتا۔

عاشق احسانی

اسی لئے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں عاشق ذاتی یا صفاتی نہیں (کیونکہ عاشق کی تین قسمیں ہیں ایک عاشق ذاتی' ایک عاشق صفاتی' ایک عاشق احسانی۔

عاشق ذاتی تو محض محبوب کی ذات ہی کو محبت کے قابل سمجھتا ہے چاہے اس میں کوئی بھی کمال نہ ہو۔ اور عاشق صفاتی محبوب سے بوجہ اس کے کمالات کے محبت کرتا ہے۔ اور عاشق احسانی وہ ہے جو بوجہ محبوب کے احسانات کے اس سے محبت کرتا ہے) تو فرمایا کہ بھائی ہم لوگ عاشق احسانی ہیں جب تک راحت سے گذرتی رہے تو محبت قائم رہتی ہے اور اگر ذرا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کروں اسی واسطے اس وعظ کا نام (شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ) رکھتا ہوں جس کے یہ معنی ہیں کہ شکر ایک نعمت کا رحمت مجسم کی صفت رحمت کے ذکر کے ذریعہ سے پس لفظ رحمت اول سے مراد معنی لغوی اور دوسری سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ کا ایک نام مقدس رحمت بھی ہے۔

احسانات رسول اکرمؐ

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے انا رحمة مهداة کہ میں ایک رحمت ہوں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدیہ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے آپ کو رحمت فرمایا۔ دوسرے قرآن شریف میں حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے وما ارسلنك الا رحمة للعلمين کہ ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ غرض حدیث و قرآن دونوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس مقام پر ایک شبہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ وما ارسلناك الا رحمة للعالمين (ہم نے تمام جہان والوں پر آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے) سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالم کے لئے رحمت ہونا معلوم ہوتا ہے اور بالمؤمنين رؤف رحيم (مسلمانوں پر بڑے شفیق اور مہربان ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہیں۔ جواب یہ کہ بالمؤمنين رؤف رحيم میں رحمت خاص مراد ہے کہ وہ مسلمانوں کے سوا کسی پر نہیں اور وما ارسلناك الا رحمة للعالمين میں رحمت عامہ مراد ہے رحمت عامہ کفار کو بھی شامل ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت ایک تو یہ ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کی برکت سے ہوا کہ آپ کے نور کی شعاعوں کی برکت سے تمام عالم کا مادہ بنا۔ دوسری رحمت عامہ یہ ہے کہ یوم میثاق میں تمام جہان کو توحید کی تعلیم فرمائی۔ اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پشت آدم علیہ السلام سے ظاہر فرما کر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) تو سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف تکنے لگے کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں تو سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلیٰ ہاں (بیشک ہمارے رب ہیں) فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب نے بلیٰ کہا۔ تیسرے یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی نے آپ ہی کی برکت سے نجات پائی یہ بھی تمام عالمین پر رحمت ہے۔ کیونکہ نوح علیہ

السلام آدم ثانی ہیں کہ ان کے بعد سلسلہ بنی آدم انہیں کی اولاد سے جاری ہوا اس وقت جس قدر انسان ہیں وہ سب ان کے تین بیٹوں ہی کی نسل سے ہیں چنانچہ قرآن شریف میں ارشاد ہے وجعلنا ذریته هم الباقین کہ ہم نے نوح علیہ السلام ہی کی اولاد کو دنیا میں باقی رکھا (باقی سب کو ہلاک کر دیا!)

تو اس وقت عام عالم گویا اپنے آباء کی پشت میں تھا اور اس کشتی کو نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہوئی تو یہ احسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام عالم پر ہے کہ آپ ہی کی برکت سے سب فناء سے محفوظ رہے۔ حیوانات موجودہ بھی ان ہی حیوانات کی نسل سے ہیں جو کشتی میں تھے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نار سے نجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے ہوئی یہ بھی تمام عالم پر رحمت تھی کیونکہ انبیاء علیہم السلام بکثرت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہوئے اور اس وقت ان کی اولاد بھی بہت کثرت سے موجود ہے تو وہ ایک بڑے حصہ عالم کے یا پدر نسبی ہیں یا پدر روحانی تو اس طرح یہ فیض بھی ایک عالم کو پہنچا ان دونوں واقعات کو مع دیگر برکات کے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالی عنہ نے چند اشعار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تھا وہ اشعار اس وقت مجھے یاد نہیں ہیں "نشر الطیف" میں لکھے ہیں (جامع وعظ احقر ظفر عرض کرتا ہے کہ اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ ان اشعار کو مع ترجمہ حضرت حکیم الامت نقل کر دوں تاکہ ناظرین کے لئے زیادہ موجب لذت ہو)

نعت حضرت عباسؓ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجئے کہ کچھ آپ کی مدح کروں (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خود طاعت ہے اس لئے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ کہو اللہ تعالی تمہارے منہ کو سالم رکھے انہوں نے یہ اشعار آپ کے سامنے پڑھے۔

من قبلها طبت فی الظلال وفی
مستودع حیث یخصف الورق

ثم هبطت البلاد لا بشر
انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة تركب السفير وقد
الجم نسراو۲ هلها الغرق
تنقل من صالب الی رحم
اذا مضی عالم بد اطبق
وردت نار الخلیل مکتتماً
فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المهیمن من
خندف علیاء تحتها النطق
وانت / لما ولدت اشرق
الارض وضاء ت بنورک الافو

فخن فی ذلک الضیاء وفی النور سبل الرشاد تخترق

ترجمہ: زمین پر آنے سے پہلے آپ جنت کے سایہ میں خوش حالی (اور راحت) میں تھے اور نیز (اس) ودیعت گاہ میں تھے جہاں (جنت کے درختوں کے) پتے اوپر تلے جوڑے جاتے تھے (یعنی آپ صلب آدم علیہ السلام میں تھے سو زمین میں آنے سے پہلے جب آدم علیہ السلام جنت کے سایوں میں تھے آپ بھی تھے اور پتوں کا جوڑنا اشارہ ہے اس قصہ کی طرف کہ جب آدم علیہ السلام نے اس منع کئے ہوئے درخت سے کھالیا اور جنت کا لباس اتر گیا تو درختوں کے پتے ملا ملا کر بدن ڈھانکتے تھے یعنی اس وقت بھی آپ ان کی پشت میں تھے (اور آپ ہی کی برکت سے آدم علیہ السلام کی یہ خطا معاف ہوگئی اور حق تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی) اس کے بعد آپ نے بلاد (زمین) کی طرف نزول فرمایا اس وقت آپ نہ بشر تھے نہ مضغہ نہ علقہ (کیونکہ یہ حالتیں پیدائش کے بہت قریب ہوا کرتی ہیں اور اس وقت آپ کی پیدائش قریب کہاں تھی اور یہ زمین کی طرف نزول فرمانا بواسطہ آدم علیہ السلام کے ہوا کہ جب وہ زمین پر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ساتھ زمین پر نزول فرمایا مگر اس وقت آپ نہ بشر تھے اور نہ مضغہ نہ علقہ) بلکہ (پشت آباء میں محض ایک مادہ مائیہ بصورت نطفہ تھے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس طرح بصورت نطفہ تو تمام انبیاء بلکہ تمام عالم آدم

علیہ السلام کی پشت میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس میں کونسی فضیلت ثابت ہوئی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود دوسروں کے وجود سے ممتاز تھا کہ دوسرے تو محض بصورت نطفہ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس کی پشت میں بصورت نطفہ تشریف فرما ہوئے تھے اس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو بھی کچھ تعلق ہوتا تھا کہ اس تعلق روحی کی برکتیں آپ کے ان اجداد میں ظاہر ہوتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے اگلے شعر میں ابراہیم علیہ السلام کے سوزش نار سے بچ جانے کی نسبت یہ بات فرمائی ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت میں تھے وہ کیونکر جل سکتے تھے تو یہ برکتیں اس تعلق روح ہی کی وجہ سے تو ظاہر ہوئیں) کبھی وہ مادہ کشتی نوح میں سوار تھا اور حالت یہ تھی کہ نسرمت اور اس کے ماننے والوں کے لبوں تک طوفان غرق پہنچ رہا تھا مطلب یہ کہ بواسطہ نوح علیہ السلام کے وہ مادہ راکب کشتی تھی مولانا جامیؒ نے اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

زجودش گر نگشتے راہ مفتوح　　جودی کے رسیدے کشتی نوح

حدیث تقریری

یعنی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطائے راہ کشادہ نہ ہوتا تو سلامتی کے ساتھ کوہ جودی پر نوح علیہ السلام کی کشتی کس طرح پہنچتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی برکت سے وہ کشتی پار ہو گئی اور وہ مادہ (اسی طرح واسطہ در واسطہ ایک صلب سے دوسرے رحم تک منتقل ہوتا رہا جب ایک طرح کا عالم گذر جاتا تھا دوسرا طبقہ شروع ہو جاتا تھا یہاں تک اسی سلسلہ میں آپ نے نار خلیل علیہ السلام میں ورود فرمایا چونکہ آپ ان کی پشت میں مخفی تھے تو وہ کیسے جل سکتے تھے (پھر آگے اسی طرح آپ منتقل ہوتے رہے) یہاں تک کہ آپ کا خاندانی شرف جو کہ (آپ کی فضیلت پر) شاہد ظاہر ہے اولاد خندف میں سے ایک بلند چوٹی پر جا گزیں ہوا جس کے تحت کے اور حلقے (یعنی دوسرے خاندان مثل درمیانی حلقوں کے) تھے (خندف لقب ہے آپ کے جد بعید مدرکہ بن الیاس کی والدہ کا) اور آپ جب پیدا ہوئے تو زمین روشن ہو گئی اور آپ کے نور سے آفاق منور ہو گئے سو ہم اس ضیاء اور نور میں ہدایت کے رستوں کو قطع کر رہے ہیں (چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشعار پر سکوت فرمایا اس لئے حدیث تقریری سے ان مضامین کا صحیح اور درست ہونا ثابت ہو گیا) انتہی ترجمتہ مع

بعض حذف و زیادۃ روما للاختصار والا یضاح ۱۲ (پورا ہو گیا اس کا ترجمہ مع بعض حذف کرنے اور زیادہ کرنے کے ساتھ ایضاح اور اختصار کا قصد کر کے)

رحمت عامہ

ایک رحمت عامہ حضور صلی اللہ کی یہ ہے کہ اس امت کے اوپر سے وہ سخت سخت عذاب ٹل گئے جو پہلی امتوں پر آئے تھے کہ بعض قومیں سور بندر بنا دی گئیں کسی کا تختہ الٹ گیا کسی پر آسمان سے پتھر برسے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تو برکت ہے کہ اس امت کے کفار پر ایسے عذاب نہیں آتے۔ اور اس رحمت کو عام اس لئے کہا گیا کہ کفار کو بھی شامل ہے جو کہ امت اجابت میں داخل ہیں ایک رحمت عامہ یہ ہے کہ آپ کی امت میں سے جو کوئی ایک نیک کام کرے اس کا ثواب کم از کم دس گنا ضرور ملے گا۔ اور اگر زیادہ خلوص ہو تو سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ ثواب ملتا ہے اس کا عام ہونا اس اعتبار سے ہے کہ حدیث اسلمت اسلفت من خیر (اسلام لایا تو اپنی گذشتہ نیکوں کے ساتھ) سے ثابت ہے کہ کافر جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کی گذشتہ نیکیاں بھی اس کو ملتی ہیں تو ان نیکیوں میں یہ مضاعف ہو گا تو اس طرح یہ رحمت بھی کفار کو شامل ہوئی ایک عام رحمت یہ ہے کہ حق تعالی نے اس امت کے اوپر وہ سخت سخت احکام نازل نہیں فرمائے جو پہلی امتوں پر تھے مثلاً بعض معاصی سے توبہ کا طریقہ یہ تھا کہ مجرم اپنی جان دیدے اس کے بدون توبہ قبول نہیں ہوتی ناپاکی کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا کاٹ دینے کا حکم تھا۔ اس شریعت میں احکام نہ بہت سخت ہیں کہ عمل دشوار ہو نہ ایسے آسان کہ کچھ کرنا ہی نہ پڑے۔

اب یہاں یہ ایک سوال ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب کے حق میں رحمت عامہ ہونا ثابت ہو گیا مگر آخرت میں کفار کے لئے آپ کی رحمت کیا ہو گی کیونکہ کفار تو ابد الآباد کے لئے جہنم میں رہیں گے ان کے حق میں آپ کی رحمت کا ظہور کس طرح ہو گا اسی طرح جن مومنین کی بعد سزا کے مغفرت ہو گی ان کے حق میں آپ کی رحمت کیا ظاہر ہو گی۔

اس کے جواب کے لئے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے اس کے سمجھنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور کفار کے حق میں آخرت میں بھی ہو گا وہ مقدمہ یہ ہے کہ بھلا اگر کوئی شخص بڑا سخت جرم کرے جس کی سزا میں وہ بیس سال

کی سزائے قید کا مستحق ہو تو اگر حاکم اس میں سے دس سال کم کر دے تو یہ رحمت ہو گی یا نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص بہت سخت سزا کا مستحق ہو اور اس میں سے کچھ تخفیف کر دی جائے تو یہ بھی رحمت ہو گی یا نہیں ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں رحمت میں داخل ہیں۔

کفار کے حق میں رحمت

اب سمجھئے کہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن گنہگار مسلمانوں کے لئے جو کہ جہنم میں جائیں گے سفارش فرمائیں گے اگر یہ شفاعت نہ ہوتی تو ان کی میعاد اور زیادہ ہوتی تو میعاد کی کمی یہ رحمت ہوئی کوئی ہزار برس کے عتاب کا مستحق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے اس میں کمی کر دی جائے مثلاً پانچ سو برس کے بعد وہ جہنم سے نکال دیا جائے تو رحمت ہونا اس کا ظاہر ہے اور کفار کے حق میں یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میعاد میں کمی کر دی جائے عذاب تو ان کو ابدالآباد تک ہو گا مگر بقول شیخ عبدالحق محدثؒ جو عنقریب آتا ہے عذاب میں تخفیف کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تخفیف عذاب کا ذکر تو صحاح میں بھی آتا ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کو کچھ آپ کی خدمت سے نفع بھی ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب سر سے پاؤں تک آگ میں غرق ہوتے مگر میری وجہ سے یہ ہوا کہ ان کو صرف دو جوتیاں آگ کی پہنائی جائیں گی جس سے ان کا بھیجا مثل ہانڈی کے پکے گا اور اس پر بھی وہ یہ سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ عذاب کسی کو نہیں۔ ابولہب کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے کہ چونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کی خوشی میں بشارت لانے والی باندی کو آزاد کر دیا تھا ہر پیر کے دن ذرا سا ٹھنڈا پانی پینے کو مل جاتا ہے باقی عام کفار کے حق میں تخفیف کی شافعت مجھے کسی حدیث سے تو نہیں معلوم ہوئی مگر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی ایک کتاب اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت دس طرح کی ہو گی ان میں ایک شفاعت یہ بھی ہو گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام کفار کے لئے شفاعت فرمائیں گے کہ یہ لوگ جس سخت عذاب کے مستحق ہیں اس میں کچھ کمی کر دی جائے۔ چنانچہ آپ کی برکت سے ان کے عذاب میں کمی کر دی جائے گی گو کم ہونے کے بعد بھی وہ اس قدر سخت ہو گا کہ وہ اس کو بھی بہت سمجھیں گے خدا محفوظ رکھے وہاں کا تو ذرا سا عذاب بھی ایسا ہو گا کہ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ مجھ سے زیادہ کسی کو

عذاب نہیں۔

شفاعت کی دس قسمیں

چنانچہ ابو طالب کو حالانکہ بہت ہی کم عذاب ہو گا مگر وہ یہی سمجھیں گے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو بھی عذاب نہیں تو گو کفار کو اس کمی کا احساس نہ ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو رحمت ہونے میں شک نہیں رہا۔ آپ کی رحمت تو ان کے ساتھ بھی پائی گئی اور چونکہ شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں اس لئے انہوں نے جو یہ دس قسمیں شفاعت کی لکھی ہیں کسی حدیث ہی سے معلوم کر کے لکھی ہوں گی گو ہم کو وہ حدیث نہیں ملی مگر چونکہ شیخ کی نظر حدیث میں بہت وسیع ہے اس لئے ان کا یہ قول قابل تسلیم ہے اور ایک ضروری بات اس وقت یاد آئی کہ جیسا کفار کو عذاب کی کمی کا احساس نہ ہو گا اسی طرح جنتیوں کو اپنے درجہ کی کمی کا احساس نہ ہو گا حالانکہ وہاں مدارج بہت مختلف ہوں گے کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ مگر ہر شخص یہی سمجھے گا کہ میرے پاس جس قدر نعمتیں ہیں اتنی کسی کے پاس نہیں ہیں اور شیخ کے اس قول پر یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ یہ نص کے خلاف ہے قرآن میں تو کفار کے بارہ میں ارشاد ہے لا یخفف عنھم العذاب ولا ھم ینظرون (نہ ہلکا کیا جاوے گا ان سے عذاب اور وہ نہ ڈھیل دیے جائیں گے) کہ کفار سے عذاب کم نہ کیا جائے گا۔ اور شیخ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے حق میں بھی تخفیف عذاب کی شفاعت فرمائیں گے دونوں میں تعارض ہو گیا بات یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جس قدر عذاب آخر میں ان کے لئے طے ہو جائے گا پھر اس سے کمی نہ کی جائے گی اور یہ اس لئے ارشاد فرمایا گیا تاکہ کوئی آخرت کے عذاب کو دنیا کے عذاب پر قیاس نہ کرے کہ جس طرح دنیا کی آگ کا قاعدہ ہے کہ پہلے پہل بہت تیزی کے ساتھ بھڑکتی ہے پھر کم ہوتے ہوتے ٹھنڈی ہو جاتی ہے ایسی ہی جہنم کی آگ بھی ہو گی کہ رفتہ رفتہ ہزار دو ہزار سال کے بعد اس کی تیزی کم ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہاں کی آگ ایسی نہیں جیسی اول دن تیز ہو گی ہمیشہ ویسی ہی رہے گی۔ اور یہ مطلب نہیں ہے کہ جس عذاب کے وہ قانوناً مستحق ہوں گے اس میں کسی کی شفاعت سے بھی کمی نہ ہو گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس قدر عذاب ان کے لئے طے ہو کر قرار پا جائے گا وہ ہمیشہ ایک حال پر رہے گا۔ زمانہ دراز گذر جانے سے اس میں کمی واقع نہ ہو گی واللہ اعلم تو نفی اس تخفیف کی ہے اور اگر کوئی اس تخفیف کی نفی پر یہ شبہ کرے کہ زمانہ دراز

گذر جانے کے بعد اگرچہ عذاب کم نہ ہوگا مگر ان کا بدن تو سن ہو جائے گا تو ان کو عذاب محسوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ بدن جب ایک کیفیت کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا احساس نہیں ہوتا جیسا کہ آج کل بعض جنٹل مین انگریزوں کی تقلید سے سخت سردی میں بھی ننگے سر رہتے ہیں مجھے بڑی حیرت تھی کہ یہ لوگ ننگے سر کس طرح رہتے ہیں ان کو تکلیف ہوتی ہے پھر بدن سن ہو جاتا ہے سردی کا احساس ہی نہیں ہوتا تب سمجھ میں آیا کہ واقعی یہی ہوگا۔

انگریزوں کی تقلید

اس انگریزی تقلید پر بطور جملہ معترضہ کے ایک مضمون ذہن میں آگیا کہ گو یہ لوگ قصد کرتے ہیں تقلید کا مگر تقلید بھی نصیب نہیں ہوتی کیونکہ دونوں کے فعل کی وجہ الگ الگ ہیں چنانچہ انگریز لوگ ننگے سر رہنے کو شوقیا اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ سخت سرد ملک کے رہنے والے ہیں ان کو ہندوستان کی سردی زیادہ نہیں ستاتی علاوہ ازیں وہ لوگ غذائیں بہت گرم کھاتے رہتے ہیں اس لئے وہ اگر ننگے سر رہیں تو کچھ تعجب نہیں۔ مگر جو لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں ان کے لئے تو یہاں کی سردی بھی بہت کچھ ہے وہ خواہ مخواہ ان کی نقل کرتے ہیں۔

ایک شخص بیان کرتے تھے کہ ان کے ساتھ ریل میں ایک جنٹل مین سوار تھے جو بوجہ کم وسعتی کے گبرون کا کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور ساتھ میں نہ رضائی نہ چادر اور سردی کا سخت موسم ایک اسٹیشن پر کسی انگریز نے برف منگا کر پیا جنٹل مین صاحب کو بھی تقلید سوجھی آپ نے بھی برف والے سے برف خرید کر پیا۔ انگریز لوگ تو چونکہ گرم غذاؤں کے عادی ہیں ان کو تو سردی کے موسم میں برف پینے سے تکلیف نہیں ہوتی اور وہ لوگ شراب بھی پیتے ہیں مگر جنٹل مین صاحب کی تو برف پی کر یہ حالت ہوئی کہ سر سے پیر تک لگے تھر تھر کانپنے وہ شخص بیان کرتے تھے کہ جب وہ بہت ہی کانپنے لگے تو میں نے اپنی رضائی ان کو اڑھائی جب ذرا ان کی کانپنی بند ہوئی اس وقت ان کو معلوم ہوا ہوگا کہ رضائی کمبل وغیرہ ساتھ لینے میں یہ راحت ہے۔

اسی طرح گرمی کے زمانہ میں یہ لوگ لوٹہ وغیرہ تک ساتھ رکھنے کو بد تہذیبی

سمجھتے ہیں ایک بزرگ جو کہ کالج بہاولپور میں پروفیسر ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ گرمی کے زمانہ میں میرا بہاولپور سے سفر ہوا میرے ساتھ ٹھنڈے پانی کی صراحی وغیرہ بھی تھی کیونکہ سفر لمبا تھا راستہ میں پانی کہیں ملتا ہے کہیں نہیں ملتا اسی گاڑی میں ایک جنٹل مین بھی سوار تھے صراحی وغیرہ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ کیا بھنگیوں کا سا برتن لیا ہے میں نے کچھ جواب نہ دیا اور ایک تختہ پر لیٹ رہا وہ صاحب بھی ایک اوپر کے تختہ پر لیٹ گئے اب ان کو پیاس لگی اور شدت کی لگی' تھوڑی دیر صبر کیا آخر بے تاب ہو کر صراحی کی طرف دیکھنے لگے میں نے جب دیکھا کہ ان کا پیاس سے برا حال ہے اور صراحی پر ان کی نیت ہے مگر عار کے مارے مانگتے نہیں تو میں قصداً لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ سو گیا ہے اور پانی پی لیں۔ چنانچہ جب ان کا خیال یہ ہوا کہ میں سو گیا ہوں تو وہ صاحب تختہ پر سے اتر دبے پاؤں صراحی کے پاس آئے مگر بار بار مجھے دیکھتے بھی جاتے تھے کہ یہ کہیں جاگ نہ گیا ہو آخر کو صراحی منہ سے لگائی جب خوب پانی پی چکے اور اٹھنے لگے میں نے فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا کہ کیوں صاحب آپ نے بھنگیوں کے برتن میں سے کیوں پانی پیا ہے اب نہ پوچھئے کہ ان کا مارے ندامت کے کیا حال ہوا سیروں پانی ان کے اوپر پڑ گیا پھر میں نے خوب ہی ان کی خبر لی پھر ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ پروفیسر کالج بہاولپور ہیں تو بہت ہی معافی چاہی۔ مگر تعجب ہے کہ یہ لوگ سر کو تو کھلا رکھتے ہیں اور پیروں کی بہت حفاظت کرتے ہیں ہر وقت موزے چڑھے رہتے ہیں کسی وقت بھی نہیں اترتے خیر یہ لوگ پیر کی تعظیم کرتے ہیں اور ہم سر کی کہ عمامہ وغیرہ سے اس کی حفاظت کرتے ہیں ہم پیر کی اتنی تعظیم نہیں کرتے نہ اس کی حفاظت کرتے ہیں ہم کو تو موزے پہن کر اور زیادہ پریشان ہوتی ہے اگر کبھی سخت سردی میں پہن بھی لیتے ہیں تو جہاں ذرا گرمی ہو گئی پھر بدون نکالے چین نہیں آتی اور سر کو بدون ڈھانکے ہم کو چین نہیں آتی یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اصل مضمون یہ تھا کہ یہ بات معلوم ہو گئی کہ سردی یا گرمی کی جب عادت ہو جاتی ہے تو بدن سن ہو جاتا ہے تو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگرچہ جہنم کا عذاب ہمیشہ ایک حال پر رہے مگر بدن سن ہو جانے کے بعد جب اس کا احساس نہ ہو گا تو خود خود عذاب میں کمی ہو جائے گی تو اس تخفیف کی نفی صحیح نہ ہوئی۔ اس کا جواب حق تعالیٰ شانہ نے قرآن میں خود ارشاد فرمایا ہے۔ کلما نضجت جلودھم بدلنا ھم جلودا غیرھا۔ کہ جب ان کی ایک کھال گل جائے گی تو ہم ان کو دوسری کھال پہنا دیں گے۔ تاکہ اچھی طرح ہمیشہ عذاب کا احساس پورا ہوتا رہے تو اب یہ شبہ بھی زائل ہو گیا غرض بعد

شفاعت جس قدر عذاب ان کے لئے طے ہو جائے گا اس میں تخفیف نہ ہو گی نہ ذاتہٗ نہ حساً۔

رحمت خاصہ ورحمت عامہ رسولؐ

پس شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ کی یہ تحقیق لا یخفف عنهم العذاب (ان سے عذاب کم نہ کیا جائے گا) کے مخالف نہیں۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت ہیں یہاں تک کہ کفار کے لئے بھی رحمت ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اب تو یہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ بادشمناں نظر داری

(دوستوں کو کب محروم کرو گے جبکہ دشمنوں پر آپ کی نظر عنایت ہے) اور یہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔

نماند بعصیاں کسے در گرو   کہ دارد چنیں سید پیشرو

(وہ شخص گناہوں کی وجہ سے جہنم میں نہ رہے گا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا پیشوا اور سردار رکھتا ہو) اور۔

طوبى لنا معشر الاسلام ان لنا   من العناية ركنا غير منهدم

(مسلمانو! ہمارے لئے خوشخبری ہے کہ عنایت ربانی سے ایک ایسا مضبوط رکن جو منہدم ہونے والا نہیں ہے)

اس تمام تقریر سے رحمة للعالمين اور بالمؤ منين رؤف رحيم میں شبہ تعارض مرتفع ہو گیا پس رحمة للعالمين میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا ذکر ہے اور بالمؤمنين رؤف رحيم میں رحمت خاصہ کا جو مومنین کے ساتھ خاص ہے۔ جس کا ثمرہ ہے رضاء حق وقرب حق ونجات ابدی کہ یہ صرف مسلمانوں کے لئے ہے کفار کو اس سے حصہ نہیں ملے گا۔ اے صاحبو اس تقریر سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپؐ کو ہم ناکاروں سے کتنی محبت ہے تو اب تو طبعاً بھی آپؐ سے محبت کرنا لازم بلکہ آپ کے احسانات کا تو مقتضا یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آپ لوگوں سے محبت نہ ہوتی تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے ذمہ فرض تھی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو محسن ہیں سو محسن کے ذمہ محسن الیہ کی محبت ضرور نہیں ہوا کرتی لیکن محسن الیہ کے ذمہ محسن کی محبت بوجہ اس کے احسان کے ضروری ہوتی ہے۔ مگر باایں ہمہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو ہم سے اس قدر محبت ہے کہ آپ لوگوں کو اس قدر نہیں بلکہ ہماری محبت جس قدر بھی ہے یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت کا پرتو ہے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے محبت ہوئی پھر آپ کی کشش سے ہم کو آپ کے ساتھ محبت ہوئی چنانچہ مشہور مقولہ ہے۔

عشق اول در دل معشوق پیدا مے شود
(عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوتا ہے)

اگر از جانب معشوق نباشد کششے — طلب عاشق بیچارہ بجائے نہ رسد
(اگر معشوق کی جانب کچھ کشش نہ ہو تو بیچارہ کی طلب کمال کو نہیں پہنچ سکتی)

اور راز اس کا یہ ہے کہ محبت ہوتی ہے معرفت سے اور ہم کو آپ کی معرفت کامل نہیں اور آپ کو ہماری معرفت کامل ہے ہم نے تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ کمالات مجملاً سن لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو گئی مگر ان کمالات کی کنہ و حقیقت نہیں سمجھتے۔

وکیف یدرک فی الدنیا حقیقته — قوم نیام تسلوا عنه بالحلم

یعنی وہ لوگ آپ کی کنہ حقیقت کیونکر سمجھ سکتے ہیں جو کہ خواب ہی میں زیارت سے مشرف ہونے کو تسلی کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کی کنہ و حقیقت نہ سمجھنے کا راز یہ ہے کہ کمالات حقیقت میں وجدانی ہیں اور وجدانی ادراک وجدان ہی سے ہوتا ہے اور وجدان کا حصول موقوف ہے اتصاف بالوجدانی پر پس ادراک کمالات نبوت کا متصف بالنبوۃ ہی کو ہو سکتا ہے اور ہم میں نہیں۔اس لئے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کاملہ حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ جن مقامات کو ہم نے دیکھا بھی نہیں ہم ان کی حقیقت کیونکر سمجھ سکتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری معرفت پوری طرح حاصل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری کنہ حقیقت معلوم ہے اس لئے جتنی محبت ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ساتھ اس سے کہیں زیادہ ہے۔اور اس تقریر سے یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہو گئی ہو گی کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت غیر نبی کو نہیں ہو سکتی اس لئے ہم کو مقامات انبیاء علیہم السلام میں موازنہ کرنا بھی رائے سے جائز نہیں کیونکہ جب ہم کو مقامات انبیاء علیہم السلام کی معرفت نہیں تو ہم ان کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے تو ہم سے اس میں غلطی کا واقع ہونا بعید

نہیں- شیخ ابن العربی رحمتہ اللہ علیہ باوجودیکہ امت میں بہت بڑے صاحب کشف ہیں اور کشف میں ان کا بڑا پایہ ہے مگر پھر بھی انہوں نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ مقامات انبیاء علیہم السلام میں گفتگو کرنا نہ چاہئے کیونکہ غیر نبی کو نبی کے مقامات کا علم نہیں ہو سکتا مثلاً آپ کا خوف وخشیت انبیاء علیہم السلام کے خوف وخشیت کے ساتھ محض لفظی مناسبت رکھتا ہے باقی دونوں کی حقیقت یوں تعبید ہے وہ اور چیز ہے یہ اور چیز ہے- غرض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو کما حقہ حاصل نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری معرفت پوری طرح ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی محبت ہمارے ساتھ زیادہ ہوئی یہ تو دلیل کلی سے اثبات تھا اس کے علاوہ واقعات بھی شاہد ہیں چنانچہ آپ دیکھ لیجئے اور بتایئے آپ نے کتنی راتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں بیدار رہ کر گذاری ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی سفارش کے لئے ایک ایک آیت میں صبح کر دی چنانچہ آپ ایک مرتبہ رات کو تہجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے- جب اس آیت پر پہنچے ان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك انت العزیز الحکیم (اگر آپ ان کو عذاب دیں آپ کے بندے ہیں اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ غالب اور حکمت والے ہیں) تو امت کو یاد کر کے بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے یہاں تک صبح ہو گئی- اللہ اکبر امت کا کس قدر خیال تھا بتلایئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فاقہ کو یاد کر کے کتنے فاقے کئے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر فقط آپ کی خاطر فاقہ سے گذار دی شاید کوئی یہ کہے کہ ہماری خاطر کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روپیہ پیسہ ملتا ہی نہ ہو گا جو آپ نے فاقہ سے زندگی بسر کی میں کہتا ہوں کہ یہ بات غلط ہے کہ آپ کو ملتا نہ تھا حق تعالیٰ شانہ کے حکم سے ملائکہ نے حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کے لئے پہاڑوں کو سونا بنا دیا جائے اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا کریں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ الٰہی میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر کھایا کروں تو آپ کا شکریہ ادا کروں دوسرے روز بھوکا رہوں تو صبر کروں تو یہ فاقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اختیار فرمایا یہ نہ تھا کہ آپ کو دنیا نہ مل سکتی تھی اب رہی یہ بات کہ باوجود ملنے کے کیوں نہ لی سو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ دنیا کی کثرت سے کچھ آپ کو باطنی ضرر پہنچتا- جس کی وجہ سے آپ نے فاقہ اختیار کیا- دنیا مردار آپ کے دل کو کیا مشغول کر سکتی تھی جب آپ کے غلامان غلام ایسے ہوئے ہیں کہ ان کے دل کو باوجود کثرت

مال کے اس سے ذرا بھی لگاؤ نہیں ہوا نیز انبیاء علیہم السلام میں بعض نے سلطنت کی خواہش کی تھی تو کیا معاذ اللہ انہوں نے ایک مضر چیز کی درخواست کی تھی ہرگز نہیں انبیاء علیہم السلام کے دل میں دنیا کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہو سکتی تو پھر اگر آپ کے پاس مال و دولت بکثرت بھی جمع رہتا تب بھی آپ کو اس سے کچھ ضرر نہ تھا مگر پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقہ کشی کو اختیار فرمایا تو اس کی کیا وجہ تھی صرف امت کا خیال کہ اگر میں ذرا بھی دنیا کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا تو میری امت اس کو بھی سنت سمجھے گی اور میری سنت سمجھ کر مال و دولت جمع کرنے کی طرف جھک جائے گی میرے واسطے تو اگرچہ مال و دولت مضر نہیں ہو سکتا مگر امت کو اس سے ضرر پہنچے گا تو محض ہماری خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر فاقہ کی تکلیف برداشت کی حتی کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین برتن پیش کئے گئے ایک شہد کا ایک شراب کا ایک دودھ کا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا یہ بھی امت کے حال پر رحمت تھی حالانکہ اگر آپ شراب کو اختیار فرما لیتے تو چونکہ وہ دنیا کی شراب نہ تھی جنت کی شراب تھی حلال اور پاکیزہ تھی کچھ آپ کا ضرر نہ ہوتا۔ نہ آپ کو گناہ ہوتا۔ اسی طرح اگر شہد کو لے لیتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر ذرا بھی لذات کی طرف میلان فرماتے تو امت کو اس سے حصہ ملتا اور امت کے لئے وہ میلان مضر ہوتا اسی لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا تو جبریل علیہ السلام نے خوش ہو کر عرض کیا اخترت الفطرة ولو اخذت الخمر لغوت امتك یعنی آپ نے دین کو اختیار فرمایا اور اگر آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔ عالم برزخ میں دودھ دین کی صورت ہے۔ چنانچہ اگر کوئی خواب میں دودھ پیتے ہوئے یا پلاتے ہوئے دیکھے تو اس کی تعبیر دین ہو گی جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعبیر اپنے اس خواب کی ارشاد فرمائی جس میں خود دودھ نوش فرما کر بچا ہوا حضرت عمرؓ کو عطا فرمانا دیکھا تھا۔ اس کی مناسبت سے اپنا ایک خواب یاد آگیا۔

میں نے ایک بار خواب میں دیکھا کہ ایک مجمع ہے جس میں لوگوں کو چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے میرے سامنے بھی پیش ہوئی تو میں نے انکار کر دیا میں نے نہیں پی۔ جب میں بیدار ہوا تو تعبیر خود بخود دل میں یہ آئی کہ جس طرح دودھ کے معنی عالم میں دین کے ہیں چھاچھ کی تعبیر صورت دین ہے جس میں معنی نہیں سو یہ مجمع بھی عمل بالحدیث کا مدعی ہے گویا اس خواب میں یہ بتلایا گیا تھا کہ ان لوگوں میں دین کی صورت ہی صورت ہے روح دین کی

نہیں ہے۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شب معراج میں دودھ کو اختیار فرمایا اس کی برکت یہ ہوئی کہ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دین کا خیال بہت ہے۔ کاملین کے سامنے ناقصین ممکن چاہے کیسے ہی معلوم ہوتے ہوں مگر مجموعی طور پر امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیگر اقوام یہود و نصاری کے مقابلہ میں دین کے اہتمام میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ناقص بھی یہود و نصاری کے مقابلہ میں دینداری میں کامل ہیں سو دیکھا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی کیا کیا رعایتیں اور ان پر کیا کیا عنایتیں فرمائی ہیں۔ اللہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت اور یہ محبت دیکھ کر تو ہم کو بدرجہ اولی عاشق اور جان نثار ہو جانا چاہیے اور یوں کہنا چاہیے۔

گر بر سر و چشم من نشینی ناز ت بکشم کہ نازنینی

(اگر تو میرے سر اور آنکھوں پر بیٹھے تو تیرا ناز اٹھاؤں اس لئے کہ تو نازنین ہے)

بلکہ اگر آپ قتل بھی کرنا چاہیں تو زبان قال و حال سے یہ کہنا چاہیے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تلوار سے ہلاک ہو دوستوں کا سر سلامت رہے کہ ان پر آپ کا خنجر چلے)

اور ہم تو کیسے محبت نہ کریں آپ کی تو محبوبیت میں تو یہ شان ہے کہ جانوروں تک نے آپ کو سجدہ کیا ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ حجتہ الوداع میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی تو سو اونٹ نحر فرمائے تھے ایسے غریب بھی کہیں نہ دیکھے ہوں گے بات یہ ہے کہ حق تعالی شانہ' نے آپ کو بہت کچھ دیا تھا مگر آپ جمع نہیں فرماتے تھے آپ کا فقر اختیاری تھا۔ غرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج وداع میں سو اونٹ نحر فرمائے تھے۔ نحر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پیر اونٹ کا ران سے ملا کر تسمہ سے باندھ دیا جاتا ہے اور اونٹ تین پیروں پر کھڑا رہتا ہے پھر گلے کے نیچے جو گڑھا ہے اس میں برچھا مارا جاتا ہے۔ اونٹ کو اسی طرح ذبح کیا جاتا ہے اس کا ذبح اسی طرح آسان ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سو میں سے تریسٹھ اونٹ خاص اپنے دست مبارک سے ذبح کیے تھے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا حال بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ بہت ہی قوی ہاتھ تھا جو تریسٹھ اونٹ کھڑے کھڑے ذبح کر دیے۔ غرض احادیث میں یہ قصہ مذکور ہے کہ جب حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے اونٹ نحر فرمائے ہیں تو ہر اونٹ آہستہ آہستہ باوجود پیر بندھا ہوا ہونے کے آپ کی طرف بڑھتا تھا یعنی پہلے مجھے ذبح کیجئے - حدیث میں یہ لفظ ہیں کلھن یزد لفن الیہ (ہر ایک ان میں سے آپ کی طرف بڑھتا تھا - بالکل اس شعر کا مصداق تھا -

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(صحرا کے تمام ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ہے اس امید میں کہ کسی دن شکار کو آئے گا -)

پس ہم پر عقلاً نقلاً ہر طرح فرض ہوا کہ آپ سے محبت کریں اور محبت کا مقتضا ہے کثرت ذکر اور اس ذکر کی ایک بہت اچھی اور مقبول اور محبوب فرد درود شریف ہے خصوص جبکہ اس میں بھی ہمارا ہی نفع زیادہ مقصود ہو اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو درود شریف کی فضیلت بتلائی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے امت کو بہت کچھ برکات و درجات عالیہ و ثواب عطا ہوں - کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ درود تعلیم فرمانے کا نفع تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہوتا ہے کہ امت آپ کے لئے دعا کرتی ہے امت کو کیا نفع سو یہ شبہ غلط ہے کیونکہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک آقا ہے اس کے ایک لڑکا ہے جس کو وہ بہت چاہتا ہے وہ لڑکا اپنے باپ کے نوکر سے کہتا ہے کہ ابا جان سے کہدو کہ آج عید ہے ہم کو ایک روپیہ دے دیں - وہ لڑکا جانتا ہے کہ باپ کو خود میرا خیال ہے وہ عیدی کا روپیہ خود ہی دیتے مگر پھر جو نوکر کے ذریعہ سے کہلواتا ہے اس میں اس کا خود کوئی نفع نہیں بلکہ اس وساطت سے وہ نوکر آقا کی نظر میں بلند مرتبہ ہو جائے گا - کہ یہ ہمارے بیٹے سے محبت کرتا ہے - اب اگر وہ نوکر بے وقوف یہ سمجھنے لگے کہ میں بیٹے سے بھی بڑھا ہوا ہوں کہ میں نے اس کو روپیہ دلوایا ورنہ اس کو نہ ملتا - یہ اس کی حماقت ہو گی یا نہیں بلکہ اس کو تو اس وساطت سے خود ایک شرف حاصل ہو گیا - بیٹے کو تو روپیہ ملتا ہی - بلا تشبیہ اسی طرح اس جگہ سمجھئے کہ آپ کے درود پڑھنے سے جو درجات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوں گے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ آپ کی ضرورت نہیں وہ درجات تو حق تعالیٰ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرماتے ہی البتہ یہ رحمت ہے کہ ہم کو اس وساطت سے مشرف فرما دیا کہ اس واسطہ سے ہم کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قرب حاصل ہو جاتا ہے - اور میرے پاس اس دعوے کی کہ ان مراتب کا عطا فرمانا تو حق تعالیٰ کو منظور ہی تھا دلیل موجود ہے حق تعالیٰ شانہ نے جس آیت میں

ہم کو درود شریف کا امر فرمایا ہے۔

صیغہ تجدد

اس میں امر سے پہلے یہ ارشاد فرمایا ہے ان اللہ و ملئکۃ یصلون علی النبی حق تعالی اور ملائکہ علیہم السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں یصلون علی النبی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں) صیغہ تجدد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالی شانہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں چاہے کوئی درود بھیجے یا نہ بھیجے اور ظاہر ہے کہ حق تعالی سے بڑھ کر کس کا درود ہو سکتا ہے اور حق تعالی ہمیشہ درود نازل فرماتے رہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو درجات عالیہ عطا ہونے والے ہیں وہ تو حق تعالی خود ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہی عطا فرمائیں گے اگر تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود پڑھو گے تو اس سے تم کو بھی نفع ہو گا باقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور درود شریف میں علاوہ اس کے کہ وہ ایک ذکر ہے جو مقتضا محبت کا ہے اور بھی فضائل ہیں۔

فضائل درود شریف

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں من صلی علی واحدا صلی اللہ علیہ عشرا جو میرے اوپر ایک بار درود بھیجے گا حق تعالی اس پر دس بار درود بھیجیں گے ایک فائدہ درود میں بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے دوسرے طرق کے یہ ہے کہ ذکر بسیط ہے اور ذکر بسیط متفرق اذکار سے زیادہ سہل و دلچسپ ہوتا ہے۔ پھر اس میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ذکر اللہ بھی ہے اور ذکر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی کیونکہ درود شریف میں اللہ کا نام بھی ضرور ہوتا ہے تو خلوت میں اس سے زیادہ دلچسپ ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی طریقہ نہیں۔ البتہ جلوت میں اگر مجمع مشتاق ہو تو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اخلاق وغیرہ کا بھی ذکر کر دیا جائے یہ ذکر ولادت سے بھی افضل ہے کیونکہ ولادت بھی تو اسی کے واسطے ہوئی تھی یہ کمالات مقصود بالولادت ہیں ان کا ذکر اس کے ذکر سے افضل ہو گا درود کی اور فضیلت بھی آئی ہے چنانچہ ایک صحابی نے چند اوراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے کہ میں چند وظائف پڑھتا ہوں جن میں درود شریف ربع کے قریب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لو زدت لکان خیراً لک (اگر اس سے زیادہ کرتا

تو تیرے لئے یہ بہتر تھا) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصف کے قریب درود شریف پڑھا کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ اگر اور بڑھاؤ گے تو بہتر ہوگا یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا کہ میں سارا وظیفہ درود شریف ہی کا رکھوں گا اور کچھ نہ پڑھوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا یکفی ھمک ویغفر ذنبک کہ اگر ایسا کروگے تو تمہارا تمام فکر دور ہو جائے گا اور گناہ بخش دیے جائیں گے۔

ارشاد حضرت ذوالنون مصریؒ

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ ایسا ہی کریں کہ تمام اوراد چھوڑ کر درود شریف ہی کا وظیفہ اختیار کرلیں اس کے بارہ میں ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ بہت عمدہ ہے ان سے پوچھا گیا کہ استغفار افضل ہے یا درود شریف انہوں نے فرمایا کہ اجلے کپڑوں میں تو عطر اچھا ہوا کرتا ہے اور میلے کپڑوں میں صابن غرض ہر ایک کی حالت کا جدا مقتضا ہے۔ اس لئے کوئی یہ نہ کرے کہ تمام اوراد چھوڑ دے اور صرف درود شریف کو اختیار کرلے یہ اپنے شیخ سے پوچھ کر کرنا چاہیے۔

زیارت روضہ اقدسؐ کی فضیلت

ایک حق آپ کی محبت کا یہ ہے کہ قبر شریف کی زیارت سے مشرف ہو خصوص جو حالت حیات میں زیارت سے مشرف نہیں ہوئے وہ روضہ اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے برکات حاصل کرلیں۔ کہ وہ برکات اگرچہ زیارت حیات کے برکات جیسے بالکل نہ ہوں مگر ان کے قریب قریب ضرور ہیں حدیث میں ارشاد موجود ہے من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی جس شخص نے میرے مرنے کے بعد زیارت میری قبر کی کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خود بھی قابل توجہ ہے اگر آپ کا تعلق صرف مبلغ ہی ہونے کی حیثیت سے ہوتا تو زیارت قبر مسنون نہ ہوتی کیونکہ اس وقت تبلیغ کہاں ہے افسوس کہ بعض لوگ ایسے خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ناجواز کے قائل ہیں۔

کانپور میں ایک مرتبہ ایک مترجم اربعین حدیث میں بچوں کا امتحان تھا جلسہ امتحان میں ایسے ہی ایک شخص تھے جو کہ زیارت قبر شریف کو ناجائز سمجھتے تھے ایک بچہ کا امتحان

شروع ہوا اس نے اتفاق سے یہ حدیث پڑھی من حج ولم یزرنی فقد جفانی فرمایا ہے تو یہ آپ کی حالت حیات کے ساتھ خاص ہے بعد وفات زیارت ثابت نہیں طالب علم چپ تھا اشکال سمجھا بھی نہیں نہ اس کو جواب معلوم تھا وہ سادگی سے آگے بڑھنے لگا۔ خدا کی شان آگے جو حدیث موجود تھی وہ اس اعتراض ہی کا جواب تھی آگے یہ حدیث تھی کہ من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی (جس نے میرے مرنے کے بعد زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی) جتنے علماء اس وقت موجود تھے سب نے ان صاحب سے کہا لیجئے حضرت آپ کے اعتراض کا جواب منجانب اللہ ہو گیا۔ بس خاموش رہ گئے بعضے لوگ زیارت قبر شریف پر ایک شبہ کرتے ہیں کہ اب تو قبر کی بھی زیارت نہیں ہوتی کیونکہ قبر شریف نظر نہیں آتی اس کے گرد پتھر کی دیوار قائم ہے جس کا دروازہ بھی نہیں یہ عجب لغو اشکال ہے میں کہتا ہوں کہ اگر زیارت قبر کے لئے قبر کا دیکھنا ضروری ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے بھی یہ شرط ہو گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جائے حالانکہ بعض صحابہ نابینا تھے عبداللہ بن ام مکتوم صحابی ہیں یا نہیں۔ مستورات کے بارے میں کیا کہو گے جس طرح صحابیت کے لئے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی حکمی زیارت کو کیوں نہ کافی مانا جائے گا۔ یعنی ایسی جگہ پہنچ جانا کہ اگر کوئی حائل نہ ہو تو قبر شریف کو دیکھ لیتے یہ بھی حکماً زیارت قبر شریف ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے ایک قول کا مفہوم

تیسرا شبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے کرتے ہیں کہ امام مالک کا قول ہے یکرہ قول الرجل زرت قبر النبی علیہ السلام یعنی امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات کہنی مکروہ ہے کہ میں نے قبر شریف کی زیارت کی تو جب زیارت قبر کا قول تک مکروہ ہے تو فعل زیارت تو کیسے مکروہ نہ ہو گا۔ جواب یہ ہے کہ امام مالک کا یہ قول اول تو ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو ان کا یہ مطلب نہیں جو تم کہتے ہو ورنہ ان کو اس قدر پھیر پھار کی کیا ضرورت تھی وہ صاف یہی نہ فرماتے کہ یکرہ زیارۃ قبر النبی علیہ السلام (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت مکروہ ہے) یہ قول کی کراہت بیان کرنا اس سے زیارت کی کراہت نکالنا اس تکلف کی ان کو کیا ضرورت تھی بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے زیارت کرنے والے کو یہ نہ کہنا

چاہیے کہ میں نے قبر کی زیارت کی کیونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں- غرض دنیا میں ایسے بھی خشک مذاق موجود ہیں جن کو زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا اس کو حرام کر کے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں ان سے پوچھو کہ کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں-

حکایت حضرت شیخ احمد کبیر رفاعی

بس اب بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہوگا- سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ جب وہ مزار شریف پر حاضر ہوئے عرض کیا السلام علیك یا جدی (دادا صاحب السلام علیک) جواب ہوا وعلیك السلام یا ولدی (بیٹا! وعلیک السلام) اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے-

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها
تقبل الارض عنی وھی نائبتی
فھذہ دولة الاشباح قد حضرت
فامد یمینك کی تحظی بھا شفتی

(یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا اب جسم کی باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تاکہ میں اس کو بوسہ دوں)

بس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا باہر نکلا انہوں نے بے ساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے-

ایک بزرگ سے جو کہ اس واقعہ میں حاضر تھے کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس وقت کچھ رشک ہوا تھا- فرمایا ہم تو کیا تھے اس وقت ملائکہ کو رشک تھا- تتمہ قصہ کا یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ لوگ مجھ کو نظر قبول سے دیکھ رہے ہیں آپ اٹھ کر ایک دروازہ میں جا پڑے اور حاضرین کو قسم دے کر کہا کہ سب میرے اوپر سے گزریں چنانچہ عوام تو گزرنے لگے اور اہل بصیرت دوسرے راستہ سے نکلے سبحان اللہ کیا نوازش ہے-

رؤف الرحیم کا معنی

اب اس بیان کو ایک نکتہ پر ختم کرتا ہوں کہ اس آیت میں جو حق تعالیٰ شانہ' نے رؤف الرحیم دو لفظ ارشاد فرمائے اس میں کیا نکتہ ہے مجھ کو اس وقت لغت سے رجوع کرنے کا موقعہ نہیں ملا کیونکہ وعظ کا ہونا جمعہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے راستہ ہی میں طے ہوا پہلے سے خیال ہوتا تو میں کتب لغت دیکھ کر آتا مگر جو بات اس وقت ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ رؤف کا مصدر ہے رافت جس کے معنی ہیں شدت رحمت اور شدت ایک کیفیت ہے تو اس میں مبالغہ کیفاً ہے اور رحیم میں بھی مبالغہ ہے اور بوجہ تقابل کے شاید اس میں مبالغہ ہو کماً پس مجموعہ کا حاصل یہ ہوا کہ آپ کی رحمت کیفاً بھی زیادہ ہے اور کماً بھی اب دعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ شانہ ہم کو ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی توفیق دیں اور آپ کی محبت واطاعت و تعظیم ہی میں وفات دیں اور قیامت میں آپ کا قرب نصیب ہو آمین۔

التماس جامع

اس وعظ کے جلد صاف کر دینے کا اکثر احباب کو بہت تقاضا تھا اور واقعی یہ انمول جواہر جو اس وعظ میں ہیں ایسے ہی اشتیاق کے قابل ہیں مگر کیا کہوں تعلیم کی مشغولی کی وجہ سے بہت دیر ہو گئی تاہم بحمد اللہ بہت جلد صاف ہو گیا۔ احباب سے تاخیر کی تکلیف کی معافی چاہتا ہوں اور اللہ واسطے درخواست کرتا ہوں کہ جو صاحب اس سے منتفع ہوں میرے واسطے بھی دعائے خیر فرمائیں کہ حق تعالیٰ اپنی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کامل اور اتباع کامل عطا فرمائیں اور بیت اللہ و بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بعافیت تامہ ظاہریہ وباطنیہ نصیب ہو۔ آمین

یا رب العالمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وعلی الہ و اصحابہ وامتہ عدد خلقہ و رضی نفسہ و مداد کلماتہ صلوٰۃ لاغایۃ لہا و لا انتہا ولا امدلہا و لا انقضاء صلوۃ تدوم بدوامک و تبقی ببقائک صلوۃ ترضیک و ترضیہ و ترضی بہا عنا یارب العالمین امین۔

الحبور لنور الصدور

دل کے نور کی وجہ سے عزت و اکرام

جامع مسجد [illegible] میں ۳۰ ربیع الاول ۱۴۳۳ ہجری کو بعد از [illegible]

تقریباً ۲۰ منٹ تک بیان فرمایا۔ ۱۰ ربیع الاول [illegible] کے [illegible]

ایک ساتھی نے ریکارڈنگ سے [illegible] صاحب نے اسے تحریر کیا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ومولانا محمد اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم- امابعد فاعوذ با اللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون فا ماالذین اٰمنوا وعملوا الصلحت فھم فی روضۃ یحبرون و اما الذین کفروا وکذبو بایتنا ولقاء الاخرۃ فاولئک فی العذاب محضرون-

یہ آیتیں جو میں نے پڑھی ہیں ان میں الفاظ کا مدلول تو صرف اعمال صالحہ و عقائد صالحہ کا ثمرہ ثواب جنت ہونا اور اعمال غیر صالحہ و عقائد باطلہ کا ثمرہ عذاب جہنم ہونا ہے اور عجب نہیں کہ سننے والے اس ظاہری مدلول سے یہی سمجھے بھی ہوں گے کہ اس وقت مقصود اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال غیر صالحہ سے ترہیب کا بیان کرنا ہے ایک حد تک یہ بات صحیح ہے مگر مجھے اس وقت اس پر اکتفا کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کے ساتھ اور دوسری باتیں اور بعض خاص مسائل بھی بیان کرنا مد نظر ہیں- جن کی وجہ خصوصیت ایام ہے-

یہ بات اکثر احباب کو معلوم ہے کہ ان ہی ایام ربیع الاول میں کبھی تو ربیع الاول سے پہلے اور کبھی خاص اسی مہینے میں چند سالوں سے میرا یہ معمول ہو گیا ہے کہ ان اعمال و عقائد کی بابت کچھ بیان کیا کرتا ہوں جو ان ایام میں اکثر لوگ آج کل کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مقصد میں چند وعظ النور الظہور وغیرہ شائع بھی ہو چکے ہیں پار سال بھی ایک مضمون السرور کے نام سے بیان ہوا تھا۔ اس وقت آئندہ سال کے لئے یہ نیت تھی کہ اس مضمون کو بعنوان دیگر بیان کر دیا جاوے گا مگر بزرگوں کا مقولہ ہے عرفت ربی بفسخ العزائم یہ نیت بعد میں بدل گئی۔ چونکہ مضامین جدیدہ ذہن میں تھے نہیں اور اعادہ کو جی نہ چاہا اس لئے ارادہ امسال فسخ ہو

چکا تھا- چنانچہ مہینہ ختم ہونے کو بھی آگیا اور اب تک اسی لئے کہ مضمون جدید ذہن میں نہ تھا کوئی بیان ان امور مروجہ کے متعلق نہیں ہوا مگر حق تعالیٰ کی قدرت ہے کہ اس ارادہ کا پھر حشر ہوا چونکہ وہ ارادہ پہلے موجود ہوا تھا پھر فنا ہو گیا پھر اب موجود ہے اسی لئے یہ گویا اس کا حشر ہوا حشر کے معنے ہیں مردہ کا زندہ ہو جانا- یہ مضمون اگرچہ پہلے ہفتہ میں ذہن میں آچکا تھا مگر اس وقت ایک دوسرے مضمون کو مقدم کرنا مناسب معلوم ہوا وہ یہ کہ اس وقت قحط سالی کی عام طور پر شکایت ہو رہی ہے تو اس میں بتلایا گیا تھا کہ اس کا اصلی سبب کیا ہے پھر یہ خیال ہوا کہ جس طرح اس ارض ظاہری کی حیات کا سبب بیان کیا گیا ہے تو ارض باطنی جو کہ قلب ہے اس کی حیات کا طریقہ اور راز بھی کیوں نہ بیان کیا جائے- ان دونوں مضامین کو پہلے ہفتہ میں الگ الگ بیان کر کے مجموعہ کا نام اساس الربیعین رکھ دیا گیا اور چونکہ وہ دونوں مضامین مستقل تھے اس لئے ہر ایک ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ لقب حیات الجدوب و حیات القلوب بھی مقرر کر دیا- لفظ جدوب کے معنے میں نے لغت میں تلاش کئے تو جدب کی جمع معلوم ہوئی جس کے معنے قحط کے ہیں- جیسے قلوب قلب کی جمع ہے- اب چونکہ وہ مضمون جس کا مقدم کرنا مناسب تھا بیان ہو چکا تو اس ہفتہ میں اس معمول کو پورا کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ مانع بھی مرتفع ہو گیا اس لئے اس سال بھی اس معمول کو پورا کیا گیا اور اس کا نام پارسال ہی ذہن میں الحبور آچکا تھا-

حضورؐ کی بعثت کی اصل غایت ایمان اور اعمال صالحہ

اس میں یہ بیان کیا جاوے گا کہ ایمان اور اعمال صالحہ آپ کی بعثت کی اصل غایت ہے جس کا ثمرہ جنت کی راحت ہے' لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قابل فرح در اصل اس لئے ہے کہ آپ کی بدولت اعمال صالحہ اور ایمان کی نعمت ہم کو نصیب ہوئی یہ مضمون تو گذشتہ مضامین کی مانند ہے جو آیت کے دو جملوں سے سمجھ میں آگیا ہو گا- اگرچہ اس کی تفصیل بہت کچھ کی جا سکتی ہے- مگر اس وقت کا بیان زیادہ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس کے ساتھ ایک دوسرا مضمون بھی ذہن میں آگیا جو زیادہ تر اس وعظ میں مذکور ہو گا- اور پہلا مضمون بقدر ضرورت و اختصار ذکر ہو گا- زیادہ حصہ دوسرے ہی مضمون کا ہو گا اور وہ مضمون ہر سال ذہن میں آتا تھا مگر بیان سے رہ رہ جاتا تھا کیونکہ ہمیشہ بعد وقت گذر جانے کے اس کا خیال آتا تھا اب بھی وہ مضمون وقت کے بعد ہی ذہن میں آیا کیونکہ مہینہ بالکل قریب ختم آگیا

ہے اور اس ضرورت کا موقع لوائل ماہ ہے مگر اس سال پھر بھی اس کو بیان کرنا ضروری معلوم ہوا تاکہ رونہ جاوے اور آئندہ ایسے ہی موقع پر کام آوے اور وہ مضمون تبرکات کا ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس لئے تعلق ظاہر ہے کہ آپ تمام تبرکات کے سردار اور سب کی اصل ہیں اور اسی لئے اس وقت صرف ان ہی تبرکات کا بیان نہ ہوگا جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تعلق ہے بلکہ عموماً تمام تبرکات کے متعلق بیان کیا جاوے گا خواہ وہ تبرکات انبیا کے ہوں یا تبرکات اولیا کے۔ خصوصیت وقت و مقام یہ ہے کہ ہمارے قصبہ کے قریب ایک تبرک بھی موجود ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ کا بیان

اور وہ جبہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی سند مثل احادیث صحیح کے تو متصل نہیں مگر ہمارے بزرگوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور جی کو بھی یہ بات لگتی ہے کہ وہ تبرک ہے اور اس کی زیارت اسی ماہ ربیع الاول میں ہوتی ہے اس لئے اس ماہ سے بھی اس مضمون کو تعلق ہے مگر چونکہ ہم لوگ عرس وغیرہ کرتے نہیں اس لئے مثل اہل عرس کے کبھی وقت پر یہ مضمون خیال میں نہ آیا کیونکہ آج کل ایک جماعت درویشوں کی ہے جو صرف عرسوں ہی میں شریک ہونے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جس وقت دیکھئے ان کا بستر کسی نہ کسی عرس کے لئے بندھا رہتا ہے اور یہ ان کے نزدیک بڑا سرمایہ آخرت ہے۔ یہ اللہ کے بندے گھبراتے بھی تو نہیں نہ معلوم روز کے روز ان سے سفر کس طرح ہوتا ہے ہمیں تو ذرا سے دور کے سفر سے بھی پریشانی ہوتی ہے اب یا تو اس کی یہ وجہ ہے کہ وہ لوگ بڑے باہمت ہیں اور ہم لوگ کم ہمت ہیں یا یہ کہ وہ لوگ نکمے ہیں اور ہم لوگ کام کے ہیں خیر وہ اپنے آپ کو باہمت سمجھتے رہیں اور ہم لوگ اپنے کو باکار سمجھتے رہیں۔ غرض ایسے لوگوں کو عرسوں کی تاریخیں خوب یاد رہتی ہیں مگر ہم لوگوں کو اس واسطے یاد نہیں رہتیں کہ اس کا ہمارے یہاں کسی قسم کا چرچا نہیں ہوتا نیز زیادہ چرچا ان باتوں کا بچوں سے بھی ہوا کرتا ہے۔ ہمارے یہاں ان باتوں کے لئے مدرسہ میں بچوں کو تعطیل ہی نہیں ہوتی اور نہ طلبہ کو اس میں شریک ہونے کی اجازت ہے بلکہ سخت ممانعت ہے ان وجوہ سے اس مرتبہ بھی یہ مضمون وقت پر ذہن میں نہیں آیا۔ اس وقت اس کا خیال آیا مگر احکام شرعیہ کے لئے وقت ہی کیا جب یاد آجاوے وہی وقت ہے اور چونکہ یہ مضمون اخیر وقت میں ذہن میں آیا اس لئے ایک دوسرا مضمون بھی اس کے ساتھ بیان کرنا

مناسب ہو گیا- یہ دن چونکہ ربیع الاول و ربیع الثانی کے وسط میں ہے کہ یا تو آج ربیع الاول کی تیس تاریخ ہے یا ربیع الثانی کی پہلی ہے اس لئے ربیع الثانی کے متعلق گیارہویں کا مضمون بھی ذہن میں آ گیا-

تو اب اس وعظ کے بھی دو جزو ہو جائیں گے - ایک جزو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کے متعلق جو کہ اصل ہے دوسرا گیارہویں اور تبرکات کے متعلق یہ سب مضامین الگ الگ بیان کروں گا ہر چند کہ ان تینوں جزووں کے متعلق جو مضامین ہیں اس کے لئے ایک حدیث ذہن میں ہے جس کا تعلق اس مضمون سے بے تکلف واضح طور پر ہے اور سارا بیان قریب قریب اسی حدیث پر متفرع ہو گا چونکہ آیت شریف اول ذہن میں آ چکی تھی اس لئے اس کے چھوڑنے کو جی نہ چاہا نیز وہ حدیث اس آیت کی شرح ہے اس لئے آیت کو حدیث کی اصل قرار دیا گیا اور حدیث کو تمام وعظ کی اصل بس حدیث آیت پر متفرع ہے اور وعظ حدیث کی فرع ہے اس طرح اس بیان کو حدیث اور آیت دونوں سے تعلق ہو گا- اول آپ آیت کا مطلب سنئے حق تعالیٰ شانہ اس مقام پر قیامت کا ذکر فرما رہے ہیں- یوم تقوم الساعۃ یبلس المجرمون ولم یکن لھم من شرکائھم شفعاء وکانوا بشرکائھم کفرین ویوم تقوم الساعتہ یومئذ یتفرقون جس دن قیامت ہو گی اس دن مجرم ناامید ہوں گے پھر ایک آیت کے بعد یوم تقوم الساعتہ کا اعادہ فرماتے ہیں ویوم تقوم الساعتہ یومئذ یتفرقون جس دن قیامت قائم ہو گی اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے اس لفظ کے اعادہ میں نکتہ زیادت تہویل ہے چنانچہ اردو محاورہ میں بھی ایسے موقع پر اسی طرح کلام کیا جاتا ہے کہ فلاں روز یوں واقعہ ہوا- اس روز اس طرح حادثہ پیش آیا- اس روز کے لفظ کو بار بار اعادہ کرتے ہیں نیز اس طرز کلام سے حق تعالیٰ شانہ کی رحمت صاف صاف ٹپکتی ہے کہ جس روز کے ساتھ قیامت کے متعلق کفار کا حال ابلاس بیان فرمایا عین اسی بیان ابلاس میں جو کہ ظاہرا اس کے مقابل کی طرف توجہ کے ضعف کا سبب متوہم ہوتا تھا اسی روز کے ساتھ مومنوں کی حالت بھی بیان فرمائی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت سے لوگ رحمت خداوندی سے مایوس ہو جاتے- کیونکہ جن کو حق تعالیٰ نے اپنے کلام کا فہم اور اثر عطا فرمایا ہے جب وہ نہایت بلاغت و فصاحت اور شدومد کے ساتھ یہ مضامین وعید و تہدید کے کفار کی بابت سنتے تو ان پر غلبہ خوف کی وجہ سے وہی حالت طاری ہو جاتی جو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کے اثر میں بیان فرمائی ہے لوانزلنا ھذا القرآن علی جبل

لرایته خاشعاً متصدعاً من خشیة اللہ کہ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل
کرتے تو تم اس کو اللہ کے خوف سے پست اور پھٹنے والا دیکھتے اگر قرآن میں وعید کے ساتھ
ساتھ بشارت نہ ہوتی تو بہت سے قلوب مارے خوف کے شکستہ ہو جاتے سو اس طرز سے حق
تعالیٰ شانہ نے یہ ظاہر فرمادیا کہ ہم کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ غصہ کے وقت رحمت نہ ہو سکے
جیسا کہ انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ غصہ کے وقت اگر کوئی دوست سامنے آجائے تو اس
سے بھی اسی سختی کے لہجہ میں گفتگو کی جاتی ہے۔ انسان سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عین
شدت غضب میں اگر کوئی دوست سامنے سے آجائے تو لہجہ بالکل بدل جائے اور دل میں
سکون ہو جائے۔ چہرہ کی حالت بالکل بدل جائے جس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اوپر جب کوئی
حالت طاری ہوتی ہے تو ہم اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں اگر اس وقت دوسری حالت کے
اسباب پیدا بھی ہو جائیں تو دفعۃً حالت کا بدلنا قریب قریب محال ہے تو شاید کوئی شخص آیات
وعید کو شدومد کے ساتھ حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے کی غلطی قرآن میں دیکھ کر خدا
تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگتا کہ ایسے غصہ کے وقت اگر کسی مطیع بندے کا خیال آگیا تو
کہیں اس پر بھی سختی نہ ہونے لگے کیونکہ لوگوں نے ہمیشہ حق تعالیٰ شانہ کو اپنے اوپر قیاس کیا
ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں تین شخصوں کا واقعہ آتا ہے کہ وہ تینوں اس بات میں مشورہ
کرنے بیٹھے کہ حق تعالیٰ ہماری باتوں کو سنتے ہیں یا نہیں۔

ایک اور صاحب بولے کہ جب ہم زور سے بولتے ہیں تو سنتے ہیں آہستہ بولتے ہیں
تو نہیں سنتے۔ دوسرے صاحب بولے کہ نہ زور سے بولنے میں سنتے ہیں نہ آہستہ بولنے میں
سمجھے کہ جس قدر بعد ہے اس نسبت سے آواز بلند نہیں ہے۔ تیسرے صاحب بولے جو ان
میں ذرا عقلمند اور بوجھ بجھکڑ تھے کہ اگر سنتے ہیں تو ہر طرح کی بات سنتے ہیں آہستہ کی بھی اور زور
کی بھی اور جو نہیں سنتے تو کوئی سی بھی نہیں سنتے اسلئے کہ حق تعالیٰ سے ہم اس قدر دور ہیں کہ اتنی
دوری میں زور کی آواز بھی آہستہ ہی کے حکم میں ہے چنانچہ ہم یہاں بیٹھے ہوئے کس قدر آواز
سے باتیں کرتے ہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی وما کنتم تستترون ان یشھد علیکم
سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم ان اللہ لایعلم کثیراً مما
تعلمون و ذلکم ظنکم الذی ظننتم بربکم اردکم فاصبحتم من الخاسرین
اس ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعلمون پر ایک قصہ یاد آیا۔

ایک نیم ملا کا غلط معنے سمجھنے کے سبب حافظ کو لقمہ دینا

بنگلور میں ایک حافظ صاحب نے یہ آیت نماز میں پڑھی ولکن ظننتم ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعملون ان کے پیچھے ایک نیم ملا بھی تھے انہوں نے حافظ کو لقمہ دیا ان اللہ یعلم کثیراً مما تعملون حافظ صاحب نے پھر آیت کا اعادہ کیا۔ چونکہ اس کو اچھی طرح لا یعلم کثیراً مما تعملون یاد تھا اس نے پھر یہی پڑھا اور ان مولوی صاحب کے لقمہ کی پروا نہ کی بعد نماز کے مولوی صاحب نے حافظ صاحب سے سخت لہجہ میں کہا کہ ہم نے تم کو لقمہ دیا تم نے لیا کیوں نہیں سب کی نماز خراب کی۔ حافظ کو چونکہ خوب یاد تھا اس نے صاف کہہ دیا کہ قرآن میں لا یعلم ہی ہے دیکھ لیا جائے۔ قرآن کو دیکھا تو واقعی اس میں بھی لا یعلم نکلا۔ اب تو مولوی صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ان اللہ لا یعلم کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عدم علم تو محال ہے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے غلطی ہو گئی۔ ایک عالم بھی وہاں تھے انہوں نے سمجھایا کہ ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعملون ہی صحیح ہے اور یہ تو ظن کفار کا معمول ہے کہ تم یوں گمان کرتے ہو کہ خدا کو ہمارے بہت سے اعمال کی خبر بھی نہیں کہ ان اللہ لا یعلم ظننتم کے تحت میں داخل ہے۔ جب ان نیم ملا صاحب کی حیرت ہوئی اور سمجھے کہ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ظننتم پر خیال نہ کیا۔ دوسرے اس بھلے مانس کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ ان اللہ یعلم کثیراً مما تعملون میں کثیراً کی قید کے کیا معنے ہوں گے اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بہت اعمال کو جانتے ہیں یعنی سب کو نہیں جانتے مگر خیر چونکہ بے چارے کسی قدر ذی علم تھے اس لئے تنبیہ سے سمجھ گئے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ نیم ملا ہونا تو برا ہے پھر اسے اچھا کیوں کہا گیا کہ ذی علم تھے۔ بات یہ ہے کہ نیم ملا ہونا اس وقت برا ہے جبکہ وہ اپنے کو مستقل سمجھے اور جو نیم ملا محقق کا تابع ہو کر رہے تو ایسا نیم ملا تو اچھا ہے یہ تو ان اللہ لا یعلم کثیراً مما تعملون کے متعلق ایک لطیفہ تھا۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ لوگ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک واقعہ تو حدیث کا بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرض لوگوں میں قدیم سے ہے۔ آج کل بھی ایسے واقعات سننے میں آتے ہیں۔

ایک بوڑھی نادان عورت کی حکایت کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنے

اوپر قیاس کیا

خود ہمارے اسی قصبہ میں ہمارے محلہ کی ایک بوڑھی عورت میرے پاس آئیں اب تو اس بے چاری کا انتقال ہو چکا مگر ان کی اولاد موجود ہے آکر کہنے لگی کہ مولوی جی میں یوں پوچھوں کہ اللہ میاں زندہ ہیں۔ ان کی اس بات پر گھر میں جو مستورات تھیں سب ہنسنے لگیں میں نے منع کیا کہ بخصوصت اس کو اس کی فہم کے مطابق جواب دو تا کہ یہ سمجھ جائے۔ غنیمت ہوا کہ اس نے یہ اعتقاد قائم نہیں کیا تھا کہ معاذاللہ حق تعالیٰ زندہ نہیں بلکہ کم فہمی کی وجہ سے ہی تردد میں رہی میں نے اس کی سمجھ کے موافق اس سے کلام کیا اور یہ پوچھا کہ بڑی بی آخر تم دیکھتی ہو کہ لوگ پیدا ہوتے ہیں مرتے ہیں۔ دنیا میں اولاد ہوتی ہے تو یہ کام کون کرتا ہے کہنے لگی کہ اللہ میاں میں نے کہا اچھا بارش کون برساتا ہے کہنے لگی کہ اللہ میاں میں نے کہا جب یہ سارے کام حق تعالیٰ کرتے ہیں اور یہ سب کام بدستور جاری ہیں تو اس سے تو خود معلوم ہو گیا کہ حق تعالیٰ زندہ ہیں زندہ نہ ہوتے تو یہ کام کیسے ہوتے کہنے لگیں کہ اب سمجھ میں آ گیا۔ تو اس بچاری بڑھیا نے بھی حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا کہ اتنے زمانہ طویل سے موجود ہیں معاذاللہ بوڑھے ہو گئے ہوں گے۔ نہ معلوم زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ یہ حکایت تو محلہ محلت کی ہے۔

مثل سابق کئی نادانوں کی حکایتیں

ایک قصہ محلہ توگاتوے کا ہے کہ وہاں سے ایک بڑی بی آئیں اور مجھ سے کچھ اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی پھر کہنے لگیں کہ مولوی جی میں زیادہ کہتی بھی نہیں کہیں اللہ میاں خفا ہوں کہ میرے عیب کھولتی پھرتی ہے۔ ایک قصہ ہنت کا ہے کہ وہاں ایک بڑی بی کہنے لگیں کہ میں یوں کہوں جب قیامت میں سب مر جائیں گے تو اللہ میاں کا اکیلے جی نہ گھبرائے گا۔ اب اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے، خدا کو بھی لوگ اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں۔ ایک قصہ کانپور میں پیش آیا۔ وہاں ایک صاحب پوچھنے آئے تھے کہ توبہ توبہ حق تعالیٰ کے والدین کس جزیرے میں رہتے ہیں میں نے اس سوال کو سن کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے سائل طالب ہے مگر جاہل ہے بچارہ کو حق تعالیٰ کے والدین کی سکونت دریافت کرنے کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ اللہ میاں کے دربار میں مغفرت کے لئے ان کا وسیلہ پکڑے۔ جبکہ حق تعالیٰ نے بندوں کو والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے تو

خود بھی ضرور اس پر عمل کریں گے اور اپنے والدین کے حکم کے خلاف نہ کریں گے تو اس خیال کا منشاء تو محض محبت ہے مگر بوجہ جہالت کے حق تعالیٰ کو اپنے اوپر قیاس کیا اور یہ نہ سمجھا کہ حق تعالیٰ والدین سے پاک ہے۔ حافظ عبداللہ صاحب مہتمم مدرسہ نے اس سوال کے جواب میں سورہ اخلاص کا ترجمہ سنا دیا۔ مگر یہ باتیں ان جاہلوں کی اس لئے بری نہیں معلوم ہوتی کہ محبت سے کہی گئی ہیں محبت کے ساتھ سب باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ شبان موسیٰ علیہ السلام کی سب باتیں حق تعالیٰ کو پسند ہوئیں کیونکہ سب کا منشاء محبت تھی اس نے بھی خدا کو اپنے اوپر قیاس کیا تھا۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ انسان خدا کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے تو شاید آیات وعید کو دیکھ کر جہلاء حق تعالیٰ کے غصہ کو اپنے غصہ پر قیاس کرتے جس سے ضعفا کے دل ٹوٹ جاتے اس لئے حق تعالیٰ نے یوم تقوم الساعۃ یبلس المجرمون فرما کر ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ویوم تقوم الساعتہ یومئذ یتفرقون یعنی کو جس دن قیامت ہو گی اس دن مجرم ناامید ہو جائیں گے مگر سب کا یکساں حال نہ ہو گا جس دن قیامت آئے گی اس دن لوگ جدا جدا ہو جائیں گے جو لوگ ایمان والے ہیں اور انہوں نے اچھے عمل کئے ہیں وہ ایک بڑے باغ میں خوش کئے جائیں گے۔ یوم تقوم الساعۃ کے بعد یومئذ پھر زیادت تہویل کے لئے مکرر لایا گیا فی روضۃ میں تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑے باغ میں خوش کئے جائیں گے۔ یحبرون احبار سے ہے جو باب افعال کا مصدر ہے بمعنی سر جس کے بے تکلف معنی اردو محاورہ کے موافق یہ ہوئے کہ وہ بڑے باغ میں مسرور ہوں گے کیونکہ سر بھی لازمی نہیں متعدی ہے۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے اس مقام پر یفروحون نہیں فرمایا کیونکہ فرح لازم ہے اس کے معنی یہ ہوتے کہ ایمان والے جنت میں خوش ہوں گے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر طبعی خوشی انسان کو ہو سکتی ہے اس قدر ان کو خوشی حاصل ہو گی سو یفرحون سے طبعی خوشی پر زیادتی سمجھ میں نہ آتی یحبرون سے یہ بات بتا دی گئی کہ ان کو طبعی خوشی سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہو گی کیونکہ ان کو خوش کیا جائے گا یعنی ان کے خوش کرنے کا اہتمام ہو گا کوئی خوش کرنے والا ان کو خوش کرے گا۔ جیسا کہ علماء نے یہی نکتہ مطہرۃ میں بیان فرمایا ہے کہ ازواج مطہرۃ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کو پاک کیا ہے یہی نہیں کہ وہ خود خود پاک ہیں کیونکہ جو پاکی خود خود حاصل ہوتی ہے وہ کم ہوتی ہے دیکھئے اگر ایک کپڑے کو نہر میں دن رات ڈالے رکھیں تو وہ خود خود پاک ہو جائے گا مگر جو خوبی اس وقت حاصل ہو گی کہ اس کو کسی شخص کے سپرد کیا

جائے اور وہ پانی میں ڈال کر تختہ پر اسے کوٹ پیٹ کر صاف کرے وہ صرف نہر میں ڈالے رکھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی نکتہ یحبرون میں ہو سکتا ہے یعنی صرف یہی نہیں کہ وہ خوش ہوں گے بلکہ خوش کئے جائیں گے اور ان کو حق تعالیٰ شانہ خوش کریں گے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کتنے بڑے ہیں ان کی عظمت کے موافق ان کی دی ہوئی خوشی بھی عظیم ہو گی اتنا فرق ہو گا کہ حق تعالیٰ شانہ کی عظمت کے موافق ان کی دی ہوئی خوشی بھی عظیم ہو گی اتنا فرق ہو گا کہ حق تعالیٰ شانہ کی عظمت تو بالفعل بھی غیر متناہی ہے اور اہل جنت کی خوشی بالفعل اگرچہ متناہی ہو گی مگر لاتقف عند حد کے اعتبار سے وہ بھی ایک طرح غیر متناہی ہو گی اور اس فرق کی یہ وجہ ہے کہ عظمت الٰہی داخل مشیت نہیں اور عظمت و سرور اہل جنت داخل مشیت ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کے ارادہ و اختیار کو اس میں دخل ہے اور حادث کی لامتناہی بالفعل محال اور لاتقف عند حد جائز غرض غیر متناہی دونوں ہیں ایک غیر متناہی بالفعل دوسرا غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے الا ماشاء ربك کی تفسیر بھی یہی لکھی ہے کہ خلود اہل جنت و اہل نار داخل تحت القدرت ہے اگرچہ منقطع کوئی بھی نہ ہو گا ورنہ بدون اس توجیہ کے بظاہر اس استثناء پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اہل جنت و اہل جہنم کے خلود کے ساتھ الا ماشاء ربك کے کیا معنی کیونکہ بظاہر اس کا یہ ترجمہ ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ جنت اور دوزخ میں رہیں گے مگر جبکہ چاہیں حق تعالیٰ۔ تو اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ شاید کبھی نکالے بھی جائیں گے سو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تفسیر فرمائی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے مگر خدا جب چاہے تو ان کو نکالنے پر بھی قادر ہے اگر ایسا کیا کبھی نہ جائے تو مطلب آیۃ کا یہ ہے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہیں گے مگر خدا تعالیٰ اس پر مجبور نہیں بلکہ یہ سب اسی کی مشیت سے ہو گا و علیٰ ھذا اہل نار بھی۔ پس جس طرح کہ اہل جنت و اہل نار کا خلود بوجہ داخل تحت القدرت ہونے کے غیر متناہی بمعنی لاتقف عند حد ہے۔ اسی طرح اہل جنت کی خوشی بھی غیر متناہی اسی معنی کے لحاظ سے ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس دقیق مضمون کو اپنی تفسیر میں بہت ہی سلیس الفاظ میں بیان فرمایا ہے جس سے ہر شخص کا ذہن اس معنی کی طرف منتقل بھی نہیں ہوتا اور ظاہر میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کسی بڑے اشکال کا جواب ہے البتہ جو لوگ مدرس ہیں اور مواقع اشکالات سے واقف ہیں وہ اس کی قدر کر سکتے ہیں اور یہ شاہ صاحب کا اور بھی بڑا کمال ہے کہ ایسے دقیق مضمون کو معمولی لفظوں سے تعبیر فرما دیتے ہیں اس کی قدر بھی پڑھانے

والے ہی جانتے ہیں کہ کم فہم لوگوں کے لئے مضمون کے سہل کرنے میں کس درجہ تعب برداشت کرنا پڑتا ہے غرض اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا کہ اس آیت میں ایمان واعمال صالحہ کا ثمرہ مذکور ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ والے جنت میں خوش ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ بغیر انبیاء علیہم السلام کے نہیں معلوم ہو سکتے اسی لئے حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا تا کہ لوگوں کو ایمان واعمال صالحہ کا رستہ بتلاویں اور اس وقت میں اول تو کسی اور نبی کی شریعت موجود نہیں اور اگر پہلے انبیاء میں سے کسی کی کوئی شریعت ہے بھی تو محرف ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے پھر اگر غیر محرف بھی ہوتی تو منسوخ تھی اس لئے اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تو ہم اس دولت سے بالکل محروم رہتے۔ حق تعالیٰ شانہ کا بہت بڑا احسان ہمارے اوپر ہوا کہ آپ کی برکت سے ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمایا اسی کو حق تعالیٰ شانہ نے بطریق امتنان احسان جتلا کر جابجا قرآن شریف میں ذکر فرمایا ہے کہیں فرماتے ہیں۔ ولو لافضل اللہ علیکم و رحمتہ لاتبعتم الشیطان الاقلیلاً دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے فلو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخاسرین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان مواقع میں فضل اللہ ورحمتہ کی تفسیر بعثت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کی ہے تو معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر خدا تعالیٰ تم پر اپنا فضل ورحمت نہ فرماتے تو تم ناکام اور محروم رہتے۔

-اور اگر اللہ تعالیٰ بعثت

محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تم پر رحم وکرم نہ فرماتے تو تم شیطان کا اتباع کرنے لگتے۔ سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے۔

اس جگہ ایک اشکال طالب علمی ہو سکتا ہے کہ الا قلیلا کے بڑھا دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو بدون بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی راہ مستقیم پالیتے۔ جواب یہ ہے کہ اتباع سے مراد اتباع مطلق ہے نہ کہ مطلق اتباع۔ پس معنی یہ ہوئے کہ تم شیطان کے پورے متبع ہوتے۔ صرف بعضے لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے عقل کامل وسلیم عطا فرمائی ہے وہ البتہ کامل اتباع شیطان کا نہ کرتے یعنی ایسے امور میں جن میں عقل کام دے سکتی ہے صرف ان میں اتباع شیطان کا خاص ایسے لوگ نہ کرتے گو مطلق اتباع شیطان سے یہ

بھی نہ بچتے کیونکہ جن میں عقل کام نہیں دیتی ان میں کوئی مانع اتباع شیطان سے نہ تھا تفصیل امور مذکورہ کی یہ ہے کہ۔

بعض احکام کا حسن قبیح عقلی بمعنی مدرک بالفعل ہونا اور بعض کا نہ ہونا

بعض احکام شریعت کے بدیہی اور ظاہر بھی ہیں جن کا حسن و قبح عقل سے بھی معلوم ہو سکتا ہے تو ایسی باتوں میں عقل سلیم سے راہ راست معلوم ہو سکتی ہے مثلاً ظلم کا قبیح ہونا انصاف کا پسندیدہ ہونا۔ زنا کی برائی عفت وپارسائی کی خوبی ان باتوں میں بعض لوگ راہ مستقیم پر چل سکتے اور شیطان کے اتباع سے بچ سکتے تھے گو تفصیلی احکام بدون نبوت کے ان میں بھی نصیب نہ ہوتے مگر خیر کسی قدر اتباع شیطان سے ان باتوں میں محفوظ رہ سکتے تھے مگر چونکہ ایسی باتیں بہت تھوڑی ہیں ان کے معلوم کر لینے ہی سے کیا کام چلتا بہت سی باتیں عبادات الٰہی کے متعلق ایسی ہیں جن کو عقل کبھی دریافت نہیں کر سکتی تھی بالخصوص صفات و ذات باری تعالیٰ وامور معاد کا تو بدون بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بھی پتہ نہ چلتا اور نہ معلوم خدا تعالیٰ کے متعلق کیا سے کیا عقائد قائم کر لیتے جیسا کہ کفار نے کر لئے ہیں پھر خود وہ عقل بھی بدولت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عطا ہوئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں تمام کائنات کے پس آپ کے وجود کو اس وقت بھی سلوک صراط عقل میں دخل رہتا بہر حال اصل فضل ورحمت جو قابل مسرت وخوشی ہے وہ یہ امر ہے کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کی برکت سے ایمان واعمال صالحہ کی توفیق ہوئی اور یہ عظیم نعمت حاصل ہوئی جس سے ہماری دنیا و آخرت سنور گئی اور ان شاء اللہ اس کی برکت سے ہم جنت میں خوشیاں منائیں گے۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس آیت کے مضمون کو مقصود کے ساتھ پورا تعلق ہے۔ اس آیت میں ایمان اور اعمال کا ثمرہ مذکور ہے اور ایمان واعمال صالحہ وجود باجود محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثمرات ہیں تو یہ ثمرات بھی جو اس آیت میں مذکور ہیں حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وجود باجود و نور مزیور السرور کے ثمرات ہیں۔

حضورؐ کے نور کے برکات کی دو قسم ہیں ایک اشیاء کے ظہور سے متعلق ہیں دوسرے اہل معرفت کے صدور سے

تو یہ ثمرات تو اس کو دوسرے دلائل کے ساتھ منضم کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کے برکات دو قسم پر معلوم ہوئیں۔ایک صوری جو کہ اشیاء کے وجود و ظہور کے متعلق ہیں دوسرے معنوی جو ان اشیاء میں سے خاص اہل ایمان کے صدور کے متعلق ہیں۔نور کے متعلق تو آپ کے نور مبارکؐ کی برکت یہ ہے کہ تمام عالم کا وجود آپ کے نور سے ہوا اور لوگ اسی کو آج کل زیادہ بیان کرتے ہیں۔صدور کے متعلق آپ کی برکات یہ ہیں کہ ایمان و معرفت الٰہی سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے واسطہ سے حاصل ہوئی ان برکات کو لوگ آج کل بیان ہی نہیں کرتے بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے کیونکہ جو اثر آپ کے نور کا ظہور کے متعلق ہے اس کے آثار تو محسوس ہیں اور جو اثر صدور کے متعلق ہے اس کے آثار یعنی خاص ثمرات مقصودہ وہ قیامت و جنت میں معلوم ہوں گے اور یہاں ان سے ذہول ہے نیز وہ رتبہ میں بھی اعظم ہیں اس لئے زیادہ ضرورت اسی کے بیان کرنے کی ہے اور اعظم ہونے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ظہور پر تو صرف اسی قدر اثر ہوا کہ ہم موجود ہو گئے مگر صرف موجود ہو جانے سے کچھ زیادہ فضیلت نہیں حاصل ہو سکتی پوری فضیلت ایمان و معرفت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے انسان کو حیوانات پر شرف ہے۔تیسرے یہ جو اثرات نور مبارک کے ظہور پذیر ہوئے وہ متناہی اور محدود ہیں کیونکہ موجودات اپنی ذات کے اعتبار سے متناہی ہیں اور صدور پر جو اثر ہوا وہ غیر متناہی ہے کیونکہ معرفت الٰہی کے مراتب اور ان کے ثمرات غیر متناہی ہیں جو ہم کو جنت میں نصیب ہوں گے۔بس آپ کے نور مبارک کے وہ برکات زیادہ بیان کرنے کے قابل ہیں جو صدور پر متجلی ہیں اس آیت شریفہ میں انہیں ثمرات کا ذکر ہے مگر یہ ثمرات اس آیت کے آخر میں مذکور ہیں اور ایک ثمرہ آپ کے تبرکات متعلقہ صدور کا اس آیت کے شروع ہی میں مذکور ہے جو عجیب ثمرہ ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔

ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یتفرقون قیامت جب قائم ہو گی تو لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔یہ جدا جدا ہونا بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نور مبارک کا ایک ثمرہ ہے۔کیونکہ ایمان و معرفت و اعمال صالحہ کا حصول آپ کی برکت سے ہوا اور ایمان

واعمال صالحہ ہی کی وجہ سے مخلوق کے دو فرقے ہوگئے بعض مومن بعض کافر تو اس تفریق کا اصل منشاء بھی نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اسی تفریق کے ظاہر کرنے کے لئے قیامت قائم ہوگی تو در اصل حقیقی قیامت آپ ہی کی ذات ہے اور عرفی قیامت اس کا ایک اثر اور ثمرہ اسی کو مولانا نے مثنوی میں ایک جگہ بیان فرمایا ہے۔

صد قیامت بود احمد در جہاں

حدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس قرآن شریف کا لقب بھی فرقان اسی وجہ سے ہے کہ وہ فارق ہے۔ غرض قیامت قائم ہونے کا سبب یہی تفریق ہے اور یہ تفریق قیامت تابع ہے تفریق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی کے اظہار کے لئے قیامت قائم کی جائے گی غرض اصل سرور ان برکات محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ہے کہ ہم اطاعت و معرفت الہی کی دولت حاصل کریں جس کے ثمرات قیامت وجنت میں حاصل ہوں گے نہ وہ باتیں جو آج کل ہم لوگ خود بخود گھڑتے ہیں۔

عید میلاد منانا بدعت وضلالت ہے

یعنی عید میلاد وغیرہ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ان باتوں کی تعلیم نہیں بلکہ صراحۃً منع فرمایا ہے اور عید میلاد کے متعلق تو بہت دفعہ بیان ہو چکا ہے اور اصول شریعت سے بتلا دیا گیا ہے کہ یہ فعل بالکل ناجائز اور بدعت ضلالت ہے مگر اس دفعہ مجھے ایک حدیث اس کے متعلق بہت صریح ملی ہے جس سے صاف صاف اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے وہ حدیث یہ ہے لا تتخذو اقبری عیداً اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے اور میرے لئے یہ حدیث بالکل تسلی بخش ہوگئی میں دوسروں کے لئے بھی تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کرتا ہوں کہ اس حدیث سے عید میلاد کی نفی کیونکر ہوگئی حدیث کا ترجمہ ہے کہ میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔

حدیث میں بھی نص ہے ان نبی حی فی قبرہ یرزق کہ آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی پہنچتا ہے مگر یہ یاد رہے اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں باقی یہ کہ حیات برزخیہ تو سب کو حاصل ہے پھر اس میں نبی کی کیا تخصیص ہے تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس کے مختلف مراتب ہیں ایک مرتبہ تو تمام جماعت مومنین کو حاصل ہے جس کے ذریعہ سے نعیم قبر کی ہر مسلمان کو حس ہوگی۔ دوسری حیات شہداء کی ہے یہ عام مومنین کی حیات برزخیہ سے اقوی ہوگی۔ عام مومنین کی حیات برزخیہ بہ نسبت شہید کے کمزور ہوتی ہے اگرچہ اس حیات ناسوتیہ سے وہ بدرجہا اعلی ہو۔ پس یہ کوئی نہ سمجھے کہ عام مومنین کی حیات برزخیہ اس حیات دنیوی سے بھی کمزور ہوگی اور حیات شہید کے اقوی ہونے کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ زمین اس کی لاش کو نہیں کھا سکتی اور یہ نہ کھانا ایک اثر ہے حیوۃ کا پس شہید میں اس اثر کا ظاہر ہونا اور عام مومنین کا نہ ہونا یہ دلیل ہے شہید کے حیات کی قوی ہونے کے بہ نسبت عام کی حیات کے بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا ہے کہتے ہیں کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہوا ہے مگر یہ کوئی انکار کی وجہ نہیں بن سکتی کیونکہ جس طرح اس کے خلاف مشاہدہ ہوا ہے اس کے موافق بھی مشاہدہ ہوا ہے جب دونوں طرح مشاہدے موجود ہیں تو سرے سے اس کا انکار کیونکر کیا جا سکتا ہے بہت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ قاعدہ کلی نہیں اکثری ہے اور نصوص کا محمل بھی اسی کو کہا جاوے گا باقی مطلقاً انکار تو صحیح نہیں ہو سکتا یہ تو جواب تسلیمی ہے اس تقدیر پر جبکہ ہم مان لیں کہ جہاں تم نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید ہی تھا۔ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ شہید ہی نہ ہو کیونکہ شہادت صرف اسی کا نام نہیں کہ معرکہ میں قتل ہو جائے بلکہ حقیقی شہادت کے لئے کچھ باطنی شرائط بھی ہیں مثلاً نیت کا خالص لوجہ اللہ ہونا جس کی خبر سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس کو آپ نے اس کے خلاف مشاہدہ کیا ہے وہ شہید حقیقی نہ تھا صرف شہید احکام تھا اور یہ حیات کا قوی درجہ صرف شہید حقیقی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ حقیقی شہید تھا تو ممکن ہے کہ کسی عارض کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہو کہ اس کی لاش

گل گئی مثلاً اس جگہ کی مٹی تیز ہو ہم نے یہ کب دعویٰ کیا ہے کہ شہید کی حیات ایسی ہوتی ہے کہ اگر جلاؤ بھی تو اس کی لاش نہ جلے بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ اگر شہید کو موافق عادت کے دفن کر دیا جائے جیسا کہ عموماً مردے دفن ہوتے ہیں کہ اس کی قبر میں کوئی خاص عارض دوسروں سے زیادہ مثل شوریت زمین وغیرہ کی نہ ہو تو اس کی لاش مثل دوسرے مردوں کے نہیں گلے گی بعینہ محفوظ رہے گی۔

انبیاء کی حیات برزخیہ شہدا کی حیات سے قوی ہے

تیسرا درجہ جو سب سے قوی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخیہ کا ہے کہ وہ شہید کے حیات سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے چنانچہ اس کا ایک اثر تو محسوس ہے اور وہ وہی ہے جو شہید کے لئے ہے کہ ان کے جسم مبارک کو زمین نہیں کھا سکتی حدیث میں ہے حرم اللہ اجساد الانبیاء علی الارض اور دوسرا اثر محسوس تو نہیں مگر منصوص ہے اور وہ حرمت نکاح ازواج انبیاء علیہم السلام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج مطہرات سے بعد ان کے وصال کے کسی امتی کو نکاح جائز نہیں نیز انبیاء علیہم السلام کی میراث ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتی نحن معاشر الانبیا لانورث ماترکنا صدقۃ انبیاء علیہم السلام کا تمام ترکہ صدقہ ہوتا ہے یہ باتیں شہید کے لئے شریعت نے مشروع نہیں کیں تو اگرچہ شریعت نے اس کا خاص کوئی راز نہیں بیان کیا مگر علماء محققین یہی کہتے ہیں اس کا راز قوت حیات انبیاء علیہم السلام ہے کہ حیات مانع ہے ان دونوں امروں سے اور گو ازواج نبی سے بعد وفات نبی کے نکاح حرام ہونا تمام انبیاء کے بارہ میں منقول نہیں ہوا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ خصوصیت قرآن میں ذکر کی گئی ہے مگر علماء حکم میراث پر قیاس کر کے اس حکم کو بھی عام جملہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج کے لئے سمجھتے ہیں اور میراث کا تقسیم نہ ہونا حدیث سے جملہ انبیاء علیہم السلام کے لئے عام طور پر معلوم ہو چکا ہے تو ان امتیازات سے حیات برزخیہ انبیاء کا شہداء اور عام مومنین سے اقوی ہونا ثابت ہوا بہر حال غرض یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تو مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں ان کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا اقرار ہے۔ چنانچہ ایک واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جائے گا تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ

لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے کہ۔

حضورؐ کے روضہ مقدس کی طرف دو شخص ملعون کی سرنگ کھودنے کا واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کس بادشاہ کے وقت میں) دو شخص مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے آئے تھے۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے زاہد مشہور ہو گئے تھے وہ کمبخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے راتوں رات مٹی مدینہ سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تھے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے کئی ہفتہ تک وہ لوگ سرنگ کھودنے میں مشغول رہے جب ادھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا حق تعالیٰ نے اس زمانہ کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ اس بادشاہ کا نام لیکر فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے جلد مجھے ان سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا وزیر نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے آپ جلد مدینہ تشریف لے جائیں بادشاہ نے فوراً فوج لیکر بہت تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف سفر شروع کیا اور بہت جلد مدینہ پہنچ گیا اس عرصہ میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے بادشاہ نے مدینہ پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینہ سے باہر دعوت کی اور سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازہ سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو کر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے مگر ان دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا اس لئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آگئے لوگوں نے کہا کہ اب کوئی اندر نہیں رہا بادشاہ نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ضرور کوئی اندر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی کی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں

بادشاہ نے کہا مجھے ان ہی سے کام ہے۔ چنانچہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو وہ بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ایذا دی ہے۔

چنانچہ بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کے نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے چنانچہ بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے۔ بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسہ دے کر سرنگ بند کرادی اور زمین کو پانی کی تہ تک کھودوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلادیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح وسالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے محض وہم وشبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام کوئی نہیں کرتا۔ جو لوگ اہل کتاب ہیں وہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی وہ خوب جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق تھے مگر بوجہ عناد کے اقرار نہیں کرتے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے۔

جس بقعہ سے جسم اقدس مس کیے ہوئے ہے وہ عرش سے بھی افضل ہے

وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کیے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہ بیٹھے ہوئے ہوتے تو بیشک وہ جگہ سب سے افضل ہوتی خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہیں اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جا سکتا اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ استویٰ علی العرش کے معنی استقرار کے نہیں ہو سکتے کیونکہ بیٹھنے کی جگہ وہ ہو سکتی ہے جو بیٹھنے والے سے زیادہ یا کم سے کم اس کی برابر تو ہو مثلاً اگر ہم تخت یا کرسی پر بیٹھیں اور اس کے اوپر ایک تنکا پڑا ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہم تنکے پر مستقر ہوئے کیونکہ اس کو ہم سے کچھ بھی نسبت نہیں اس لئے وہ ہمارا مکان نہیں بن سکتا۔

استویٰ علی العرش کی تفسیر بدیع

پس اسی طرح عرش خدا تعالیٰ کا مکان نہیں بن سکتا کیونکہ اس کو خدا تعالیٰ سے وہ نسبت بھی نہیں جو رائی کے دانہ کو ہم سے ہے اس دلیل سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ استویٰ علی العرش کے معنی بیٹھنے کے ہرگز یہاں نہیں ہو سکتے۔ اب سوال ہو گا کہ پھر کیا معنے مراد ہیں اس میں سلف کا مسلک تو یہ ہے کہ سکوت کرو اور واقعی سلامتی اسی میں ہے مگر متاخرین نے بمصلحت وقت کی مناسب تاویل کر دینے کی اجازت دیدی ہے۔ جب مصلحت کی بنا پر باب تاویل مفتوح ہو گیا تو ہر شخص کو مناسب تاویل کر دینے کا حق ہے۔ ایک تاویل میرے ذہن میں اس کی آئی ہے جو دوسری تاویلوں کی بہ نسبت اقرب اور بہت صاف ہے اگرچہ میرا مذاق طبعی اس بارہ میں سلف کے موافق ہے لیکن جو لوگ بضرورت تاویل کرنا ہی پسند کرتے ہیں وہ میری اس تاویل کو بھی ان ہی تاویلوں میں جگہ دیدیں۔ میرے ذہن میں استویٰ علی العرش کے متعلق یہ بات آئی ہے کہ بعض آیات میں استویٰ علی العرش کے بعد یدبر الامر بھی آیا ہے جس کو استویٰ علی العرش کا بیان قرار دیا جائے تو یہ محاورہ ایسا ہو جائے گا جیسا کہ ہماری زبان میں بولا جاتا ہے کہ ولیعہد تخت نشین ہو گیا عرف میں تخت نشین ہونے کے معنی حکمراں ہونے کے ہیں خاص تخت پر بیٹھنا ضروری نہیں اسی طرح استویٰ علی العرش کے معنی تدبیر و حکمرانی فرمانے کے ہیں یعنی زمین و آسمان کو پیدا فرما کر حق تعالیٰ شانہ ان آسمان و زمین میں حکمرانی و تدبیر و تصرف کرنے لگے۔ پس اگر تاویل کی جاوے تو یہ تاویل بھی عمدہ اور لطیف تاویل ہے پس یہ کنایہ ہو گا۔ غرض حق تعالیٰ شانہ پر بوجہ مانعات عقلیہ کے استواء متعارف کا حکم نہیں کیا جا سکتا تو عرش کو محل استقرار حق کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے کہ بقعہ شریفہ سے وہ افضل ہو تا بلکہ اس کو صرف اس وجہ سے اور اماکن پر فضیلت ہے کہ وہ ایک تجلی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہو گا۔ پس اس حیثیت کے اثر سے بھی بقعہ شریفہ خالی نہ رہا اس لئے ہر طرح وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں سب سے زیادہ اشرف ہوئی کیونکہ تجلیات حق بواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تمام اماکن سے زیادہ فائض ہوتے ہیں۔ بہر حال اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے یہ تو ایک مقدمہ تھا کہ بقعہ شریفہ و قبر شریف تمام اماکن سے افضل ہے اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہیے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا اور یوم الولادت و یوم المعراج و یوم البعث وغیرہ یقیناً باقی نہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے وہ دن جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اب یقیناً نہیں لوٹتا

بلکہ اس کا مثل عود کرتا ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو عید بنانے سے منع فرما دیا اور اس کا عید بنانا حرام ہو گیا جو کہ یقیناً باقی ہے تو ان چیزوں کو عید بنانا جو کہ بعینہ باقی نہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے میرے نزدیک تو اس حدیث سے عید میلاد کی صراحۃً نفی ہوتی ہے اب بھی کسی کو اس کی حرمت میں شک ہو تو وہ جانے اور اس کا کام جانے اس تقریر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت اور کلام کی جامعیت بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر قبر ہی کی عید بنانے سے کیوں منع فرمایا سو اس لئے منع فرمایا کہ اس کی فضیلت و شرافت تو بوجہ معین اور یقینی ہونے کے سب کو مسلم ہو گی جب ایسی چیز کی بابت کوئی حکم بیان کر دیا جائے گا اس پر اونیٰ کو قیاس کر کے بقیہ سب چیزوں کا حکم معلوم ہو جائے گا۔ جب ان چیزوں کا عید بنانا معلوم ہو گیا کہ حرام ہے اور قرآن میں نعیم جنت کا ایمان و عمل صالحہ پر ترتب صاف صاف مذکور ہے اور عمل صالحہ میں حرام امور کے ترک پر موقوف ہے تو اگر نعیم جنت حاصل کرنے کا اشتیاق ہے اور یقیناً ہر مسلمان کو ہے تو ان غیر مشروع کاموں کو چھوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ نجات کلی بغیر اعمال صالحہ کے حاصل نہیں ہو سکتی قرآن میں جابجا آمنوا کے بعد عملوا الصلحت ضرور مذکور ہے اگر بدرجہ اتم و اکمل نجات چاہیں تو ان چیزوں کو ترک کریں بدرجہ اتم و اکمل اس لئے کہا کہ کسی نہ کسی وقت تو یہ اہل بدعت بھی نجات پا ہی لیں گے اگرچہ وہ ہمیں کافر کہیں مگر ہم ان کو کافر نہیں کہتے کہ محروم عن النجاۃ سمجھیں۔

فرق غیر ناجیہ کے عدم خلود پر ایک شبہ کا جواب

اس پر ایک طالب علم کا شبہ ہے جس کو میں دفع کر دینا چاہتا ہوں شبہ یہ ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے اس امت کے تہتر فرقے ہوں گے جن میں بجز ایک فرقہ کے سب ناری ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف ایک ہی ہے باقی ناجی نہیں کیونکہ اگر باقی فرقے بھی کچھ عذاب بھگت کر نجات پا جائیں تو ان فرقوں میں اور فرقہ ناجیہ میں کیا فرق ہو گا کیونکہ فرقہ ناجیہ جو کہ اہل حق ہیں ان کے لئے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سب کے سب بدون حساب کتاب اور بدون کسی قدر مواخذہ کے جنت میں جائیں گے جیسا اہل حق میں بھی عصاۃ کو بھی نجات اولی حاصل نہیں تو دونوں میں فرق کیا ہوا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہو گا کہ ان میں ناجی صرف ایک فرقہ ہے معلوم ہوا کہ فرقہ ناجیہ

کو تو کبھی نہ کبھی نجات حاصل ہو جائے گی اور باقی بہتر فرقوں کو نجات حاصل نہ ہو گی تو یہ اہل بدعت نجات کیونکر پا سکتے ہیں اگر اس کا التزام کیا جاوے تو اہل بدعت کی عدم تکفیر کے کیا معنی۔ جواب یہ ہے کہ مراد حدیث میں یہ ہے کہ وہ بہتر فرقے بوجہ فساد عقیدہ کے جہنم میں جائیں گے اور اہل حق جو کہ فرقہ ناجیہ ہے فساد عقیدہ کی وجہ سے جہنم میں نہ جائیں گے دونوں میں مابہ الفرق دخول لفساد العقائد ہے باقی دخول للعمل یہ دونوں میں مشترک ہے پس اس تقریر کے بعد اہل بدعت کا خلود ثابت نہ ہوا اور اس تقریر کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ نص قطعی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ سے معلوم ہے کہ جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا اس کو بھی دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا اس کو بھی دیکھ لے گا۔ تو جس شخص میں کچھ ایمان ہے اگرچہ فساد عقیدہ ہی کے ساتھ ہے تو اگر وہ بھی ناجی نہ ہو تو وہ اس کی جزاء کب پائے گا آیا قبل دخول نار یا بعد دخول نار قبل دخول نار تو محال ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ وہ اول جنت میں جاوے اور پھر وہاں سے خارج کر کے جہنم میں جاوے اور نصوص سے معلوم ہے کہ بعد دخول جنت کسی کو عذاب نہ ہو گا اور اگر جنت کے سوا اور کہیں ثواب پاوے تو جنت سے پہلے کوئی اور موقع ثواب کا نہیں بس یہی ایک صورت ہے کہ وہ اپنے ایمان قلیل کی جزا بعد دخول نار پائے کہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو ورنہ اگر کہیں جزا نہ ملے تو لازم آئے گا کہ کوئی عمل صالح ایسا بھی ہوا جس کا کوئی صلہ کرنے والے کو نہ ملے اور یہ اس آیت کے خلاف ہے اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اہل بدعت کو خلود ہو گا کبھی نجات نہ ہو گی بلکہ کبھی نہ کبھی تو نجات ضرور ہو جائے گی گو اس سے پہلے عذاب بھی بھگتنا پڑے البتہ یہ ضرور ہے کہ جو عذاب فساد عقائد سے ہو وہ اشد ہے اس عذاب سے جو فساد عمل سے ہو چنانچہ احادیث اور بزرگوں کے اقوال سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل بدعت کو دوسرے فساق سے زیادہ سخت عذاب ہو گا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک جگہ میرا گذر ہوا تو کچھ ایسا معلوم ہوا کہ اہل قبور کو عذاب ہو رہا ہے ہم نے ان کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ اہل بدعت کے سوا سب کی اس وقت مغفرت ہو گئی۔ اسی لئے یوں تو سب گناہوں سے مسلمان کو بچنا چاہیے کیونکہ مقصود اعلیٰ نجات اکمل ہی ہے اور وہ بدون گناہوں سے بچے حاصل نہیں ہو سکتی مگر بدعت سے بہت زیادہ اجتناب ضروری ہے کیونکہ بدعت حق تعالیٰ شانہ کو بہت مبغوض ہے اس لئے کہ دیگر اعمال تو لوگ حرام اور گناہ سمجھ کر کرتے ہیں اور افعال بدعت کو نیکی سمجھ کر کرتے ہیں اس سے توبہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پس جب قبر کا عید بنانا حرام ہے تو ملبوس شریف کو عید بنانا کس طرح جائز ہوگا کہیں کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک اس وقت تک موجود ہیں عید بنانا اس کی بھی جائز نہیں کیونکہ اگرچہ بظاہر یہ خیال کرکے کہ موئے مبارک جزو بدن ہے قبر سے افضل معلوم ہوتا ہے مگر قبر میں اتصال اور تماس کی ایسی فضیلت موجود ہے جو موئے مبارک کو بالفعل حاصل نہیں اس لئے دونوں خیر مساوی ہوئے موئے مبارک جزو ہے مگر اب مماس نہیں اور قبر شریف جزو نہیں مگر مماس ہے تو دونوں برابر ہوئے اور ایک مساوی سے دوسرے مساوی کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔ پس حدیث لا تتخذوا قبری عیداً سے موئے مبارک کو عید بنانا حرام ہو گیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت بلاغت ہے کہ آپ نے قبر کو ذکر میں اختیار فرمایا جس سے ملبوس وشعر وغیرہ سب کے احکام خود بخود معلوم ہو گئے۔

صحابہؓ و سلف کا تبرکات کے ساتھ معاملہ

علاوہ ازیں صحابہؓ اور سلف صالحین نے تعید کو کبھی اختیار نہیں کیا حالانکہ ان کے پاس ہم سے زیادہ تبرکات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور ان کو ہم سے زیادہ ثواب کے کاموں میں سبقت تھی اگر یہ کوئی خیر ہوتی تو سلف میں اس کی کچھ تو اصل ہوتی۔ اب صرف یہ سوال رہ گیا کہ صحابہؓ میں عید کی طرح اجتماع نہ تھا تو آخر تبرکات کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا تھا تو اس کے لئے میں نے چند احادیث ایک پرچہ پر لکھ لی ہیں کیونکہ ان کا بلفظہ یاد رکھنا دشوار تھا اس وقت ان کو نقل کئے دیتا ہوں۔

عن عثمان بن عبداللّٰہ بن وھب قال فارسلنی اھلی الی ام سلمة بقدح من مآء و کان اذا اصاب الانسان عین اوشیئی بعث الیھا محضته لھا فاخرجت من شعر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وکانت نفسکه فی جلجل بن فضة فحضحضته فشرب منه قال فاطلعت فی الجلجل فرائت شعرات حمراء رواہ البخاری

عثمان بن عبداللہ بن وہب سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دیکر بھیجا اور یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی انسان کو نظر وغیرہ کی تکلیف ہوتی تو حضرت ام سلمہؓ کے پاس پانی کا پیالہ بھیج دیتا ان کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے جن کو انہوں نے چاندی کی نلکی

میں رکھ رکھا تھا پانی میں ان بالوں کو ہلا دیا کرتی تھیں اور وہ پانی بیمار کو پلا دیا جاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے جو جھک کر نلکی کو دیکھا تو اس میں چند سرخ بال تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ ایک صحابیہؓ کے پاس نلکی میں بال رکھے ہوئے تھے جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جاتا تھا کہ بیماروں کی شفاء کے لئے اس کا غسالہ پلا دیا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال پکنے لگے تھے جس سے دیکھنے والوں کو خضاب کا شبہ ہوتا تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کبھی نہیں کیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کل سفید بال قریب بیس کے تھے یا کچھ زائد۔

نلکی میں فاتحہ

نلکی پر مجھے ایک واقعہ یاد آگیا کہ ایک تھانہ دار کے یہاں ایک شخص نے رپٹ لکھوائی کہ میری فاتحہ چوری ہو گئی داروغہ صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ یا اللہ فاتحہ کیا اور اس کا چوری ہونا کیسا پوچھا تو قصہ بیان کیا کہ ہمارا ایک پیر ہے جب وہ آیا کرے ہے تو ہمارے کھانے کی فاتحہ دیا کرے ہے اور جب جاوے ہے ایک نلکی میں فاتحہ بند کر دے ہے کہ سال بھر تک اس سے کام لیتے رہیو پھر میں آکر دوبارہ پڑھ دوں گا تو وہ نلکی چوری ہو گئی۔ عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنهما انها اخرجت جبته طيالسيته كسرو انبته لبنته ديباج وفرجيها مكفوفين بالديباج وقالت هذه جبته رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت عند عائشه فلما قبضت قبضتها وكان النبى صلى الله عليه وسلم يلبسها فنحن نغسلها للمرضى نستشفى بها رواه مسلم۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک جبہ طیلسانی کسروی نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاک پر ریشم کی سنجاف لگی ہوئی تھی اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنا کرتے تھے ہم اس کو پانی میں دھو کر وہ پانی بیماروں کو پلا دیتے ہیں شفاء حاصل کرنے کے لئے اس حدیث پر شاید بادی النظر میں کسی کو یہ شبہ ہو کہ یہ جبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماء کے پاس کیونکر رہا اور جب تک ترکہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم نہ ہو جائے ان کو اس کے استعمال کا کیا حق تھا۔ تو بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی بلکہ آپ کے مال میں

تمام مسلمانوں کا حق تھا تو آپ کا ترکہ وقف تھا اور یہ حضرات اس کے متولی تھے پھر ان کے اذن سے سب مسلمانوں کو بطریق برکت اس کے استعمال کا حق حاصل ہے اور باذن متولی کی قید اس لئے بڑھادی کہ شاید کسی کو یہ سن کر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال وقف ہے اس جبہ متعارفہ کے لینے کی فکر ہوئی ہو سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ وقف ہے مگر وقف میں بدون اذن متولی کسی کو تصرف کرنا جائز نہیں پس جبہ شریف کو اس کے خدام سے چھیننا یا بلا اجازت استعمال کرنا کسی کو جائز نہیں اور اس قسم کی باتوں کی ضرورت ہی کیا پڑی وہ خدام تو بیچارے خود ہی اپنے سر پر رکھ کر ہر شخص کے گھر لیجا کر زیارت کرا دیتے ہیں البتہ روٹی ان لوگوں کو دینا پڑے گی اس سے زیادہ وہ تم سے کچھ نہیں مانگیں گے یہ بھی جبہ شریف کی برکت کھلی ہوئی ہے کہ اس کے خدام بے طمع ہیں۔

خواب بابت جبہ شریف

احقر نے ایک بار یہ دیکھا کہ کوئی شخص اس کے چرانے کی فکر میں ہے میں نے خدام سے کہلا بھیجا کہ گو میرا خواب کوئی چیز نہیں مگر احتیاط کا مقتضا یہ ہے کہ جبہ شریف کی زیادہ حفاظت کی جاوے۔ ثم وعن انس قال ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اتی منی فاتی الجمرۃ فرماھا ثم اتی منزلہ بمنیٔ ونحرنسکہ ثم دعا بالحلاق و ناول الحاق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا اباطلحتہ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ اباطلحتہ فقال اقسمہ بین الناس۔ (ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں عرفات سے منیٰ میں تشریف لائے تو جمرہ عقبہ کے پاس پہنچے اور اس کی رمی کی پھر منیٰ میں جو مکان آپ کے لئے مقرر تھا اس میں تشریف لائے اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا پھر حلاق کو بلایا اور اس کو سر کا داہنا حصہ اول دیا اس نے داہنے حصہ کو مونڈا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طلحہ انصاری کو بلایا وہ بال ان کو عطا کئے پھر نائی کو سر کا بایاں حصہ دیا اور فرمایا مونڈو اس نے بائیں حصہ کو بھی مونڈا آپ نے وہ بال بھی ابو طلحہ انصاری کو دیئے اور فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کر دو۔ یہاں سے ایک بات پر متنبہ کر دینا مناسب ہے وہ یہ کہ نائی کو آج کل حجام کہتے ہیں یہ لفظ غلط ہے حجام اصل میں پچھنے لگانے والے کو کہا جاتا ہے۔ نائی کو عربی میں حلاق کہتے ہیں مگر ممکن ہے کہ کسی زمانہ میں یہ قوم پچھنے لگانے کا

پیشہ بھی کرتی ہو اس وجہ سے اس وقت اس کام کی مناسبت سے حجام لقب پڑ گیا ہو گا پھر اس پیشہ کے چھوڑ دینے کے بعد بھی لقب باقی رہا- ایک شاعر نے حجام کو خوب دھمکایا ہے کہ تو بڑا بے ادب ہے خط پروردگار میں اصلاح کر دیتا ہے یعنی ڈاڑھی وغیرہ خدا کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں تو ان میں اصلاح دیتا ہے تو خط پروردگار کو درست کرتا ہے- یہ شاعر بھی کسی کو نہیں چھوڑتے شعر یہ ہے

حجام بر دو دست ترا قطع واجب است اصلاح می دہی خط پروردگار را

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مقدار میں اپنے موئے مبارک صحابہ میں تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ شرقاً و غرباً منتشر ہو گئے تھے تو اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے اس کا انکار نہ کر دیا جائے بلکہ اگر سند صحیح سے اس کا پتہ معلوم ہو جائے تب تو اس کی تعظیم کی جائے ورنہ اگر یقینی دلیل افتراء و اختراع کی نہ ہو تو سکوت کیا جائے یعنی نہ تصدیق کی جاوے نہ تکذیب مشتبہ امر میں شریعت نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے- قال علیه السلام لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوهم وقولوا امنا بالله وما انزل الینا رواه البخاری قال فی المرقاة وفیه اشارة الی التوقف فیما استشکل من الاموروالعلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب کرو بلکہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس کی کتاب پر جو کہ ہماری طرف نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں ملا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات پر اشارہ ہے کہ جو امر اور جو مضمون علمی مشتبہ ہو اس میں توقف کرنا چاہیے جرات کر کے ایک جانب کو بلا تیقن معین نہ کرنا چاہیے اہل کتاب کے اقوال میں توقف اس لئے واجب ہے کہ قرآن سے توریت و انجیل کا کتاب اللہ ہونا بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب نے اس میں تحریف بھی کی ہے اب جو مضمون وہ بیان کریں اس میں یہ بھی شبہ ہے کہ کلام الٰہی ہو اور یہ بھی خدشہ ہے کہ اہل کتاب کے محرفات میں سے ہو پس بلا دلیل مستقل کسی ایک جانب کی تعیین دشوار ہے اس لئے توقف واجب ہے یہی حال موئے مبارک کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے بال صحابہ کو تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال جہاں بھی ہو گا اس کی حفاظت کی گئی ہے- اس لئے عقل تقاضا کرتی ہے کہ اس میں سے کچھ بقایا ضرور موجود ہو گی مگر آج کل جھوٹ کا بھی بازار گرم ہے یہ بھی شبہ ہے کہ طمع دنیا سے کہیں جھوٹ موٹ دعویٰ نہ کیا گیا ہو اس لئے اس

کے بارہ میں بھی توقف واجب ہے نہ تصدیق کی جاوے نہ تکذیب مگر سنا ہے مدینہ شریف میں موئے مبارک بسند معتبر موجود ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ موئے مبارک کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ ہم نے موئے مبارک پایا نہیں مگر اتنی خبر سنی ہے کہ دنیا میں موجود ہے سو تسلی کے لئے ہمیں اتنا بھی کافی ہے پھر اوپر یہ شعر فرماتے ہیں۔

مرا از زلف تو موئے پسندست   ہوس را رہ مدہ بوئے پسند است

شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ اشعار خوب موقع سے لاتے ہیں۔ ایک مقام پر جہاں حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کا حال آیا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ شریفہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ مسرور ہوئے صحابہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھ کر قریب تھا کہ ہم نمازیں توڑ دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے سب کو سکون کا حکم فرمایا۔ اس جگہ شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک شعر بہت اچھا لکھا ہے۔

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد   حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

بجز مکتوبات محترمہ کے دوسرے تبرکات کا قبر میں رکھنا جائز ہے

وعن ام عطیته فی قصه غسل زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم و تکفینها انها قالت فالقی حقوه فقال اشعرنها ایاه قال الشیخ فی اللمعات وهذا الحدیث اصل فی البرکته بآثار الصالحین ولباسهم

حضرت ام عطیہ حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل و کفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہ بند ہمارے پاس ڈال دیا کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اس کو رکھو (تاکہ اس کی برکت بدن سے متصل رہے) حضرت شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث آثار و ملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے معلوم ہوا کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں ان کا احترام باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قرآن کے ساتھ ناپاکی کا اتصال حرام ہے اور بدن میت چند روز کے بعد پھولے پھٹے گا وہ نجاست قرآن کو بھی لگے گی اسی طرح وہ کتابیں

جن میں دعائیں ہیں اور انفد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جا بجا ہے قابل احترام بلکہ الفاظ و حروف مطلقاً قابل احترام ہیں بلکہ سادہ کاغذ بھی بوجہ آلہ علم ہونے کے قابل احترام ہے بعض لوگ فرعون وہامان کا نام لکھ کر اس پر جوتے مارتے ہیں یہ بالکل لغو و مہمل حرکت ہے اس پر تو بس نہ چلا الفاظ ہی کی بے حرمتی پر بہادری دکھلائی یہ لوگ وہ تھے جو فرعون کے لفظ کی بے حرمتی کرتے ہیں اور ان کے مقابل بعض وہ لوگ ہیں جو اس لفظ کی ایسی حرمت کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے احسان وانعام کے تذکرہ کا ایک صنعت سے اس کو عنوان بناتے ہیں چنانچہ مثنوی کے ایک محشی نے موسیٰ علیہ السلام کی فتح کے قصہ کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے لفرعون الٰہی فرعون بدریائے نیل غرق شد بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ فرعون الٰہی یہ ترکیب کتنی فصیح ہے مگر مقصود تو یہ تھا کہ فرعون کے قصہ میں خدا کی مدد کا بیان بھی اسی کے نام سے ہو استغفر اللہ العظیم یہ سخت واہیات ہے۔اسی طرح آج کل یہ دستور شائع ہو گیا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کے احسانات وانعامات کا عنوان پیر کے نام سے قرار دیا جاتا ہے مثلاً شاہ فضل الرحمٰن صاحب کے مریدین اپنے اوپر فضل واحسان خداوندی کے تذکرے کریں گے تو سارے الفاظ چھوڑ کر یوں لکھیں گے کہ "بفضل رحمان" اسی طرح ہمارے سلسلہ میں بعض لوگ خطوط میں "بامداد اللہ" لکھتے ہیں مجھے تو اس سے سخت نفرت ہے اور اس میں شرک کی بو آتی ہے اب تو یہ صرف عادت ہے مگر یاد رکھو کہ چند روز کے بعد عبادت ہو جائے گی۔ غرض اس حدیث سے تبرکات وغیرہ کا قبر میں رکھنا جائز معلوم ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ملبوس شریف تبرکاً کفن میں رکھنے کے لئے عطا فرمایا ہے مگر ہم کو تبرک کی نیت سے کسی کو کوئی چیز اپنا ملبوس وغیرہ دینا جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے اور اپنی برکت کو وحی سے جانتے تھے ہمارے اوپر کونسی وحی اتری ہے کہ ہم بھی بزرگ اور صاحب برکت ہیں خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو بسا غنیمت ہے۔ میں نے ایک بار ایسی نادانی کی کہ حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ اپنے کچھ حالات بطور سوانح کے لکھوا دیجئے آپ نے جواب دیا کہ کیا خوب اپنے ہی منہ میاں مٹھو ہوں۔ واقعی اپنے کو بزرگ سمجھنا کیسے ہو سکتا ہے اور تبرک ہوتا ہے بزرگوں کا پس اپنا تبرک کیسے دیا جائے یہاں پر یہ اشکال نہ کیا جاوے کہ مشائخ سے ثابت ہے کہ انہوں نے بعض دفعہ خود بخود بدون درخواست کے اپنے متعلقین کو اپنے تبرکات دیئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حضرات تبرکاً نہیں دیتے تھے کہ مرید کو یہ معلوم ہو جائے کہ شیخ کی میرے حال پر توجہ بہت ہے یا اس خیال سے دیتے ہیں

کہ لینے والے کو اس میں برکت کا گمان ہو گا تو اس کو اس خیال سے نفع ہو گا' چنانچہ واقعی نفع ہوتا ہے- ایک نفع تو میں نے خود محسوس کیا ہے کیرانہ میں ایک گوجر تھے حاجی عبداللہ بڑے بورگ آدمی تھے انہوں نے مجھے ایک چھینٹ کا جبہ دیا تھا جس کا یہ اثر تھا کہ جب تک میں اسے پہنے رہتا تھا معاصی کا خیال نہ آتا تھا بلکہ معاصی سے نفرت رہتی تھی شاید پیروں کے کوئی معتقد یہ سوال کریں کہ شیخ کے تبرک کو پہن کر پاخانہ میں جانا جائز ہے یا نہیں- جواب یہ ہے کہ جائز ہے البتہ اگر غلبہ ادب ہو تو واجب بھی نہیں اور ہر جائز کام کا کرنا ضروری ہی کیا ہے خود میری یہ حالت ہے کہ جب جب شریف تھانہ بھون میں آتا ہے تو اگرچہ اس مکان کی طرف جہاں وہ رکھا جاتا ہے پیر کرنا جائز ہے مگر غلبہ ادب کی وجہ سے مجھ سے اس طرف پیر نہیں کیا جا سکتا ہے یہ سب کچھ ہے مگر اس سے احکام نہیں بدل سکتے حکم شرعی وہی ہے کہ پیر کرنا اس کی طرف جائز ہے اور تبرکات کو پہن کر پاخانہ میں بھی جانا جائز ہے اور یوں کسی کو غلبہ ادب ہو وہ ایسا نہ کرے مگر حکم یہی ہے شرعی حکم کے سامنے نہ الہام کوئی چیز ہے نہ خواب و کشف کچھ ہے-

حضرت نظام الدینؒ و قاضی ضیاء الدینؒ سنامی کی حکایت

شاہ نظام الدین اولیاء و قاضی ضیاء الدینؒ سنامی رحمتہ اللہ علیہما کا قصہ ہے کہ حضرت سلطان جی سماع سنا کرتے تھے اور قاضی صاحب ان کو روکتے تھے- حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اچھا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں کہ میں حق پر ہوں جب بھی مانو گے انہوں نے کہا کہ اچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دو حضرت سلطان جی نے اپنی چادر اتار کر ان کو اڑھا دی دیکھتے کیا ہیں کہ دربار رسالت قائم ہے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مجمع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ فقیر کو کیوں تنگ کرتے ہو- قاضی صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجھے معلوم نہیں کہ میں کس حال میں ہوں ہوش میں ہوں یا بے ہوش ہوں ایسی حالت کا سنا ہوا حکم معتبر نہیں ہو سکتا حکم وہی ہو گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوش و حواس کی حالت میں صحابہ نے نقل فرمایا ہے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا- حضور سلطان جی نے چادر اتار لی اور کہا دیکھا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا' قاضی صاحب نے جواب دیا کہ سنا بھی ہم نے کیا عرض کیا- تو صاحبو شریعت کے احکام کے سامنے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت منامیہ کے وقت کی سنی ہوئی باتیں بھی حجت نہ ہوں گی کیونکہ احکام شرعیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح منقول ہیں جن میں ذرا شبہ کو گنجائش نہیں اور خواب یا کشف کی زیارت میں غلطی کا احتمال باقی ہے عن کبشه قالت دخل علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فشرب من ماء فی قربة معلقة قائما فقمت الی فیها فقطعتها حضرت کبشہ صحابیہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ سے منہ لگا کر کھڑے کھڑے پانی پیا میں کھڑی ہوئی اور دہانہ مشک کو کاٹ کر تبرکاً اپنے پاس رکھ لیا قال القاضی عیاض رحمته الله علیه فی الشفاء ومن اعظامه صلی الله علیه وسلم اعظام جمیع اسبابه و اکرام مشاهده و امکنته من مکه و المدینة و معاهده و ملامسه علیه الصلوة و السلام و ایضاً قال کانت فی قلنسوة خالد بن الولید شعرات من شعره صلی الله علیه وسلم فسقطت قلنسوته فی بعض حروبه فشد علیها شدةً انکسر علیه الصحابه لکثرة من قتل فقال لم افعلها بسبب القلنسوة بل لما تضمنت من شعرالنبی صلی الله علیه وسلم لئلا اسلب برکتها و تقع فی ایدی المشرکین الخ

خاص تبرکات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ شفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام متعلقات کی تعظیم کی جائے اور جس جگہ آپ تشریف لے گئے ہیں اس کا اکرام کیا جاوے اور مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں جن مکانات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کا انتساب ہے ان کا احترام کیا جاوے ویسی ہی جن چیزوں کو آپ نے لمس کیا ہے نیز شفاء میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ بعض لڑائیوں میں ان کی کلاہ سر پر سے گر پڑی تو اس کے لئے انہوں نے ایسا سخت حملہ کیا جو ان کے ساتھیوں کو غیر معمولی معلوم ہوا کیونکہ اس حملہ میں بہت آدمی قتل ہوئے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کی وجہ سے نہیں کیا تھا بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے ان کی وجہ سے کیا تھا کہ مبادا کہیں میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک بال کفار کے ہاتھ میں پہنچ جائیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ چند کھجوریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دم کردی تھیں جس کو انہوں نے ایک توشہ میں رکھ لیا تھا اور ان میں ایسی برکت ہوئی کہ ہمیشہ ان میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت میں وہ ان کے پاس سے کھوئی گئیں جس کا ان کو بہت صدمہ ہوا چنانچہ ان کا شعر بھی اس بارہ میں مشہور ہے۔

للناس هم ولى فى اليوم همان   فقد الجراب و قتل الشيخ عثمان

کہ لوگوں کو ایک ہی غم ہے اور مجھے آج دو غم ہیں توشہ دان کے کھوئے جانے کا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کا حضرت ابو ہریرہؓ کو اس برکت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہو جانے کا غم تھا جو ان چھواروں میں تھی عشاق کی یہی حالت ہوتی ہے کہ محبوب کی ذرا ذرا سی چیز پر جان دیتے ہیں۔

در منزلے کہ جاناں روزے رسیدہ باشد   باخاک آستانش داریم مرحبائے

عشاق کو تو اسی حب منزل محبوب کی بنا پر جنت کی بھی تمنا اسی طمع و اشتیاق میں ہو گی کہ وہاں جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوں گے جنت میں گو راحت تو ان شاء اللہ ملے ہی گی مگر عشاق کو جنت کی اصل تمنا اور آرزو زیادہ اسی لئے ہوتی ہے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گی تو گویا جنت بھی آپ ہی کی ذات بابرکات سے مقصود ہو گئی اور جنت تو جنت آپ کی تو یہ شان ہے کہ دنیا میں بھی جس حصہ زمین پر آپ ہوں وہ مقصود ہو جاتا ہے چنانچہ ارشاد ہے لا اقسم بھذ البلدو انت حل بھذ البلد اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے واؤ حالیہ قرار دیا ہے بس معنی یہ ہوں گے کہ میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اس حال میں کہ آپ اس میں مقیم ہیں یعنی آپ کی اقامت کی وجہ سے یہ شہر اس درجہ مکرم ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ اس کی قسم کھاتے ہیں پس اس بنا پر کہ جب جنت میں داخل ہو جاؤ گے تو ایک خوشی تو ہو گی راحت ملنے کی اور غم کے زائل ہونے کی کہ اللہ کا شکر ہے دنیا کے مصائب سے نجات ہو گئی چنانچہ حق تعالیٰ جنتیوں کا قول نقل فرماتے ہیں کہ اہل جنت کہیں گے۔ الحمدللّٰه الذى اذهب عنا الحزن ان ربنا لغفور شكورا الذى احلنا دارالمقامة من فضله لا يمسنا فيها نصب ولا يمسنا فيها لغوب۔ یعنی حمد و شکر کرتے ہیں ہم اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔ بیشک خدا تعالیٰ بھلے بخشنے والے بہت قدر دان ہیں جس نے اپنے فضل سے ہمیں اقامت کی جگہ میں پہنچا دیا

(یعنی جنت مثل دنیا کے دار الارتحال نہیں بلکہ دار الاقامۃ ہے) نہ ہمیں اس میں مشقت پہنچتی ہے نہ تھکن یہ خوشی تو طبعی ہوگی دوسری خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہوگی اور یہ خوشی عشقی ہوگی مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ایک قصہ کے ضمن میں تبریز کا ذکر فرماتے ہوئے مولانا شمس تبریز کو یاد کر کے تبریز کے حق میں کہتے ہیں۔

ابر کی یا ناقتی طاب الامور ان تبریزا مناجات الصدور

اسر حی یا ناقتی حول الریاض ان تبریزا لعانعم الفاض

سار بانا بار بکشاز اشتراں شہر تبریز ست وکوئے گلستاں

یہ اشعار زبان حال سے جنت میں جانے کے وقت پڑھنے کے قابل ہوں گے پس ابر کی اور اسر حی یا ناقتی جب جنت میں پڑھیں گے تو وہاں ناقہ سے مراد جسم ہوگا یعنی اے بدن ٹھہر جا اور خوب کھا پی اب تعب نہیں رہا مشقت کے دن گئے اب تبریز حقیقی آگیا تو یہ جسم اونٹنی ہے جو روح کا مرکب ہے اور اس پر سوار ہو کر ہم اعمال کرتے ہیں اور اس مرکب ہونے کے لحاظ سے یہ اعضاء بھی قابل قدر ہیں کہ اعمال صالحہ کا ذریعہ ہیں عارفین کو اپنے بدن کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ایک عارف کہتے ہیں۔

نازم چشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی محبوب تک رسائی ہونے میں چونکہ ان کو دخل ہے اس وجہ سے یہ رتبہ ان اعضاء کا ہو گیا کہ یہ قابل بوسہ کے ہیں اور باعث ناز ہیں اور جب اس تعلق سے قطع نظر کر لی جائے تو اس حالت میں یہ اس کے مصداق ہیں جو دوسرے صاحب حال کہتے ہیں۔

حذا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد چنیں لطیف روئے

یا جیسے حضرت قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن نہ دہم

گوش را نیز حدیث تو شنیدن نہ دہم

یعنی میری نظر ہونے کے لحاظ سے یہ بھی غیر ہے اور قابل غیرت ہے اور اس حیثیت سے کہ آپ کا عطیہ ہے قابل قدر و باعث فخر ہے۔چنانچہ اس کے بعد ہی تنعم کا مقصود ہونا اسی اعتبار سے فرماتے ہیں۔

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد تانہ بینم رخ تو روح رمیدن نہ دہم

پس ناقہ بدن کو من حیث آلۃ الوصول گویا جنتی بلسان حال خطاب کرتا ہے ابرکی یا ناقتی اور اسرحی یا ناقتی اور عجیب بات ہے کہ ان اشعار میں بھی حول الریاض آیا ہے اور جس آیۃ کا بیان ہو رہا ہے اس میں بھی فی روضۃ وہی مادہ واقع ہے پس یہ عجیب تطابق ہے لفظاً بھی معنیً بھی اور فی روضۃ کے بعد جو یحبرون آیا ہے مضمون مقصود کا نام الحبور بھی اسی لئے رکھا گیا ہے۔ بہر حال جنت میں جانا حبور ہے تو جنت میں جانے کا سبب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم واتباع کی برکت ہے اصل الحبور ہے پھر بقیہ مضمون تبرکات کا معروض ہے وایضاً قال القاضی و حکی عن عبدالرحمٰن السلمیٰ عن احمد بن فضلویہ الزاھد وکان من العزۃ الرماۃ انہ قال مامسست القوس بیدی الاعلی طھارۃ منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذ القوس بیدہ۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تابعی کی حکایت بیان فرمائی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے اس وقت سے بے وضو کمان کو میں نے کبھی ہاتھ میں نہیں لیا اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ادب کا کہ جس چیز کا ہاتھ میں لینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو گیا اس کی مثل کو بھی بے وضو کبھی نہ چھوا یہ تو سب کر سکتے ہیں کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مس فرمایا ہے اس کو بے وضو ہاتھ میں نہ لیا جائے مگر یہ بات کہ اس کی نوع میں سے بھی کسی کو بے وضو نہ چھوا جائے یہ غایت ادب ہے۔

بعض محبین کی حکایت

وایضاً قال القاضی عیاض رای ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما واضعاً یدہ علی مقعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم من المنبر ثم وضعھا علی جبہ۔ قاضی عیاض حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اپنا ہاتھ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر نشستگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مس کر کے اپنی پیشانی کو ملتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز ملبوس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مس کی گئی ہو اس میں بھی برکت ہوتی ہے مگر اس سب کے ساتھ ان کو عید نہ بنانا چاہیے کیونکہ سمجھنے کی بات ہے کہ ان چیزوں کی قدر کس لئے ہے اسی لئے تاکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں ہیں پھر احکام بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہیں ان کی بھی تو قدر کرنا چاہیے ان میں بھی تو برکت ہے

اس برکت کو بھی تو لینا چاہیئے- غرض وہ جو سوال کیا گیا تھا کہ سلف صالحین کا تبرکات کے ساتھ کیا برتاؤ تھا ان روایتوں سے اس کا جواب معلوم ہو گیا ان ہی کے موافق ہم کو بھی عمل کرنا چاہیئے اس سے زیادہ تعدی نہ کرنا چاہیئے-

بدعات کے لئے وقف ناجائز و باطل ہے

بعض لوگ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ جبہ شریف کے لئے نذریں مانتے ہیں فقہا نے اس کو حرام لکھا ہے کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لئے نہیں ہو سکتی عبادت خالق جل شانہ کے لئے خاص ہے۔ بحر الرائق میں اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ نذر ماننا مخلوق کے لئے سب کے نزدیک اتفاقاً حرام ہے نہ وہ نذر منعقد ہو گی اور نہ اس کا پورا کرنا ذمہ میں واجب ہو گا اور وہ حرام بلکہ سخت حرام ہے- مجاوروں کو اس کا لینا- کھانا اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں اصل عبارت یہ ہے- فی البحرالنذر للمخلوق لا یجزوزالا انه عبادة والعبادة لایکون للخلوق وفیه الاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا یتعقد ولا تشتغل الذمة منه وانه حرام بل سحت ولا یجوز لخادم الشیخ اخذه ولا اکله ولا التصرف فیه بوجه من الوجود بعض لوگ جبہ شریف کے عرس وغیرہ کے لئے زمینیں وقف کرتے ہیں تو یاد رکھئے اگر وقف کرنے والے کی نیت اس وقف سے یہی ہے کہ ان بدعات و خرافات میں اس کا روپیہ صرف کیا جائے تب تو یہ وقف باطل ہے جائز نہیں اور وقف کرنے والا گنہگار ہے- وفی العالمگیریته ومنها ان من شرائط صحته ان یکون قربته من ذاته و عندالتصرف الخ یعنی صحت وقف کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کام کے لئے وقف کیا گیا ہے وہ فی نفسہ بھی قربت ہو اور وقت تصرف کی بھی قربت ہو اور ظاہر ہے کہ عرس وغیرہ کا دلائل شرعیہ سے حرام ہونا معلوم تو اس کی نیت سے وقف بھی صحیح نہ ہو گا اور نہ اس کے لئے چندہ دینا درست ہو گا البتہ اگر اس نیت سے وقف کیا جائے کہ جو فقراء و مساکین اس کی زیارت کو حاضر ہوں ان پر صرف کیا جائے اور جو لوگ اس کے متولی ہوں وہ بھی بقدر حاجت اس میں سے لے لیا کریں تو یہ وقف صحیح ہے اور اس نیت سے خدام جبہ کو کچھ دینا بھی جائز ہے-

جبہ شریف کے لئے نذریں ماننا حرام ہیں

غرض جبہ شریف کے لئے نذریں ماننا بالکل حرام ہیں اس سے مسلمانوں کو احتراز لازم ہے بعض لوگ نذر کے پیسے جبہ شریف کے اوپر لاکر رکھتے ہیں اور یہ اعتقاد کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دست مبارک میں لیتے ہیں استغفر اللہ العظیم کیا یہ ناپاک چیزیں اسی قابل ہیں کہ جبہ شریف پر ان کو رکھا جائے اور یہ اعتقاد کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دست مبارک میں لیتے ہیں۔ واقعی جب ادب میں غلو ہوتا ہے تو بے ادبی ہونے لگتی ہے اور کرنے والوں کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑ جاتے ہیں کہ ان کو ذرا بھی عقل نہیں آتی بھلا یہ گندے پیسے جو چمار اور بھنگیوں کے ہاتھوں میں بھی جاتے ہیں جبہ شریف پر رکھنے کے قابل ہیں سچ کہا کسی نے توقع زوالا اذا قیل تم کو جب کوئی چیز کمال کو پہنچ جاتی ہے اب اس کے زوال کی توقع کرو کیونکہ کمال کے بعد آگے کوئی مرتبہ رہا نہیں لا محالہ اب پیچھے کو لوٹیں گے بالکل یہی حال ہو رہا ہے کہ ادب میں غلو کرتے کرتے اب بے ادبی کی طرف لوٹنے لگے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اعتدال سے ہر کام کرنا چاہئے اس مضمون کا پہلا جزو جو کہ تبرکات کے متعلق تھا ختم ہوا۔ اب دوسرا جزو کہ وہ بھی اسی مضمون کے متعلق ہے اور پھر دونوں جز مل کر ایک ہیں وہ بیان کرتا ہوں اور وہ دوسرا جزو گیارھویں کے متعلق ہے اس روز لوگ حضرت غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی گیارھویں مناتے ہیں اول تو لا تتخذوا قبری عیداً سے اس کا بھی رد ہو گیا کیونکہ مثل یوم المیلاد وغیرہ کے یہ دن بھی متبدل ہو گیا جب غیر متبدل یعنی قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عید منانا حرام ہے تو متبدل یعنی بڑے پیر صاحب کی گیارھویں کا عید منانا کیسے جائز ہو گا۔

گیارھویں کرنے والوں کو تاریخی غلطی

دوسرے یہ تاریخ حضرت کی وفات کی کسی مورخ نے نہیں لکھی نہ معلوم عوام نے گیارھویں تاریخ کس کشف والہام سے معلوم کر لی۔ بعض لوگ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارھویں کیا کرتے تھے تو اول تو یہ روایت ثابت نہیں اس کا ثبوت دینا چاہئے دوسرے اگر ہو بھی تو کیا تم حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارھویں چھوڑ کر بڑے پیر صاحب کی گیارھویں کرتے ہو یہ تو ان کے بھی خلاف ہے کیونکہ اگر بالفرض وہ گیارھویں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کرتے تھے تو اس کو ہرگز وہ

گوارا نہ کر سکتے تھے کہ میرے بعد جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میری گیارھویں کی جائے۔ تیسرے اس میں عقیدہ بھی فاسد ہے کہ لوگ حضرت غوث اعظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد کرتے ہیں تو بڑے پیر کی گیارھویں بلکہ بعض جگہ حضرت غوث اعظم کا میلاد بھی ہونے لگا گویا بالکل ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوات ہو گئے اور غضب یہ ہے کہ کرنے والوں کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر گیارھویں نہ کریں گے تو بلا نازل ہو گی بڑے پیر صاحب ناخوش ہو جائیں گے اور پھر نہ معلوم کیا سے کیا کر دیں گے گویا نعوذ باللہ وہ مخلوق کو تکلیف دیتے پھرتے ہیں نیز گیارھویں کرنے کو مال و اولاد کی ترقی کا باعث سمجھتے ہیں اس میں حضرت غوث اعظم سے دنیا کے لئے تعلق رکھنا ہوا یہ کیسی بے حیائی ہے کہ جس مردار کو وہ چھوڑ کر الگ ہو گئے تھے اسی کے لئے ان سے تعلق کیا جائے۔

گیارھویں کی عملی اور اعتقادی خرابیاں

غرض گیارھویں کے اندر بھی عملی اور اعتقادی بہت سی خرابیاں ہیں اس کو چھوڑنا چاہیے اگر کسی کو حضرت غوث اعظم کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو تو کچھ قرآن پڑھ کر ان کی روح کو ثواب بخش دے یا بلا تعیین تاریخ وغیرہ غرباء کو کھانا کھلا دے۔ اب میں وعظ کو ختم کرتا ہوں اور اس دوسرے حصہ وعظ کا نام کام الحضور الا مور الصدور رکھتا ہوں اس میں صدر نہ جمع ہے صدر کی جس کے معنے ہیں عظیم الشان چونکہ اس میں تبرکات کی زیارت وغیرہ کا ذکر ہے اس لئے یہ نام مناسب ہے یہ تو ہر حصہ کا الگ الگ نام ہے پھر جی چاہتا ہے کہ مجموعہ کا نام بھی رکھ دیا جائے تو مجموعہ کا نام راس الربیعین ہے وجہ اس نام کی یہ ہے کہ جز اول اس نام کا یعنی راس بمعنی طرف ہے جس کا اطلاق کبھی طرف اول پر کبھی طرف اخیر پر آتا ہے اور آج کا دن ایک ماہ کا محتمل ختم اور دوسرے ماہ کا محتمل آغاز ہے اور جزو ثانی کے معنی ظاہر ہیں اور لطیفہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ نام اس سے پہلے والے وعظ کے نام کے بھی یعنی اساس الربیعین کے مناسب ہے اگر کوئی صاحب شائع کریں تو دونوں کو الگ الگ شائع نہ کریں کیونکہ میر الطیف ربیعین کا ضائع ہو جائے گا اس کے متعلق میں نے ایک خواب کانپور میں سنا تھا۔ جب جامع مسجد کانپور کے وسیع کرنے کا خیال ہوا تو ایک منار کو توڑنے کی رائے ہوئی تا کہ بیچ میں مینار واقع نہ ہو بلکہ مسجد کو بڑھا کر کنارہ میں نیا مینار تعمیر کیا جائے۔ تو ایک شخص نے رات کو خواب

میں دیکھا کہ دونوں مینار گلے مل کر رو رہے ہیں۔ اللہ اکبر جمادات میں بھی انس کا مادہ ہے کہ ایک کو دوسرے کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اسی طرح یہ دونوں وعظ باہم متناسب اور موزوں ہیں اور قریب قریب مضمون کے ہی ہیں اور ایک ہی وقت میں بیان ہوئے ہیں اس لئے ان میں بھی جدائی نہ کی جائے اگرچہ شرعاً جائز ہے۔

خلاصہ مضمون

سب مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ بڑی خوشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس بات پر ہونی چاہئے کہ آپ کی برکت سے ہمیں ایمان اور اعمال کی توفیق ہوئی اور یہ خوشی جنت میں جا کر پوری طرح محسوس ہوگی جس کی آیت میں بشارت ہے۔ فاما الذین امنوا وعملو الصلحت فھم فی روضۃ یحبرون اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین اس سال یہ مضمون ربیع الاول کے بالکل اخیر میں ہوا جس میں منجانب اللہ یہ لطیفہ ہو گیا کہ وقت کا التزام نہ رہا اور ان شاء اللہ کبھی ایسا بھی ہوگا کہ اس کے متعلق بالکل ہی بیان نہ ہوگا تاکہ التزام کا بالکل وہم بھی نہ رہے فقط

والحمدللہ رب العالمین

اَلسَّلامُ التحقیقی

حقیقی امن

مدرسہ سروٹ ضلع مظفر نگر میں ۱۲ شوال ۴۰ ھجری ۹ جون ۱۸۲۲ء کو "ثمرات اسلام کامل" کے موضوع پر تخت کے اوپر ایک کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ وعظ صبح ۶ بج کر ۳۹ منٹ پر شروع اور ۹ بج کر ۳۳ منٹ پر ختم ہوا۔ حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ (مقیم میرٹھ محلہ کرم علی) نے اسے قلمبند کیا جبکہ سامعین کی تعداد ۲۵۰ تھی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ- امابعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فمن یرداللّٰہ ان یہدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یردان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً کا نمایصعد فی السماء کذلک یجعل اللّٰہ الرجس علی الذی لایومنون وھذا صراط ربک مستقیما قد فصلنا لآیات لقوم یذکرون لھم دارالسلام عندر بھم وھو ولیھم بما کانوا یعملون-
(ترجمہ) بس جس شخص کو اللہ راستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتے ہیں اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتے ہیں جیسے کوئی آسمان پر چڑھنا چاہتا ہو اسی طرح اللہ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے واسطے ان آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے-

یہ آیتیں جن کی تلاوت کی گئی ہے اس وقت ان میں سے اخیر آیت کا بیان مقصود ہے۔ اول کی آیتیں محض ربط کے واسطے پڑھی گئی ہیں۔ کیونکہ ان کو مقصود کی توضیح اور تعیین میں دخل تھا۔ پرسوں کے بیان میں اسلام کی حقیقت اور اسلام حقیقی کی ترغیب دی گئی تھی۔ اور اس کے متعلق مفصل کلام کیا گیا تھا۔

ثمرہ کا بیان موجب ترغیب ہے

ایک ذریعہ ترغیب کا یہ بھی ہوتا ہے کہ مقصود کا ثمرہ بیان کیا جاوے۔ اس کے سننے سے اور اطلاع ہونے سے رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ جہاں اسلام کا بیان کیا گیا وہاں اس کا ثمرہ بھی بیان ہوتا کہ رغبت اسلام حقیقی کی پیدا ہو اور اس آیت میں وہ ثمرہ مذکور ہے اس واسطے اس آیت کو بیان کے لئے اختیار کیا گیا۔ اور وہ ثمرہ اخیر کی آیت میں ہے تو مقصود بالذات وہ ہی اخیر کی آیت ہوئی۔ اور پہلی دو آیتیں اس واسطے تلاوت کی گئیں کہ معلوم ہو کہ اس اخیر کی آیت ہوئی۔ اور پہلی دو آیتیں اس واسطے تلاوت کی گئیں کہ معلوم ہو کہ اس اخیر آیت میں جو ثمرہ مذکور ہے وہ اسلام کا ہی ہے۔ پہلی آیت میں تو اسلام کا لفظ ہی موجود ہے اور دوسری

آیت میں اسلام کا لقب صراط مستقیم ہے اور تیسری یہ اخیر کی آیت ہے جو اس وقت مقصود بالبیان ہے۔ اس میں ثمرہ مذکور ہے۔ پہلی آیت یہ ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام اس میں صریح لفظ اسلام موجود ہے اور دوسری آیت یہ ہے وھذا صراط ربک مستقیما۔ ہذا اسم اشارہ ہے اس کے لئے مشار الیہ چاہئے وہ مشار الیہ یہاں سوائے اسلام کے کچھ نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو اسلام ہے وہی صراط مستقیم ہے۔ ایک جگہ اس کو اسلام کہا گیا دوسری جگہ صراط مستقیم۔ اسلام اس کا اسم ہے۔ اور صراط مستقیم لقب۔ تو اسم بھی مذکور ہوا اور لقب بھی۔ دو آیتوں میں تو یہ ہوا اور بعد میں تیسری آیت میں تفریع کے طور پر نتیجہ بیان کیا گیا۔ وہ تیسری آیت یہ ہے۔ لھم دارالسلام عند ربھم وھو ولیھم بما کانوا یعملون۔ اس میں ضمیریں جمع کی ہیں جو راجع ہیں من کی طرف من گو لفظ مفرد ہے مگر معنے جمع ہے لہذا جمع کی ضمیر اس کی طرف پھیرنا جائز ہے جیسا کہ نحو جاننے والے سمجھتے ہوں گے۔ حاصل آیت کا یہ ہوا کہ جس کو ہدایت کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس کو اسلام کے متعلق شرح صدر دے دیتے ہیں۔ اور دوسرے جملہ میں اس کا مقابل مذکور ہے کہ جس کو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتے ہیں کہ اسلام کے متعلق اس کو اطمینان نہیں ہوتا۔ اور اس حالت کو رجس فرمایا اور اسلام کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صراط مستقیم یعنی سیدھی راہ ہے۔ اور اس سب کے بعد نتیجہ بیان فرمایا لھم دارالسلام یعنی جو لوگ اس من کے مصداق ہیں یعنی جن کے ساتھ حق تعالیٰ کا ارادہ اچھا ہے اور ان کو ہدایت کی گئی ہے ان کے واسطے دارالسلام ہے۔ مجھے اس وقت مقصود اسی نتیجہ کا بیان کرنا ہے۔

آیات قرآن میں ربط ہے

اور باقی آیتوں کا ترجمہ اور جو کچھ بیان ہوا وہ ارتباط عبارت کے لئے تمہید تھی مقصود میں اس کو کچھ زیادہ دخل نہیں۔ اسی واسطے اس تمہید کا عنوان طالب علمانہ بیان ہوا جو غالباً عام فہم نہ ہوگا۔ اس تمہید کی ضرورت یہ ہے کہ آگے چل کر مقصود کی توضیح اچھی طرح ہو سکے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جاوے کہ قرآن شریف میں تناسق اور ارتباط ہے۔ اور یہ بہت ظاہر ہے گو وہ ارتباط ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتا۔ اور بہت

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی آیتوں میں باہم ربط نہیں ہے ابھی ایک آیت میں کچھ بیان ہے اور ابھی دوسری میں کچھ بیان ہونے لگا- یہ خیال غلط ہے- قرآن کی آیات اور الفاظ میں ایسا ربط ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہو سکتا اور کیسے نہ ہو قرآن تمام کتابوں اور کلاموں پر بلاغت میں فوقیت رکھتا ہے اور کلام میں یہ بڑا عیب ہوتا ہے کہ بے جوڑ ہو ایک معمولی کلام میں بھی یہ عیب نہ ہونا چاہئے چہ جائیکہ قرآن جیسے ابلغ الکلام میں- اس ارتباط ہی کے بیان کے لئے اوپر کی آیتیں پڑھی گئیں-

مسلمان ہونے کا ثمرہ

اب اصل مقصود بیان کیا جاتا ہے اور وہ ثمرہ ہے اسلام کا- وہ ثمرہ کیا ہے لهم دارالسلام عندربهم وهو وليهم بما كانوايعملون- میں اول ترجمہ کئے دیتا ہوں جس سے اجمالاً مقصود معلوم ہو جاوے گا- ترجمہ یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں کے لئے سلامتی کا گھر ہے خدائے تعالیٰ کے پاس ایک ثمرہ تو یہ ہوا- اور دوسرا ثمرہ دوسرے جملہ میں- اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے یا یوں کہا جاوے کہ ایک نہیں ہے مگر دونوں متلازم ہیں- اور وہ یہ ہے وهو وليهم بماكانوايعملون یعنی حق تعالیٰ کو ان سے علاقہ محبت کا ہے- ان اعمال کی وجہ سے جن کو وہ کیا کرتے تھے دنیا میں یہ ترجمہ ہوا- اس میں دو بشارتیں ہیں اسلام والوں کے لئے ایک سلامتی کا گھر ملنا اور ایک یہ کہ اللہ جل جلالہٗ کو ان سے علاقہ محبت کا ہے-

ثمرات کا اصل مقصود

غور سے دیکھا جاوے تو ان دونوں ثمروں کا حاصل ایک ہی ہے- کیونکہ مقصود کا حاصل دو امر ہوتے ہیں- ایک مضرات سے بچنا اور دوسرا منافع کا حاصل ہونا- چنانچہ ساری دنیا کی کوششیں کسی مقصود کے حاصل کرنے میں اسی واسطے ہوتی ہیں کہ تکلیفوں سے بچا جاوے- اور راحت کو حاصل کیا جاوے- ہر کام میں یہی قاعدہ ہے- تجارت ہیں زراعت میں- نوکری میں- سب میں دو باتیں حاصل کی جاتی ہیں- تجارت میں آدمی یہ ہی چاہتا ہے کہ مجھ کو کوئی نقصان نہ پہنچے- راس المال محفوظ رہے اس میں کسی قسم کی کمی نہ ہو- یہ مضرت سے بچنا ہوا- اور اس کے محفوظ رہنے کے ساتھ کچھ مال بڑھ جاوے- یہ منفعت کا حاصل ہونا ہوا- علیٰ ہذا زراعت میں بھی یہ ہی

دو باتیں دیکھی جاتی ہیں- بیج ڈالا جاتا ہے اس غرض سے کہ اتنا یہ ہم کو لوٹ کر مل جاوے یہ تلف نہ ہو جاوے یہ دفع مضرت ہے- اور اس تخم کے ساتھ کچھ اور بھی پیدا ہو جاوے یہ حصول منفعت ہے- ایسے ہی نوکری میں ہے کہ یہی کوشش کی جاتی ہے کہ کچھ آمدنی ہو اور تنگدستی کی تکالیف دور ہوں یہ دفع مضرت ہے اور عیش و آرام سے بسر ہو یہ حصول منفعت ہے- غرض جس کام میں بھی آپ غور کریں گے تو مقصود کا حاصل یہی دو امر ملیں گے دفع مضرت اور حصول منفعت بنا بریں اسلام کا حاصل بھی یہی دو امر ہوں گے دفع مضرت اور حصول راحت ان دونوں کو ایک بھی کہہ سکتے ہیں اس طرح کہ مقصود کے دونوں جز ہیں دونوں ملکر مقصود پورا ہوتا ہے اور ان کو دو بھی کہا جائے تو صحیح ہے کیونکہ دو چیزیں تو ہیں ہی مگر قصد میں دونوں متلازم ہیں اس وجہ سے کہ دونوں کا قصد کیا جاتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ ایک کا قصد کیا جائے اور ایک کا نہ کیا جائے غرض ایک کہو دونوں کو یا دو کہو اور دونوں کو متلازم کہو یہ ہی ثمرے ہوتے ہیں ہر کام کے چنانچہ اسلام کے ثمرے بھی یہی دو ہیں- دفع مضرت- اور حصول راحت لفظ سلام میں اشارہ ہے اول کی طرف یعنی ان سے تمام تکالیف دور ہو جائیں گی اور لفظ وھو ولیھم میں اشارہ ہے دوسرے کی طرف- یعنی ان کو راحت حاصل ہو گی یہ حاصل ہے دونوں ثمروں کا- اس سے وجہ معلوم ہو گئی دونوں آیتوں کے پڑھنے کی- وہ وجہ یہ ہے کہ دونوں میں اسلام کے ثمرے مذکور ہیں- اور اسی کا بیان اس وقت مقصود ہے- پہلے بیان میں اسلام کامل کی حقیقت بتائی گئی تھی- اور آج اسلام کامل کا ثمرہ بتایا جائے گا اس ثمرہ کا بیان آیت میں اس طرح سے ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمرہ علی وجہ الکمال حاصل ہو گا- دفع مضرت ہو گا تو اس طرح کہ کوئی مضرت باقی نہ رہے گی اور حصول راحت ہو گا تو وہ بھی اس طرح کہ کوئی راحت چھوٹ نہ جائے گی- اس آیت میں ایسے الفاظ اور قرائن موجود ہیں- جن سے معلوم ہوتا ہے- کہ ثمرہ کامل حاصل ہو گا مثلاً یہ کہ دو ثمرے حق تعالٰی نے بیان فرمائے- اور یہ دو ثمرے ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی ثمرہ ہو ہی نہیں سکتا کسی کام کا اس واسطے کہ دو ہی چیزیں مقصود ہوتی ہیں- دفع مضرت اور حصول راحت اور ان دونوں کا اس میں ذکر ہے اور ان کے سوا اور کوئی ثمرہ ہوتا نہیں تو حاصل یہی تو ہوا کہ پورا ثمرہ ملے گا اور کوئی ثمرہ ایسا نہ رہے گا جو نہ ملے کیونکہ ثمرہ کے دو ہی فرد

ہیں اور دونوں حاصل ہوئے تو اور کیا باقی رہا اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کی نسبت کہا جائے کہ اس کے پاس سونا بھی ہے اور چاندی بھی ہے اور قیمتی مال کہ فرد یہی دو ہوں تو اس کا مطلب یہی ہو گا کہ اس کے پاس ہر قسم کا مال موجود ہے اور کوئی فرد مال کا ایسا نہیں رہا جو اس کے پاس نہ ہو علیٰ ہذا جب ثمرہ کے فرد یہی دو ہیں اور دونوں کے حصول کو ظاہر کر دیا گیا تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ کوئی ثمرہ ایسا نہیں رہا جو ان کو حاصل نہ ہو معلوم ہوا کہ جس کو اسلام حاصل ہے اس کو ایسے ثمرات آخرت میں ملیں گے کہ کوئی ثمرہ ان سے باہر نہ ہو گا اور واقعی آخرت ایسی ہی جگہ ہے جہاں کسی بات کی کمی نہیں بس خدا تعالیٰ اسلام نصیب فرماویں اور اس پر خاتمہ کر دیں پھر وہاں کسی بات کی کمی نہیں۔

مختلف ثمرات آخرت پر ایک اشکال کا جواب

اب یہاں ایک طالب علمانہ اشکال ہوتا ہے کہ دعویٰ کیا گیا کہ آخرت میں اہل اسلام کو ثمرات کامل عطا ہوں گے کوئی مضرت باقی نہ رہے گی اور کوئی راحت نہ چھوٹے گی اور یہ بات مسلم ہے کہ آخرت میں اہل جنت کے درجات بھی مختلف ہوں گے کوئی اعلیٰ درجہ کا جنتی ہو گا اور کوئی کم درجہ کا تو اگر یہ بات ہے کہ وہاں کے ثمرات میں کسی قسم کا نقصان نہیں تو لازم آئے گا کہ کوئی اعلیٰ اور کوئی ادنیٰ نہ ہو بلکہ سب کے درجات کامل ہی ہوں حالانکہ فرق مراتب ہو گا اور فرق مراتب کے معنی سوائے اس کے کیا ہیں کہ ایک کے پاس کوئی شے زائد ہے اور ایک کے پاس کم جس کے پاس کم ہے اس کا ثمرہ ناقص ہوا یہ اشکال ہے۔

دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے

اس کا جواب سنیئے پہلے ایک مقدمہ سن لیجئے وہ یہ ہے کہ دو عالم ہیں دنیا اور آخرت ان دونوں میں نسبت کیا ہے حدیث میں ان کی نسبت ایک مثال کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر ایک انگلی سمندر میں ڈالی جائے تو اس میں کچھ پانی سمندر کا لگ جائے گا جو نسبت اس انگلی میں لگ جانے والے پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ ہے یہی نسبت دنیا کو آخرت کے ساتھ ہے ظاہر ہے کہ اس پانی کو سمندر کے پانی کے ساتھ کیا نسبت ہے کہ کچھ بھی نہیں ہے اگر اس کا حساب لگاویں تو سینکڑوں

[illegible]

[illegible]

بدلا ہو گا دنیا کا دودھ باسی ہونے سے بھی خراب ہو جاتا ہے اور وہاں کا دودھ ہزاروں برس گذرنے سے بھی ویسا ہی رہے گا۔

شراب طہور کی صفت

اور نہ وہاں کی شراب دنیا کی سی شراب ہے وہاں کی شراب وہ ہے جس کو دنیا میں کسی نے دیکھا ہی نہیں دنیا کی شراب ناپاک ہے اور بدمزہ ہے اور وہ شراب بدمزہ نہیں بلکہ لذۃ للشاربین اس کی صفت ہے اور طہور ہے طہور صیغہ مبالغہ کا ہے یعنی بہت پاک کرنے والی کہ سینہ اور روح کو پاک صاف کر دیں گی دنیا کی شراب نشہ لاتی ہے اور حواس اور عقل کو مکدر کرتی ہے اور وہ نشہ نہیں لاتی اور حواس اور عقل کو اور زیادہ صاف کرنے والی ہے حق تعالیٰ نے اس کو صرف طاہر ہی نہیں فرمایا بلکہ طہور فرمایا بمعنی مطہر یعنی دوسری چیز کو بھی پاک کر دینے والی اس سے اس کا خود طاہر ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو گیا کیونکہ جو چیز دوسرے کو پاک کرتی ہے وہ خود ضرور پاک ہو گی غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے سوائے شرکت اسمی کے کچھ نسبت نہیں جن پھلوں کے نام آئے ہیں دنیا میں بھی گو وہ پھل موجود ہیں مگر وہاں کے پھلوں سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتے اسی طرح وہاں عورتیں بھی ہیں جن کو حور عین فرمایا گیا ہے ایسی عورتیں اس عالم میں کہیں بھی موجود نہیں غرض وہاں کی کسی چیز کو دنیا کی کسی چیز سے کچھ مشابہت نہیں یہ حقیقت ہے خیر کی۔

اشیاء جنت کی حقیقت

یہاں ایک اور مضمون ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں سے اچھا کہنے کے معنی یہ نہیں کہ چیزیں جنت میں وہی ہیں جو دنیا میں ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی ہیں جیسے دنیا کی چیزوں میں یہی فرق ہوتا ہے ایک میلا پانی اور ایک صاف ستھرا چھنا ہوا پانی کہ حقیقت دونوں کی ایک ہے صرف وصف میں فرق ہے بلکہ اچھا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جنت کی چیزوں کی حقیقت ہی دوسری ہے اس حقیقت کی چیز دنیا میں موجود ہی نہیں رہا یہ کہ پھر ان کا نام دنیا کی چیزوں کا کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اور کوئی عنوان ان سے تعبیر کرنے کا نہیں اگر کوئی عنوان ہے تو یہی ہے جو دنیا کی چیز کا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے کچھ مناسبت اور قرب ہے صورۃ یا کسی معنی

کو تو فلاں دنیا کی چیز کو ہے اس لحاظ سے اس کے اوپر اس کا نام اطلاق کر دیا۔ مثلاً انار ایک چیز ہے جو دنیا میں موجود ہے اور اس کے افراد میں سے بھی وہ فرد لیجئے جو سب سے بڑھیا ہو اور انار جنت میں بھی موجود ہے جیسا کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے لیکن دونوں میں کچھ بھی علاقہ نہیں سوائے اس کے کہ صورۃً ایک کہے جاویں۔ یہ مضمون ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دنیا اور جنت کی نعمتوں کا صرف نام ہی مشترک ہے ورنہ وہاں اور چیزیں ہیں جن کا خیال بھی نہیں آسکتا بلکہ یہ مضمون حدیث میں ہے وہ یہ ہے اعدوت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر یعنی فرماتے ہیں حق تعالیٰ کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا معلوم ہوا کہ وہاں کی چیزیں ایسی ہیں جو یہاں موجود نہیں ورنہ کوئی آنکھ تو دیکھتی اور نہ کبھی ہم سے پہلے زمانہ میں دنیا میں پیدا ہوئیں ورنہ ان کا ذکر تو کان سے سنتے بلکہ ان کو یہاں کی چیزوں سے اس قدر مغایرت ہے کہ خیال بھی ان تک نہیں پہنچ سکتا اس کے معنی یہی تو ہوئے کہ وہاں کی چیزیں دنیا سے علیحدہ ہی ہیں وہاں کا انار دنیا کا سا انار نہیں ہے وہاں کی کھجور دنیا کی سی کھجور نہیں ہے وہاں کا پانی دنیا کا سا پانی نہیں ہے وغیرہ وغیرہ وہاں کے انار کو دنیا کے پھلوں میں سے کسی پھل سے اگر کچھ مشابہت ہے تو انار سے ہے اس واسطے اس کو انار کہا گیا ورنہ وہ ایسی چیز ہے جس کی حقیقت بلا کھائے سمجھ میں نہیں آسکتی علیٰ ہذا وہاں کے پانی کا نام بھی پانی آیا ہے اس معنی کو کہ اگر کسی چیز سے اس کو مشابہت ہے تو پانی سے ہے اس واسطے اس کو پانی فرما دیا باقی خدا جانے کیا ہے حقیقت پینے سے ہی معلوم ہوگی آیات میں بعض جگہ یہ مضمون بہت وضاحت کے ساتھ موجود ہے مثلاً وہاں کے برتنوں کی نسبت آیا ہے کانت قواریرا یعنی وہ برتن شفاف ہوں گے جیسے بلور کے برتن کہ ادھر کی چیز ادھر سے نظر آئے گی اور اس سے آگے فرمایا ہے قواریر من فضۃ یعنی وہ شفاف برتن چاندی کے ہوں گے ان کو قواریر بھی فرماتے جاتے ہیں اور فضہ بھی فرماتے جاتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ برتن ہوں گے تو چاندی کے مگر شفاف ہوں گے مثل شیشہ کے تو شفاف چیز واقع میں چاندی کہاں ہوئی دنیا میں کونسی چاندی ایسی صاف ہے عمدہ سے عمدہ چاندی اینٹ کی مانی جاتی ہے مگر شفاف وہ بھی

نہیں اور وہاں کی چاندی ایسی ہو گی جس میں نظر آر پار ہو جائے گی اس سے یہ ثابت ہوا کہ بس نام چاندی کا ہے اور حقیقت کچھ اور ہے چاندی اس کو اس وجہ سے کہہ دیا ہے کہ دنیا کے اگر کسی جسم سے اس کو مشابہت ہے تو چاندی کے ساتھ ہے۔

حور کی صفت

اور مثلاً وہاں کی عورتیں جو حور کہلاتی ہیں ان کا نام سن کر خیال ہوتا ہے کہ دنیا کی حسین عورتوں کی نوع سے ہوں گی خود دنیا میں بھی ایک سے ایک حسین موجود ہیں مگر حدیث میں جو ان کی صفات آئی ہیں ان کو سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ حور کسی اور ہی نوع سے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ اگر حور عین کے کپڑے کا ایک کونہ دنیا میں لٹکا دیں تو اس کی روشنی سے سورج اور چاند ماند ہو جائیں جس کے کپڑے کا یہ حسن ہو اس کی ذات کا کیا حسن ہو گا اس کا حسن تو وہم و گمان سے باہر ہے چنانچہ حدیث میں ان کے حسن کی نسبت آیا ہے یری مخ سوقهن من وراثهن یعنی ان کا جسم ایسا صاف شفاف ہو گا کہ کپڑوں کے اندر سے اور کھال کے اندر سے اور ہڈی کے اندر سے پنڈلی کا گودا نظر آئے گا یہ مبالغہ نہیں ہے بلکہ سچی بات ہے کیونکہ حدیث میں آچکی ہے قرآن و حدیث میں مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا سچی سچی اور سیدھی باتیں بیان ہوتی ہیں حور واقع میں ایسی ہی ہو گی یہ خبر ایسی نہیں ہے جیسے کہ یہاں ہم نے سنا تھا کہ ایک حسین آدمی ایسا ہے کہ جب وہ پان کھاتا ہے تو اس کا رنگ گلے میں اترتا نظر آتا ہے یہ قصہ غلط ہے بھلا دنیا میں ایسا کون ہو سکتا ہے آخر گلے میں اوپر کھال ہے اس کے نیچے گوشت ہے اس کے نیچے نرخرے کی ہڈیاں ہیں ایسی بھی کیا لطافت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حاجب نہ ہو ایک جلد ہی شعاع نظر کو روکنے کے لئے کافی ہے چہ جائے کہ تین تین چیزیں ہوں۔ غالباً کسی نے مبالغہ سے کام لیا ہے بہر حال جو یہاں مبالغہ ہے وہ وہاں حقیقت ہو گی اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہاں کے حالات میں اور یہاں کے حالات میں بڑا فرق ہے وہاں کے حالات یہاں ذہن میں آ ہی نہیں سکتے اس واسطے کہ ان کی کوئی نظیر کبھی نظر سے نہیں گذری اس دقیقہ سے غافل ہونے کے سبب لوگوں نے حور کو محبوبان دنیا کی طرح سمجھ لیا اور بعضوں نے تو یہاں تک بیہودگی کی کہ براہ تمسخر گھوسنوں سے اور کشمیر کے چکلے کی رنڈیوں سے تشبیہ دی

نعوذ باللہ بات یہ ہے کہ لوگوں میں مادہ قیاس الغائب علی الشاہد کا ہے اسی لئے حور کو بھی اگر قیاس کیا تو اس پر کہ جس کو دیکھا ہے یا جو اپنے خیال میں ہے اب جن کے خیالات گندے ہیں رنڈیوں اور گھوسنوں تک ان کا ذہن پہنچا۔

خاور نامہ

اس قیاس الغائب علی الشاہد پر یاد آیا کہ کانپور میں ایک شخص کے گھر میں ایک قلمی کتاب تاریخی تھی اس کا نام خاور نامہ تھا اس میں ہر واقعہ کی متعلق تصویریں تھیں حتی کہ معراج کا بیان تھا تو اس میں بھی تصویریں تھیں کہ یوں حضورؐ کے پاس فرشتے آئے اور یوں آسمان پر لے گئے اور یوں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے اور یوں جبریل ساتھ تھے اور یوں میکائیل ساتھ تھے اور یوں انبیا علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور یوں جنت دیکھی اور یوں دوزخ دیکھا اور ان سب کی تصویریں۔ یہ خبط ہو گیا ہے لوگوں کو اول تو تصویر بنانا ویسے ہی منع ہے پھر ایسی مقدس ذاتوں کی لاحول ولا قوۃ الا باللہ اس میں مصلحت یہ بیان کی جاتی ہے کہ قصہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے اس طرح کہ خبر کے ساتھ واقعہ کی صورت بھی پیش نظر ہو۔

تصاویر بنانے میں ممانعت شرعی

سبحان اللہ کیسی شاندار مصلحت ہے کس درجہ بے باکی اور جرات کی بات ہے کہ اس مہمل مصلحت کے لئے ممانعت شرعی کا لحاظ نہ کیا جاوے یوں تو کوئی کام بھی کسی نہ کسی مصلحت سے خالی نہیں حتیٰ کہ چوری ڈاکہ زنا سب میں کوئی نہ کوئی مصلحت اور فائدہ ضرور ہے مثلاً کم سے کم کرنے والے کا دل خوش ہونا۔ تو چاہیے کہ اس مصلحت کے لئے ان افعال سے بھی باز نہ رہا جائے اور منع نہ کیا جائے۔ خیر یہ تو شرعی غلطی ہے مگر ایک حسی غلطی یہ ہے کہ ان سے کوئی پوچھے کہ یہ تصویریں بنائیں کیسے جس چیز کو دیکھا نہیں اس کی صورت کیسے قائم کی۔ اس کی بنا وہی قیاس الغائب علی الشاہد ہے یہ خبط پہلے بھی تھا لوگوں کو مگر اب زیادہ ہے۔

ایک فقہ کی باتصویر کتاب

اب اس میں اس قدر وسعت کی گئی ہے کہ ایک فقہ کی کتاب میں بھی

تصویریں چھاپی ہیں وضو کا بیان تھا تو اس میں تصویر تھی کہ یوں بیٹھو اور یوں لوٹا رکھو۔ نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویر بنا دی کہ یوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو یوں رکوع میں جاؤ یوں سجدہ کرو یوں بیٹھو۔ جنازہ کی نماز کا بیان آیا تو اس میں بھی تصویریں بنا دیں کہ ایک چارپائی پر مردہ رکھا ہوا ہے اور اس کے مقابل امام اور مقتدی صف باندھے کھڑے ہیں کیا خرافات ہے اگر یہی بات ہے کہ بلا تصویر بنائے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو اپنے پاخانہ پھرنے کی تصویر بھی بنا کر رکھو تاکہ لڑکے اور بچے اس کو دیکھ کر پاخانہ پھرنا سیکھیں۔ حضرت ایں ہمہ از پے آں است کہ زر میخواہد۔

حب مال کا انجام

حب مال اور کمائی کے شوق نے یہ نوبت پہنچائی ہے روپیہ حاصل ہو خواہ جائز طریق سے ہو یا ناجائز طریق سے دنیا حاصل ہو۔ خواہ دین رہے یا نہ رہے دین کی کتابیں اور قرآن بھی چھاپے جاتے ہیں تو دنیا کے لئے بس دنیا ہی دنیا رہ گئی۔ کسی سے مشورہ تک بھی نہیں کرتے کہ یہ طریقہ کمائی کا حلال ہے یا حرام بس ذرا سی مصلحت ذہن میں آئی اور اس کام کو کر ڈالا تصویر میں اتنی سی مصلحت سمجھ کر کہ واقعہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے بنانا شروع کر دیا اس کا خیال بھی ذہن میں نہیں آتا کہ شریعت اس کی متعلق کیا کہتی ہے۔ اور اب تو یہ جرات ہوئی ہے کہ تصویروں کے بنانے کو حلال بھی کہنے لگے تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ ہی نہ رہے کیونکہ ایک فعل کو کریں اور ناجائز سمجھیں تو کبھی نہ کبھی یہ خیال ہو سکتا ہے کہ شائد خوف خدا آجاوے اور اس کام سے دل رک جاوے اس واسطے یہ قصہ ہی بیچ میں سے اڑا دیا کہ تصویر حرام نہیں بس اب کچھ روکاوٹ ہو ہی نہیں سکتی صاحبو جو چاہئے سو کیجئے لیکن یہ خوب سمجھ لیجئے کہ آپ کے حلال کرنے سے کوئی حرام چیز حلال ہو نہیں سکتی۔ غرض اس کتاب خاور نامہ میں ملائکہ تک کی تصویریں تھیں جن کے پر بھی لگائے تھے اور تماشا یہ کہ فرشتے پان بھی کھائے ہوئے تھے نہ معلوم کون سے پنواڑی کے پان ہوں گے یہ وہی قیاس الغائب علی الشاہد کی خرابی ہے خاور نامہ کے مصنف صاحب پان زیادہ کھاتے ہوں گے اس واسطے ملائکہ کی تصویریں بناتے وقت ان کو بھی اپنے اوپر قیاس کر کے پان کھلاوے یہ سب قصے تھے قیاس الغائب علی الشاہد کے۔

حور کی صفت

اسی بنا پر حوروں کو دنیا کی عورتوں پر اور ان کے لباس کو دنیا کے لباس پر قیاس کر کے یوں سمجھا ہو گا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ حور کا کپڑا دنیا میں لٹکا دیں تو چاند اور سورج کی روشنی ماند ہو جائے یہ مبالغہ ہو گا لیکن فی الواقع اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے بلکہ معنی حقیقی مراد ہیں کہ وہ کپڑے ایسے ہی ہیں اسی طرح ان کے جسم کی نسبت جو تصریح ہے یرٰی مخ سوقھن من ورائھن اس کو بھی مبالغہ پر محمول کیا ہو گا حالانکہ یہ بھی معنی حقیقی ہی پر محمول ہے ان کا جسم واقع میں ایسا ہی ہے کہ اندر سے ہڈیوں کا گودا نظر آتا ہے اب دیکھ لیجئے کہ دنیا کو آخرت کے ساتھ کیا نسبت ہے یہاں کوئی کپڑا ایسا نہیں جس میں ذاتی چمک ہو بلکہ اس کی کوئی چیز منور سے منور لیجئے وہ بھی اپنی ذات سے منور نہیں اس میں جو کچھ چمک دمک اور نور دکھائی دیتا ہے وہ در حقیقت اس کا نور نہیں بلکہ شمس و قمر کا نور ہوتا ہے کہ اس چیز میں منعکس ہو کر نظر آتا ہے اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی منور چیز کو اندھیرے میں رکھ دیجئے جہاں آفتاب کی شعاع نہ پہنچے دیکھئے گا کچھ بھی نہیں رہے گا نہ چمک نہ نور تو دنیا میں کوئی نظیر ان کے کپڑے کی نہیں ملتی کہ وہ بالذات منور ہو اور نور بھی کیسا جو شمس و قمر کے نور کو ماند کر دے سو جس کے کپڑے کی یہ حالت ہو اس کی ذات کی کیا حالت ہو گی پس ایسی عورت ذہن میں آ ہی نہیں سکتی اس میں نوع عورت کا نام لگا ہوا ہے مگر وہ نہ یہاں کی سی عورت ہے اور نہ اس کے حسن کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے یہی حالت آخرت کی ہر چیز کی ہے کہ نام ان کے دنیا ہی کی چیزوں کے سے ہیں اور حقیقت کچھ اور ہے نہ وہاں کا پانی یہاں کا سا پانی ہے نہ وہاں کا انار یہاں کا سا انار ہے نہ وہاں کی کھجور یہاں کی سی کھجور ہے نہ وہاں کا دودھ یہاں کا سا دودھ ہے نہ وہاں کی شراب یہاں کی سی شراب ہے نہ وہاں کی عورتیں یہاں کی سی عورتیں ہیں غرض وہاں کی سب چیز یہاں کی سب چیز سے کہیں بہتر ہونے کی حقیقت یہ ہی ہے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نعماء آخرت گو دنیا کی نعمتوں کے ساتھ مشارک فی الاسم ہوں لیکن حقیقت میں بالکل جدا ہیں اس واسطے دنیا کی نعمتوں کو ان سے نسبت دینا ذرہ اور آفتاب کو برابر کرنا ہے۔ پس ایک تو وجہ خیر ہونے کی یہ ہوئی کہ اس کی نوع اس کی نوع سے افضل و اکمل ہے۔

دنیا کی کوئی نعمت کلفت سے خالی نہیں

اور ایک وجہ اور بھی سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں اور راحتیں کیسی ہی بڑی سے بڑی ہوں مگر ان میں شائبہ الم کا ضرور ہے کوئی نعمت اور راحت ایسی نہیں جس کے ساتھ کچھ نہ کچھ تکلیف نہ ہو مثلاً کھانا جو دو وقت کھایا جاتا ہے سب جانتے ہیں کہ اس سے بڑی نعمت کونسی ہے بقاء حیات اسی سے ہے مگر اس میں کس قدر کلفتیں ہیں اول تو اس کے حاصل کرنے میں ہیں کہ زمین کھودی جائے اور اس میں تخم ڈالا جائے پھر بارش کا انتظار کیا جائے اگر بارش نہ ہو تو کنوئیں سے سینچائی کی جائے یہ مستقل ایک کام ہے اس کے لئے بیل پالنے پڑتے ہیں اور آدمی رکھنے پڑتے ہیں مکان بنانے پڑتے ہیں اس تمام کام میں بڑی رقم صرف ہوتی ہے پھر سینچائی کے بعد کچھ عرصہ تک انتظار کرنا پڑتا ہے تب وہ دانہ جمتا ہے پھر اس کی حفاظت کرنی پڑتی ہے گھر چھوڑ کر جنگل میں رہنا ہوتا ہے رات کو سونا نہیں ملتا رات بھر یہ شغل رہتا ہے کہ ہاہا ہوہو کرتے رہو ڈھول پیٹتے رہو ورنہ وہ ساری کھیتی جنگل کے جانور کھا جائیں پھر اس کھیت کی گھاس وغیرہ سے صفائی کی جاتی ہے ان سب بکھیڑوں اور مشقتوں کے بعد کھیت تیار ہوا اب وہ کاٹا گیا اور خرمن میں لاکر ڈالا گیا اور گاہا گیا تب جاکر دانہ حاصل ہوا اب گویا کھانے کا مادہ تیار ہوا یہ کلفتیں تو مادہ میں ہوئیں ابھی اور بہت کام باقی ہیں اب اس کو صورت غذا کی پہنائی جائے گی اس صورت پہنانے میں بھی کیا کچھ کلفتیں ہیں اس کو پیسا جائے گا پھر چھانا جائے گا اور گوندھا جائے گا پھر روٹی پکائی جائے گی تو اب وہ کھانے کے قابل ہوگا اب تک بھی جو غرض ہے وہ حاصل نہیں ہوئی اب اس کو کھایا جائے گا کھانے میں بھی کچھ نہ کچھ مشقتیں ہیں کبھی مرچ زیادہ ہوگئی تو تکلیف ہو رہی ہے کبھی کچا رہ گیا تو لطف نہیں آیا کبھی جل گیا تو بے لطفی رہی کبھی گرم گرم لقمہ منہ میں رکھ لیا تو منہ بھن گیا اور تلاش ہے کہ ٹھنڈا پانی لاؤ خیر یہ کلفتیں تو معمولی ہیں لیکن کبھی یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ جان پر بن جاتی ہے بلکہ ایک دم خاتمہ ہی ہو جاتا ہے صاحبو کھانا کھانا ایک بہت ہی معمولی کام ہے جس کو بچپن سے لیکر مرتے وقت تک کم سے کم دو وقت روزانہ ہر شخص کرتا ہے اور یہ ایسا سہل کام ہے کہ اس کو نہ کسی استاد سے سیکھنا پڑتا ہے نہ اس کے لئے کوئی کتاب ہے جس کو دیکھ کر یہ

کام آوے بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا اور یہ کام کرنے لگا دودھ چھاتی میں سے کھینچا اور حلق میں اتار لیا گویا ایسا سہل کام ہے جس کے بتلانے اور سکھانے کی مطلق حاجت نہیں جب تک دودھ پیتا رہا دودھ کو اس طرح حلق میں اتارتا رہا جب غذا تبدیل ہوئی اور کچھ کھانے لگا تو اس غذا کو بھی اسی طرح بلا کسی کے بتلائے ہوئے اتارنے لگا حتی کہ اسی طرح ساری عمر گذر جاتی ہے معمولی سے معمولی کام کے لئے بھی بعض وقت آدمی مشورہ کا محتاج ہوتا ہے مگر یہ آپ نے کبھی نہ سنا ہو گا کہ فلاں شخص کو کھانے اور لقمہ حلق میں اتارنے کے لئے کسی سے مشورہ کرنے کی ضرورت پڑی ہو غرض یہ نہایت ہی سہل کام ہے لیکن اگر اس کی کیفیت خیال میں لائی جائے اور اس میں غور کیا جائے تو بڑے بڑے عقلمند دنگ رہ جائیں اور شاید یہی کہنا پڑے کہ یہ کام ایسا مشکل اور امکان سے بعید ہے کہ ہو ہی نہیں سکتا۔

خدائے عزیز و علیم کی قدرت

طب کی کتابوں میں دیکھئے تو عقل حیران ہو جاتی ہے کہ یہ کام کیسے ہو جاتا ہے حلق میں دو نلی آگے پیچھے ہیں اگلی نلی سانس لینے کی ہے جو پھیپھڑے سے ملی ہوئی ہے اور پچھلی نلی کھانے کی ہے جو معدہ میں پہنچتی ہے جو کچھ کھایا پیا جاتا ہے وہ اگلی نلی یعنی سانس کے راستے کے اوپر کو گذر کر کھانے کی نلی میں پہنچتا ہے یہ ایسا خطرناک راستہ ہے کہ اگر ذرا سا پانی یا ذرا سا کھانا سانس کی نلی میں پہنچ جائے تو موت کا سامنا ہے کیونکہ پھیپھڑے میں سے پھر اس کے نکلنے کی کوئی ترکیب ہی نہیں کوئی راستہ نہیں جس میں سے پھر اس کے نکلنے کی کوئی ترکیب ہی نہیں کوئی راستہ نہیں جس سے نیچے کو نکل جائے اور اوپر کو لوٹنا جسم ثقیل کا ویسے مستبعد مگر حق تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ ایک ذریعہ اس کا بھی اختیار کر رکھ دیا ہے اور اس سے بھی قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ شے ثقیل اوپر کو لوٹ آتی ہے وہ ذریعہ کھانسی ہے جب کوئی شے غریب پھیپھڑے کی نلی یا پھیپھڑے میں پہنچتی ہے تو پھیپھڑا ہوا کو بند کر کے ایک حرکت کرتا ہے جس سے وہ چیز ہوا کے ساتھ باہر نکل آتی ہے کھانسی پھیپھڑے کے لئے ایسی حرکت ہے جیسے دماغ کے لئے چھینک یہ حرکت کھانسی کی اگرچہ پھیپھڑے میں طبعاً رکھی ہوئی ہے مگر ہر وقت کافی نہیں ہو سکتی اور کھانے کا کام ہر وقت ہے خود یہ کھانسی چونکہ حرکت غیر

طبعی ہے اس واسطے ایذادہ ہے لیکن حق تعالیٰ نے احتیاطاً اس کو رکھ دیا ہے۔ غرض سانس کی نلی کے اوپر کھانے اور پانی کا گذرنا سخت خطرناک بات ہے لیکن خدائے عزیز و علیم کی قدرت دیکھئے کہ برابر ہر وقت کھانے اور پینے کا کام ہوتا ہے اور کبھی بھی کوئی خطرہ پیش نہیں آتا ایک ذرا سا گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر لٹکا دیا ہے جس کو کوا کہتے ہیں جب کوئی چیز کھائی یا پی جاتی ہے تو وہ گوشت کا ٹکڑا سانس کی نلی کے اوپر ایسا ڈھک جاتا ہے کہ اس میں ذرا سے رمق بھی پانی کی نہیں جا سکتی۔ ساری ساری عمر یہ خطرناک کام ہوتا رہتا ہے اور ہم کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ لقمہ حلق میں کیسے اتر گیا مگر کبھی حق تعالیٰ دکھلا بھی دیتے ہیں کہ یہ کام کس قدر مشکل ہے اور کس قدر خطرہ رکھتا ہے اور اس طرح دکھلا دیتے ہیں کہ اس میں غلطی ہو جاتی ہے اور کچھ حصہ کھانے یا پانی کا سانس کی نلی میں اتر جاتا ہے جس کو پھندا لگنا کہتے ہیں تو کس قدر تکلیف ہوتی ہے آنکھیں باہر کو نکل آتی ہیں سانس بند ہو جاتا ہے بہت دیر میں ہوش ہوتا ہے بلکہ بعض وقت ایک دم خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

اٹک کر مرنے کی حکایت

ہمارے وطن میں یہی قصہ ایک دفعہ پیش آیا ایک صاحب کے یہاں کوئی تقریب تھی بڑا مجمع تھا خوشی ہو رہی تھی کھانا کھانے بیٹھے تو ایک شخص کو پھندا لگا اور گلا بند ہو گیا لقمہ اٹک گیا۔ اور کھانا کیا تھا چاول۔ سننے والوں کو تعجب ہوتا ہے کہ کہیں چاول سے بھی ایسا ہو سکتا ہے چاول تو نہایت نرم غذا ہے حتیٰ کہ اس کو چبانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی مگر قدرت خدا کی کہ لقمہ حلق سے نہ اترا اور جان پر بن گئی چاروں طرف سے لوگ دوڑے کوئی پانی لاتا ہے کوئی ان کو کھڑا کرتا ہے اور ہلاتا جلاتا ہے مگر وہاں کام ہی تمام ہو گیا۔ تمام مجلس کا عیش مکدر ہو گیا۔ ان کے بھائی نے رات کو خواب میں دیکھا تھا کہ ایک جنازہ باہر سے گھر میں آیا ہے تعجب ہوا تھا کہ جنازہ تو گھر میں سے باہر جایا کرتا ہے یہ الٹا کیا دکھائی دیا مگر ایسا ہی ہوا کہ باہر باہر محفل میں ان کا دم نکلا اور جنازہ گھر میں لایا گیا۔ غرض کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کھانا کھانا ایک معمولی کام ہے مگر اس میں بھی ایسے خطرے پیش آجاتے ہیں یہ کلفت ہوئی کھانے میں تو کھانا کھانا کیسی راحت کی چیز ہے مگر وہ بھی شائبہ الم سے خالی نہیں ایسی کلفت تو

کبھی اتفاقیہ پیش آجاتی ہے بعض کلفتیں ایسی ہیں کہ اکثر پیش آجاتی ہیں مثلاً کھانا کھاتے میں بوٹی کا ریشہ دانتوں کے اندر رہ گیا تو کس قدر اوکلو دیتا ہے جب تک وہ نکل نہ جاوے چین ہی نہیں آتا اس کو تنکے سے نکالا جاتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تنکے سے اسے نکالنا چاہا تو تنکا بھی ٹوٹ کر وہیں رہ گیا اس سے اس الجھن میں اور اضافہ ہوا یہ وہ کلفتیں ہیں جو اکثر پیش آتی ہیں ان سب کلفتوں کے بعد غذا پیٹ میں پہنچی تو اور دوسری مشقت شروع ہوئی ایک لقمہ زیادہ کھالیا تو گرانی ہو گئی جس کا انجام یہ ہے کہ قبض ہو گیا یا دست آگئے پیٹ میں مروڑ ہو گئی یا جلن ہونے لگی اب حکیم کو بلاؤ یا ڈاکٹر کو لاؤ کہیں سینک ہو رہی ہے کہیں چورن دی جارہی ہے تب کہیں پیچھا چھوٹتا ہے اور بسا اوقات اس سے بھی کھانا ہضم نہیں ہوتا قے ہو جاتی ہے اور کبھی ہیضہ تک کی نوبت آجاتی ہے خدا بچاوے۔

بھوکوں کو ہیضہ کے تمنا کرنے کی حکایت

گو بعض حریص لوگ ہیضہ کو تکلیف نہ سمجھتے ہوں جیسا ایک گاؤں کا قصہ مشہور ہے کہ وہاں ہیضہ پھیلا تو وہاں سے نکل کر بھاگے دوسرے گاؤں میں سے گذرے جو غریب اور قحط زدہ تھے انہوں نے پوچھا کیوں بھاگے جارہے وہ جواب ملا کہ اس گاؤں میں ہیضہ ہو رہا ہے پوچھا ہیضہ کیا ہوتا ہے کسی نے کہا زیادہ کھا لینے سے خرابی ہو جاتی ہے اس کو ہیضہ کہتے ہیں تو وہ کیا کہتے ہیں افسوس یہ مبارک مرض ہم کو کبھی نہ ہوا پیٹ بھر کر کھانے کو تو مل جاتا پھر مرتے یا کچھ ہی ہوتا۔ ایک بی بی کا قصہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنے ایک عزیز کے لئے اولاد کی متمنی تھیں ایک بار کہنے لگیں کہ میرے چچہ کے ایک بچہ ہو جاتا پھر چاہے میں اس خبر کو سنتے ہی فوراً ہی مر جاتی۔ یہ لطیفہ ہیضہ پر یاد آگیا بیان یہ تھا کہ کھانے میں کیا کیا کلفتیں ہیں کھانے سے پہلے بھی اور ساتھ میں بھی اور بعد میں بھی تو دنیا کی راحتوں کی یہ حالت ہے کہ کوئی راحت بھی متعدد کلفتوں سے خالی نہیں۔ کھانے میں یہ کلفتیں تھیں۔

پانی کے متعلق کلفتیں

پانی میں بھی یہ قصے ہیں کہ پانی کے واسطے کنواں کھودنا پڑتا ہے بہشتی لگانا پڑتا ہے برتن رکھنے پڑتے ہیں اور ان کی حفاظت کرنی پڑتی ہے ذرا سی نجاست گر

جائے تو پانی ناپاک ہو جائے پھر اس کو پھینکا جاتا ہے اور برتن پاک کئے جاتے ہیں یہ تو پانی کے حصول سے پہلے کی کلفتیں ہیں اور پانی کے استعمال کے وقت میں بھی کچھ کلفتیں پیش آتی ہیں بعض وقت ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہے مگر میسر نہیں بہت ناگواری کے ساتھ گرم پانی پینا پڑتا ہے ضرورت تو رفع کی ہی جاتی ہے مگر دل خوش نہیں ہوتا بعض وقت گرم پانی کی ضرورت ہے مگر وہ نصیب نہیں ٹھنڈے پانی سے وضو یا غسل کیا جاتا ہے جس سے کپکپی آجاتی ہے مگر کیا کیا جائے قہر درویش بر جاں درویش غسل و وضو کرنا ہی پڑتا ہے اسی طرح بعد کی کلفتیں بھی ہیں پانی زیادہ پی لیا تو پیٹ پھول گیا کم ملا تو پیاس رفع نہ ہوئی غرض کوئی راحت دنیا کی ایسی نہیں جو مشوب بالالم نہ ہو۔

بی بی کے ساتھ کلفتیں

سب سے زیادہ عیش کی چیز دنیا میں بی بی سمجھی جاتی ہے اس میں دیکھئے کیا کیا کچھ کلفتیں ہیں اول تو اس کے حصول میں کہ بعض جگہ رواج یہ ہے کہ اس پر بیٹی والے روپیہ لیتے ہیں اول بہت سا روپیہ کماؤ تب بی بی کا نام لو اور پیغام دو خیر یہ تو بری اور جاہلانہ رسم ہے اور کہیں ہے اور کہیں نہیں ہے جہاں یہ رسم نہیں بھی ہے وہاں بھی اور بہت سے بکھیڑے ہیں بیٹی پر روپیہ تو نہیں دیا جاتا مگر اور بہت سی کلفتیں اٹھانی پڑتی ہیں مثلاً پہلے نسبت اور منگنی ہوتی ہے اس کے لئے نائی کو بھیجنا پڑتا ہے تب بات پکی ہوتی ہے پھر تاریخ نکاح کی مقرر ہوتی ہے لوگوں کو اکٹھا کرنا پڑتا ہے یہ بھی اچھا خاصہ مرحلہ ہے مختلف مذاق کے لوگ ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے موقع پر خواہ مخواہ نخرے کیا کرتے ہیں۔ خیر ان کے نخرے اٹھائے گئے اور ان کو جمع کیا گیا اب کھانا دانہ بھی ہونا چاہئے اس کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہے کتنے دنوں میں کلفتیں اٹھا کر یہ روپیہ جمع ہوتا ہے اب نکاح کا وقت ہوا تو مہروں کا معاملہ درپیش ہے اگر سہولت سے طے ہو گیا تو خیر ورنہ بعض وقت اس سے پہلے کی سب کارروائی یوں ہی رہ جاتی ہے اور طرفین میں بگاڑ ہو جاتا ہے اور بات یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ نکاح ہی حذف ہو جاتا ہے اگر مہر طے ہو گیا تو خیر نکاح ہو گیا بس بکھیڑوں کے بعد خدا خدا کر کے محنت ٹھکانے لگی اور بی بی مل گئی۔ یہ کلفتیں تو حصول سے پہلے کی ہوئیں جب بی بی مل گئی تو اول اول دو چار دن تو دعوتیں رہیں کہیں شکرانہ ہے کہیں پلاؤ ہے قورمہ ہے

بریانی ہے اور دو چار دن کے بعد مطالبات شروع ہوئے کہ نان نفقہ دیوادر ہنے کو گھر لاؤ سارا خرچ اٹھاؤ جو کچھ لطف اٹھایا تھا سب نسیاً منسیاً ہو گیا اب نون تیل لکڑی کی پڑی نوشہ صاحب ہیں کہ اب پہنچاتے نہیں جاتے ماں باپ کے گھر پکی پکائی کھائی تھی اب خود پکانی پڑ گئی اور گھر کرنا پڑ گیا یا الٰہی یہ کیا بلا نازل ہوئی دونوں وقت کھلانے کو چاہئے اور کھانا بھی معمولی نہیں اپنی اکیلی جان ہو تو روکھی سوکھی بھی کھا کر بیٹھ رہے پرائی لڑکی ہے نئی نئی گھر آئی ہے اس کو تو روکھا سوکھا نہیں کھلایا جا سکتا اپنے آپ سے بہتر ہی کھلایا جائے گا مگر اب تو جو کچھ بھی ہو کرنا ہی پڑے گا پھر لطف یہ ہے کہ اس پر بھی بس نہیں زیور کی فرمائش شروع ہوئی اب زیور میں تو کھانے سے بھی زیادہ روپیہ لگتا ہے اور کبھی یہ کام کیا نہیں تھا اب لوگوں سے پوچھتے پھرتے ہیں کہ سونا کہاں سے لیں سنار کون سا ہوشیار ہے جو زیور ایسا بنا دے کہ صاحب فرمائش کو پسند آجاوے اور توڑ پھوڑ کی ضرورت نہ پڑے غرض بکھیڑوں اور کلفتوں کا دروازہ کھل گیا۔ یہ تو وہ باتیں تھیں جو کسی معنے میں اختیاری بھی کہی جا سکتی ہیں بی بی کے ساتھ بعض باتیں ایسی بھی پیش آتی ہیں جو اختیار سے باہر ہیں مثلاً بیماری کہ بی بی صاحب کا سر بھی دکھا تو فوراً حکیم کو بلاؤ ڈاکٹر کو لاؤ اپنی جان پر کوئی تکلیف ہو تو ایک وقت آدمی دم گھونٹ کر بھی بیٹھ رہے اور صبر کرلے مگر اس شخص کی تکلیف پر صبر نہیں ہو سکتا جس کی تیمارداری اور کل بار اپنے ذمہ ہے خود اپنی طبیعت بھی اس کو گوارہ نہیں کر سکتی کہ اس کو کوئی موقع شکایت کا ملے نیز دوسری طرف کا یعنی سسرال کا دباؤ بھی موجود ہے کہ لڑکی والے سنیں گے کہ اس کے سر میں درد ہوا اور کسی نے خبر نہ لی تو بہت کچھ بگڑیں گے اور اس بگاڑ کی نوبت جانے کہاں سے کہاں تک پہنچے گی ممکن ہے کہ اس کا انتقام لیں اور گھر بلا کر پھر نہ بھیجیں اب کری کرائی ساری محنت یوں ہی رہ جائے۔ دیکھئے کس قدر بکھیڑے ہیں بی بی جو سب سے زیادہ عیش کی چیز ہے اس کے ساتھ کلفتوں کی بھی سب سے زیادہ بھر مار ہے اور ابھی تو اور کلفتیں باقی ہیں۔

اولاد کی کلفتیں

جو اس کے نتائج میں داخل ہیں وہ یہ کہ اولاد ہوئی عورت کے لئے تو بچہ کا ہونا سخت مصیبت ہے ہی لوگ کہا کرتے ہیں کہ عورت دوبارہ جنم لیتی ہے مگر مرد کے

لئے بھی کچھ کم مصیبت نہیں کہ زچہ خانہ کی خبر گیری گوند سونٹھ گھی وغیرہ کے لئے خرچ کی ضرورت اور بچہ صاحب جو تشریف لائے ہیں وہ پھول پان ہیں ذرا سے میں کمہلا جاتے ہیں سرد ہوا لگ گئی تو اینٹھ گئے اور گرم ہوا لگ گئی تو بھڑک اٹھے کبھی رونا شروع ہوا تو روئے ہی جاتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کیوں روتے ہیں بچہ حیوان بے زبان ہوتا ہے اپنا دکھ بیان نہیں کر سکتا علاج بھی قرائن اور قیاسات پر کیا جاتا ہے کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ پیٹ میں درد ہے اس واسطے روتا ہے لہذا گھوٹی دی جاتی ہے اور کبھی خیال ہوتا ہے کہ کان میں درد ہے اس کے واسطے تمباکو کی پیک کان میں ڈلوائی جاتی ہے یہ تکلیفیں تو وہ ہیں جو معمولی سمجھی جاتی ہیں ان کی تدبیریں گھروں میں مستورات خود ہی کر لیتی ہیں اور کبھی ایسی بیماریاں بچہ کو ہوتی ہیں جو گھر والوں کی سمجھ میں نہیں آتیں اور بڑے بڑے قابل اور تجربہ کار حکیموں اور ڈاکٹروں کی تلاش کرنی پڑتی ہے اور ذرا سے بالشت بھر کے آدمی کے لئے ہزاروں روپیہ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے اس وقت تارے نظر آجاتے ہیں اور بے ساختہ آدمی کہہ اٹھتا ہے کہ بھلی اولاد ہوئی ہمیں تو مار دیا۔ بھلے مانس اس کا کیا قصور ہے تو نے خود ہی تو اسے بلایا ہے کسی صاحب حال کا قول ہے۔

کیا ہی چین خواب عدم میں تھا نہ تھا زلف یار کا کچھ خیال
کو جگا کے شور ظہور نے مجھے کس بلا میں پھنسا دیا

غرض کہیں ناک دکھ رہی ہے کہیں آنکھ دکھ رہی ہے ذرا اس کا جی اچھا ہوتا ہے تو اپنی جان میں بھی جان آجاتی ہے اور جب اس کی طبیعت خراب ہوتی ہے تو اپنی زندگی بھی تلخ ہو جاتی ہے بین الرجاء والخوف کا لطف آتا ہے خیر خدا خدا کر کے لڑکا بڑا ہوا تو اب اس کی شادی ہوئی پھر اس کے اولاد ہوئی اور سارا دھندا پھر از سر نو شروع ہوا جن کلفتوں سے خدا خدا کر کے کچھ نجات پائی تھی اب پھر ان کا آغاز ہوا اگر اس کے اولاد نہ ہوئی تو اس کا غم کہ اولاد کیوں نہیں ہوتی اور اگر ہوئی تو وہ بھی سب ساز و سامان ساتھ لائی وہی گوہ موت وہی بیماری وہی خرچ وہی بے چینی وہی ہر وقت کا شغل غرض سارے غم تازہ ہو گئے۔ یہ عیش اور آرام ہے دنیا کا۔ اور دنیا کے یہ اشغال ایسے ہیں جن سے کوئی بھی خالی نہیں حتی کہ لوگوں کی طبیعتیں ان سے ایسی مانوس ہو گئی ہیں کہ یہ اگر نہ ہوں تو طبیعت گھبراتی ہے کہ کوئی شغل نہیں اور یہ اشغال رہیں تو

دل بہت خوش رہتا ہے مگر اس کو بجز بے حسی کے کیا کہا جاوے ایک شخص کا قصہ مشہور ہے کہ ان کے ایک دوست ملے اور سلام علیک ہوئی پوچھا خیریت ہے انہوں نے بہت بگڑ کر کہا کہ خیریت ہو گی تمہارے یہاں ہمارے یہاں تو کنبہ ہے کنبہ میں خیریت کیسی کسی کی آنکھ دکھ رہی ہے کسی کی ناک دکھ رہی ہے کسی کا کان دکھ رہا ہے تم خیریت چاہتے ہو میرے کنبہ کو کوستے ہو یہ واقعہ ہے۔ اس شخص نے ان کلفتوں کے نہ ہونے کو برا سمجھا۔ اہل دنیا کی یہی حالت ہے چونکہ انہوں نے آرام کا عالم دیکھا نہیں ہے اور آنکھ کھولتے ہی اسی عالم کو دیکھا ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے اس وجہ سے اس سے انس ہو گیا ہے اور اس کی تکلیفیں تکلیف نہیں معلوم ہوتیں اگر ایک دو دن کے واسطے بھی ان کو وہ عالم نظر آجاوے جہاں راحت محض ہے تو یہ انس نہ رہے اور اس کے نام سے گھبرانے لگیں۔ یہ اس دنیا کا حال ہے جس کے پیچھے لوگ مرے جاتے ہیں اور ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ ساری دنیا کو سمیٹ کر گھر میں بھر لوں حالانکہ دنیا میں عیش و آرام اور راحت اس وقت میں تو کچھ ہو بھی جاتی ہے جب کہ دنیا تھوڑی ہو اور تعلقات کم ہوں اور تعلقات والے کو تو عیش اور آرام نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔

دنیا کی دو حالتیں

اس دنیا کی دو ہی حالتیں ہیں ایک آرام کی اور ایک تکلیف کی جس کے آرام کے حصہ کی یہ کیفیت ہو تو اس کی اس حصہ کا کیا پوچھنا ہے جو تکلیف کا حصہ سمجھا جاتا ہے بعض وقت ایسی تکلیفیں دنیا میں پیش آتی ہیں کہ ان کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ خیر اس تکلیف کے حصہ کو چھوڑئے کیوں وحشت میں پڑے مجھے تو اس حصہ کی حالت دکھلانی ہے جو آرام کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں بھی کوئی راحت ایسی نہیں جسمیں شائبہ الم کا نہ ہو اس سے تکلیف کے حصہ کا حال خود سمجھ میں آجاتا ہے۔ بخلاف جنت کے کہ وہاں شائبہ بھی تکلیف کا نہیں۔

جنت میں ہر چیز ارادہ کے ساتھ موجود ہو گی

جس بات کو دل چاہے بلا کلفت اور بلا محنت اور بلا توسط اسباب فوراً موجود ہے مثلاً ایک پرند سامنے بیٹھا ہے کسی جنتی کا جی چاہا کہ اس کا کباب کھاتے بس وہ فوراً

کباب بن کر تیار ہو کر سامنے آگیا نہ اس کے واسطے غلیل کی ضرورت ہوئی نہ بندوق کی نہ ذبح کی نہ کھال اتارنے کی نہ پکانے کی نہ گھی کی نہ مصالحہ کی بنا بنایا کباب سامنے آگیا یا مثلاً ایک مکان میں بیٹھے ہیں اور وہ مکان آراستہ اور پیراستہ ہے چھت اس کی مرصع ہے مگر جی چاہا کہ کھلا ہوا مکان ہوتا تو اس کے لئے آپ کو اس مکان سے اٹھنے اور دوسرے مکان میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بھی ایک تکلیف ہے وہاں یہ ہوگا کہ چھت غائب اور کھلا ہوا مکان موجود قرآن شریف میں ہے لکم فیھا ماتشتھی انفسکم یعنی جنت میں ہر وہ چیز ہوگی جس کو اہل جنت کا جی چاہے غرض راحت بھی ہر قسم کی ہوگی اور پھر کوئی راحت کسی الم کے شائبہ سے ملی ہوئی نہ ہوگی بلکہ راحت محضہ ہوگی۔

آخرت کی دو حالتیں

اور جیسے دنیا میں دو حالتیں ہیں ایک راحت اور ایک تکلیف ایسے ہی آخرت میں بھی دونوں حالتیں ہیں ایک راحت کی حالت جس کی جگہ جنت ہے دوسری تکلیف کی حالت جس کی جگہ دوزخ ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا کی ہر راحت میں الم ہے اور ہر الم میں کچھ راحت بھی مگر آخرت میں نہ راحت کے ساتھ الم ہے نہ الم کے ساتھ راحت چنانچہ دنیا کی راحت اور آخرت کی راحت کا مضمون تو سن لیا اب دونوں جگہ کی تکلیف کی کیفیت سنئے دنیا کی کوئی تکلیف ایسی نہیں جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہ ہو مثلاً مرض ہوتا ہے تو اس کے واسطے طبیب موجود ہے دوا موجود ہے مکان ٹھنڈا یا گرم جیسا چاہے مل سکتا ہے تیمادار موجود ہیں کسی کے ماں باپ ہیں کسی کے دوست احباب ہیں اگر کوئی بالکل ہی لاوارث غریب اور فقیر ہے اور کوئی خبر گیراں اس کا موجود نہیں تب بھی اتنا تو ہو سکتا ہے کہ اس کی تکلیف کو دیکھ کر اس کے ابناء جنس کو رحم آجاتا ہے اور پیسہ سے ہاتھ پیر سے زبان سے تھوڑا یا بہت سلوک کر دیتے ہیں یہ بھی تھوڑی سی راحت ہے بخلاف دوزخ کے کہ وہاں کوئی جزو راحت کا ذرہ برابر بھی نہ ہوگا یہاں تک کہ یہ بھی ایک قسم کی راحت ہی ہے کہ مصیبت زدہ کو یہ امید ہو کہ میں چند روز میں اس تکلیف سے چھوٹ جاؤں گا چاہے دن تکلیف کے کتنے ہی زیادہ ہوں لیکن کان میں یہ بات پڑی ہوئی ہو کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ میری

تکلیف ختم ہو جائے گی تو اس سے بھی دل کو ایک سہارا سا رہتا ہے دیکھو کوئی دائم الحبس ہوتا ہے تو چونکہ اس کی بھی ایک میعاد مقرر ہے گو وہ میعاد بھی طویل ہے مثلاً چودہ برس کی لیکن اس سے بھی اس کے دل کو تقویت رہتی ہے حتیٰ کہ احباب سے اور گھر والوں سے کہتا ہے کہ بھائی زندگی ہے تو پھر آ ہی ملیں گے لیکن اہل نار کو دوزخ میں یہ بھی نہ ہو گا بلکہ حکم سنا دیا جائے گا کہ اب موت نہیں آئے گی اور تم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہیں رہنا ہو گا۔

اہل ایمان دوزخ میں امیدوار نجات ہوں گے

سوائے ان اہل ایمان کے جو بعض گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جاویں گے کہ ان کو وہاں تکلیفیں جو کچھ بھی ہوں مگر اتنی راحت ضرور ہو گی کہ توقع ہو گی نجات کی اور یہ امید رہے گی کہ سو برس میں ہزار برس میں دس ہزار برس میں کبھی نہ کبھی یہاں سے نکل جاویں گے سو اس گروہ کے ذکر کا یہ مقام اس لئے نہیں کہ یہ حقیقی اہل دوزخ نہیں ہیں ان کا مکان اصلی تو جنت ہے مگر کچھ نجاستوں میں آلودہ ہونے کی وجہ سے ان کو پاک و صاف کئے جانے کی ضرورت تھی اس واسطے دوزخ میں ڈالے گئے چند روز میں یہاں سے نکل جاویں گے حقیقی اہل دوزخ کفار ہی ہیں جو دوزخ کے واسطے موضوع ہیں اور دوزخ ان کے واسطے موضوع ہے قرآن شریف میں جگہ جگہ ان ہی کو فرمایا گیا ہے ماولکم النار والنار مثوی لھم ونحوہ سو ان کے واسطے واقعی دوزخ میں شائبہ بھی راحت کا نہ ہو گا بلکہ جب اہل ایمان کو کبھی نہ کبھی نجات ہو جائے گی اس وقت ان کو صاف حکم سنا دیا جائے گا کہ تم کبھی نہیں نکالے جاؤ گے اتنا جزو راحت کا بھی نہ رہا اب سوائے الم کے اور کیا رہا ہر قسم کا الم وہاں موجود ہے مگر راحت ذرا بھی نہیں درد ہر طرح کا ہے مگر طبیب نہیں دوا نہیں تیمار دار نہیں اپنے ابناء جنس کو بھی رحم نہیں آتا آیت میں صاف موجود ہے کہ اہل دوزخ اہل جنت سے لجاجت کریں گے کہ افیضوا علینا من الماء اوممار زقکم اللہ یعنی تھوڑا سا پانی یا اور کوئی نعمت جنت کی ذرا سی ہم کو بھی دیدو تو جواب ملے گا کہ ان اللہ حرمھما علی الکفرین یہ تم کو نہیں مل سکتیں حق تعالیٰ نے ان کو کفار کے لئے حرام کیا ہے یہ جواب ان لوگوں کا ہے جو اہل دوزخ کے ابناء جنس ہیں یعنی آدمی ہیں مگر اس لحاظ سے

اجنبی بھی ہیں کہ اب ان میں اور ان میں کوئی تعلق نہیں رہا وہ اہل جنت ہیں یہ اہل دوزخ ہیں وہ چین میں ہیں یہ تکلیف میں ہیں بلکہ در حقیقت تو ان میں اور ان میں تعلق دنیا میں بھی نہ تھا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کو ماننے والے تھے اور یہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے وہ ان کے دشمن تھے یہ ان کے دشمن تھے ہاں کچھ وہ تعلقات دنیا کے دونوں میں تھے جو معیشت دنیا کے لئے ضروری تھے بہر حال اہل جنت اہل دوزخ سے بالکل مغائرت رکھتے ہیں اگر ان سے ایسا روکھا جواب ملے تو کچھ تعجب اور شکایت کی بات نہیں۔

اہل دوزخ میں باہم بھی عداوت ہو گی

مگر وہاں تو اہل دوزخ میں باہم بھی تراحم نہ ہو گا یہ بھی ایک قسم کی راحت ہوا کرتی ہے کہ ایک بلا میں ایک مجمع کا مجمع گرفتار ہو مگر ان میں باہم ہمدردی ہو اور ایک دوسرے کا شریک حال ہو اس سے وہ مصیبت کچھ نہ کچھ ہلکی ہو جاتی ہے دوزخ میں اتنی بھی راحت نہ ہو گی بلکہ ایک کا ایک دشمن ہو گا چنانچہ آیا ہے کلما دخلت امة لعنت اختهاحتی اذا ادارکو افیها جمیعا قالت اخرهم لاولهم ربنا هولآء اضلونا فاتهم عذاباً ضعفا من النار قال لکل ضعف ولکن لاتعلمون وقالت اولهم لاخراهم فما کان لکم علینا من فصل فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک گروہ دوزخ میں جائے گا تو دوسرے گروہ پر لعنت کرے گا اور برا بھلا کہے گا یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں پہنچ جاویں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کی نسبت یوں کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہم کو بہکایا تھا یعنی یہ گمراہ تھے ان کی تقلید میں ہم بھی گمراہ ہو گئے لہذا ان کو دونا عذاب ہونا چاہئے حکم ہو گا کہ سب کے لئے دونا ہے مطلب یہ ہے کہ یہاں عذاب کی کچھ کمی نہیں ایک حصہ اور دو حصے سب برابر ہیں کیونکہ کوئی بھی ختم ہونے والا نہیں ایک گروہ نے تو یہ کہا دوسرا گروہ کہے گا کہ تم ہم سے کس بات میں بڑھے ہوئے ہو جیسا کیا تھا اس کی سزا بھگتو یہ اہل دوزخ کی باہم جنگ وجدل ہے۔ اور عذاب تو تھے ہی یہ بھی عذاب ہی ہے کہ باہم سلوک اور ہمدردی بھی نہیں تو وہاں کی تکلیف بھی کامل تکلیف ہے جس میں کوئی شائبہ راحت کا نہیں مگر مجھ کو اس وقت وہاں کی

تکلیف کے جزو کا بیان کرنا مقصود نہیں مقصود محض راحت کے جزو کا بیان کرنا ہے اور یہ دکھلانا ہے کہ دنیا کی راحتوں سے وہاں کی راحت کو بڑا فرق ہے پس تمام اشکالات رفع ہو کر ثابت ہو گیا کہ آیت میں اسلام کا کامل ثمرہ بتلایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام پر ناقص ثمرہ کا وعدہ ہو تو اس کی طرف رغبت بھی ناقص ہو گی اور اگر کامل ثمرہ کا وعدہ ہو تو رغبت بھی کامل ہو گی اس کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص سے ایک تو یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک پیسہ ملے گا اور ایک یوں کہا جائے کہ ایک گھنٹہ فلاں کام کرو تو ایک اشرفی ملے گی تو ظاہر ہے کہ اس شخص کو اس کام کی طرف رغبت زیادہ ہو گی جس کی اجرت کامل ہے یعنی جس پر ایک اشرفی کا وعدہ ہے اسی طرح یہاں جب حق تعالیٰ نے اسلام کا ثمرہ کامل بیان فرمایا اس طرح سے کہ ثمرے ہر کام کے دو ہی ہوتے ہیں نجات عن التکلیف اور حصول راحت اور یہاں دونوں کا وعدہ ہے تو اب کوئی فرد ثمرہ کا باقی نہیں رہا اور اس طرح سے ثمرہ کامل ہو گیا تو اس میں اسلام کی پوری ترغیب ہو گئی اور اس ثمرہ کا کامل ہونا یہاں تو اس طریق سے معلوم ہوا اور دوسری نصوص میں دوسرے عنوانات سے بھی مذکور ہے۔

جنت میں نیند نہیں ہے

مثلاً صاف آیا ہے لا یمسنا فیھا نصب یعنی اہل جنت کہیں گے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو ایسے گھر میں پہنچا دیا کہ اب ہم کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی دنیا میں آدمی کام کاج میں تھک جاتا ہے تو اس کو نیند آنے لگتی ہے وہاں نیند بھی نہیں حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ جنت میں سوئیں گے بھی تو حضور نے فرمایا النوم اخ الموت یعنی نیند تو ایک قسم کی موت ہے۔

نیند کوئی مقصود بالذات چیز نہیں

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ جنت میں موت ہے نہیں لہذا نیند بھی نہ ہو گی اور واقعی جنت میں نیند ہونا بھی نہیں چاہئے کیونکہ نیند خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں بلکہ رفع تکان کے واسطے ہوتی ہے اور جنت میں تکان ہے نہیں تو نیند کی بھی کیا ضرورت ہے۔ اب یہاں ایک سوال ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ بات ثابت ہے کہ جنت میں جملہ وہ چیزیں ہوں گی جس کو کسی کا دل چاہے وفیھا ماتشتھیہ الانفس تو اگر کسی

کا دل نیند ہی کو چاہے تو نیند بھی ہونی چاہئے اور بعض لوگوں کے نزدیک تو نیند سب سے زیادہ محبوب چیز ہے۔

زیادہ سونے والوں کی حکایات

ہم نے ایک قصہ سنا ہے کہ ایک شخص تھے ان کو سونے کا بہت شوق تھا ایک دن مکان کے تہخانہ میں جا کر سو رہے اور کسی کو خبر نہ کی کھانے کے وقت ان کی تلاش پڑی تو کہیں پتہ نہ چلا خیر معمولی تلاش کے بعد گھر والے خاموش ہو رہے کہ کہیں گئے ہوں گے آجائیں گے لیکن وہ نہیں آئے یہاں تک کہ شام ہو گئی شام کو کھانے کے وقت پھر تلاش ہوئی مگر پتہ نہیں اب تو گھر والوں کو فکر ہوئی اور جہاں جہاں خیال ہوا تلاش کرایا مگر پتہ نہ چلا اگلا دن ہوا تو اب ان کی تلاش بڑے اہتمام کے ساتھ شروع ہوئی اور پچاس پچاس کوس تک آدمی دوڑے اور جہاں جہاں خیال پہنچا سب ہی جگہ ڈھونڈھ لیا مگر وہ حضرت گھر سے باہر کہیں گئے ہوں تو ملیں سب آدمی واپس آگئے اور گھر میں رونا پیٹنا پڑ گیا آخر مایوس ہو کر بیٹھ رہے کہ خدا جانے جنگل چلے گئے اور وہاں بھیڑیا کھا گیا یا کہیں پانی میں ڈوب گئے یا کیا ہوا غرض ماتم کر کرا کر بیٹھ رہے تین دن کے بعد ان حضرت کی آنکھ کھلی اور آپ تہ خانہ میں سے خیریت نکل آئے معلوم ہوا کہ یہاں سب رو پیٹ بھی چکے تو آپ فرماتے ہیں میں تو یہیں تہخانہ میں سو رہا تھا کیوں اتنا پریشان ہوئے۔ علی ہذا اٹاوہ میں ایک رئیس تھے میرے ایک عزیز ان کے یہاں رہتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز وہ ایسے موقعہ پر سو گئے جہاں سایہ بھی تھا مگر پرنالہ بھی گرتا تھا اور اتفاق سے بارش ہوئی اور پرنالہ رات بھر ان کی چھاتی پر گرتا رہا مگر ان کو خبر نہیں ہوئی صبح کو آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ رات بھر پرنالہ گرتا رہا اور بھیگے پڑے ہیں تب کپڑے اتارے میرے زمانہ قیام دیوبند میں ایک طالب علم تھے فیض محمد نام ان کے باپ کسی ریاست میں نوکر تھے ان کا بھی قصہ ایسا ہی ہے کہ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ ہلاؤ جلاؤ غل مچاؤ کچھ کرو مگر ان کو خبر نہیں ہوتی تھی جب تک ان کے کان کے پاس بندوق کا فیر نہ کیا جاتا ان کی آنکھ نہیں کھلتی تھی ریاست میں ان کی قدر تھی اور ایک فیر روزانہ کی ان کے جگانے کے واسطے منظوری ہو گئی تھی ایسے اور بھی قصے بہت ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے سونے والوں

کے نزدیک نیند سے زیادہ کون سی نعمت ہو سکتی ہے۔

جنت میں نیند کی خواہش نہیں ہو گی

تو کچھ عجب نہیں کہ یہ لوگ جنت میں بھی اس کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی اس کی خواہش کریں اور یہ ثابت ہے کہ جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو دل چاہے تو نیند بھی ملنی چاہئے تو تعارض ہو گیا نصوص میں ایک نص میں ہے وفیهما ماتشتهیه الانفس اور حدیث میں ہے کہ النوم اخ الموت جس کو میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ مطلب یہ ہے کہ وہاں نیند نہ ہو گی اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو سب قدرت ہے وہاں نیند کی خواہش ہی نہ ہونے دیں گے اور راز اس کا یہ ہے کہ نیند فی نفسہ کوئی مرغوب چیز نہیں اور یہاں جو مرغوب ہے تو اس وجہ سے کہ یہاں جاگنے سے تکان ہو جاتا ہے اس واسطے ضرورت پڑتی ہے سب کام چھوڑ کر تھوڑی دیر آرام کرنے کی یہی حقیقت ہے نیند کی اور جہاں تکان نہ ہو وہاں اس کی کیا ضرورت ہے۔ طالب علموں کے سمجھنے کے قابل تقریر اس امر کی کہ نوم کوئی مطلوب چیز نہیں اس طرح پر ہے کہ اصل نعمت وجودی چیز ہے اور اسی بنا پر تو دنیا کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنی نعمت کا اظہار مقصود تھا۔

من نکردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

تو پیدا کرنا نعمت ہوا فنا کرنا اصل میں نعمت نہیں ہوا۔

اور موت عدم ہے من وجہ (من وجہ اس واسطے کہا کہ عدم محض نہیں ہے) اور نیند مشابہ موت کے ہے لہٰذا نیند بھی اصل میں نعمت نہ ہوئی اور جنت نعمتوں اور عیش کا گھر ہے تو وہاں اس کا کیا ذکر ہے اس لئے جنت میں کسی کو اس کی تمنا ہی نہ ہو گی بس یہ سوال ایسا ہے جیسے کوئی کہنے لگے کہ جب جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو جی چاہے تو اگر کسی کا جی موت ہی کو چاہے تو یہ بھی ملنی چاہئے یا کسی کا جی لڑائی دنگے خون خرابے کو چاہے تو یہ بھی جنت میں ہونا چاہئے یہ مذاق تو ایسا ہے۔

ایک لطیفہ

جیسے ایک صاحب حقہ کے بڑے دلدادہ تھے انہوں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے پوچھا تھا کہ حضرت وہاں آگ بھی ملے گی کسی نے ظرافت سے جواب دیا کہ آگ بہت دوزخ میں سے جا کر لے آیا کرنا۔ سو یہ تو بد مذاقی ہے جنت والوں کا مذاق صحیح ہو گا نہ ایسی چیزیں جنت میں ہوں گی جو مضر یا غیر مطلوب ہیں اور نہ ان کا جی ایسی چیزوں کو چاہے گا اس کی مثال دنیا میں ہی لیجئے کہ دنیا میں کیسی کیسی چیزیں کھانے کو موجود ہیں اور کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص بڑا پیسہ والا ہے اس کو کھانے کو سب کچھ میسر ہے اس پر کوئی کہنے لگے کہ سب کچھ کہاں میسر ہے گھاس کہاں کھاتا ہے اور بھوسہ کی سانی اس کو کہاں میسر ہے بلکہ یوں کہنے لگے کہ گوبر تو وہ کھاتا ہی نہیں پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ سب چیز کھانے کو میسر ہے تو یہ سوائے اس کے کہ بے حسی ہے اور کیا ہے کھانے کو سب کچھ میسر ہونے کے معنی صحیح المزاج کے نزدیک یہی ہو سکتے ہیں کہ جو غذائیں انسان کے کھانے کی ہیں اور ان میں سے بھی اچھی اور عمدہ چیزیں اس کو میسر ہیں کہ قورمہ پلاؤ بریانی فیرنی جو چاہے وہ کھا سکتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی معنی نہیں کہ سوکھی روٹی بھی کھا سکتا ہے اور ان غذاؤں کا تو کیا ذکر جو جانوروں کے کھانے کی ہیں اور یوں معنی لغوی کے اعتبار سے تو یہ چیزیں بھی کھانے کی ہیں اور غذا بھی ہیں آخر گائے بیل بھوسہ اور سانی کھاتے ہیں اور گوہ بھی بعض جانوروں کی غذا ہے اس معنی کو تو کھانے کا لفظ ان سب پر صادق آسکتا ہے اور اس لفظ کے معنی کہ فلاں شخص کو سب کچھ کھانے کو میسر ہے لغت کے اعتبار سے اس طرح صحیح ہو سکتے ہیں کہ اس کو جانوروں کی غذا اور غلیظ بھی میسر ہے مگر یہ معنی کون مراد لیتا ہے عرف میں یہی معنی مراد لئے جاتے ہیں کہ اس کو وہ چیزیں میسر ہیں جو ایک صحیح المزاج اور سلیم العقل آدمی کھایا کرتا ہے اور صحیح المزاج آدمی کا دل ان چیزوں کو چاہا ہی نہیں کرتا جو بری ہیں اور جو طبیعت انسانی کے خلاف ہیں البتہ مزاج کی خرابی کے وقت اور خروج عن الاعتدال کی حالت میں بری چیزوں کو بھی جی چاہا کرتا ہے مثلاً بعض حالتوں میں مٹی کھانے کو جی چاہا کرتا ہے بعض صورتوں میں نیم کے پتے بھی کڑوے نہیں لگتے یا بے حسی کا زمانہ ہوتا ہے کہ بھلی بری میں تمیز نہیں ہوتی جیسے بچے کھٹائی بہت اور نہایت رغبت سے کھاتے ہیں کھٹائی ان کے نزدیک ایک بہت بڑی نعمت ہے حالانکہ عاقل سمجھ سکتا ہے کہ کھٹائی بھی کوئی کھانے کی چیز ہے اعصاب کو مضر ہے اور تمام

قوتوں کو کمزور کرتی ہے اسی واسطے جب شعور کا زمانہ آتا ہے تو بچوں کی طبیعت بھی کھٹائی سے اکثر خود ہٹ جاتی ہے۔ تو ایسی ممی چیزوں کو جی چاہنا بے شعوری کی دلیل ہے یا فساد مزاج کی اور اہل جنت نہایت صحیح المزاج اور سلیم العقل ہوں گے اس واسطے ان کا دل ہی ان چیزوں کو نہ چاہے گا جو مضر اور ممی ہیں دنیا اور جنت میں یہی فرق ہے کہ دنیا میں بعض وقت غیر قابل استعمال چیزوں کی طرف بھی رغبت ہوتی ہے اور جنت میں نہیں ہوگی حاصل یہ ہے کہ سونا کوئی مرغوب و مطلوب چیز نہیں لہذا یہ جنت میں نہ ہوگا اور نہ اس کو ان کا جی چاہے گا اور جاگنے سے ان کو تکان بھی نہ ہوگا۔ لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب جنت میں تکان مشقت ہے ہی نہیں وہاں راحت ہی راحت ہے نہ شخصی حالات میں کوئی حالت تکلیف کی یا ناگواری کی ہے اور نہ دوسرے کسی سے کوئی تکلیف پہنچے گی کیونکہ جنت کی صفت میں یہ بھی آیا ہے ونزعنا مافی صدورھم من غل یعنی جو کچھ سینوں کے اندر کدورتیں ہیں وہ سب نکال دی جائیں گی کیسی پاک زندگی ہے جس کی نظیر خیال میں بھی نہیں آئی کہ کوئی کلفت باقی نہیں اور کوئی راحت چھوٹی ہوئی نہیں اور دنیا کی یہ حالت ہے کہ یہاں ہم سروٹ میں مظفر نگر سے آئے ہیں چار فرلانگ تو چلنا پڑا ہی ہے اگرچہ یہ مسافت کچھ بھی نہیں ہے مگر کچھ نہ کچھ قصد و اہتمام کی اور پیر ہلانے کی حاجت تو ہوئی ہی ہے اور جنت میں حالانکہ اتنی بڑی جگہ ہے کہ ایک مکان کے گوشہ کا آدمی دوسرے گوشہ والے کو نظر نہ آئے گا لیکن اگر آپس میں ملنا چاہیں تو بس دل میں ارادہ پیدا ہو اور وہاں پہنچ گئے ایک قدم بھی چلنے اور تکلیف کی ضرورت نہیں۔ غرض تمام نعمتیں جنت میں کامل ہوں گی کسی میں شائبہ نقصان کا نہ ہوگا۔

اسلام کے دو ثمرات

حاصل یہ کہ اسلام کے دو ثمرے ہوئے ایک مضرات سے حفاظت دوسرے راحت کی چیزیں حاصل ہونا اور وہاں دونوں ثمرے کامل ہوں گے ان دونوں ثمرات کا کامل ہونا دوسری نصوص سے تو بصراحت ثابت ہے مثلاً ایک یہی آیت تھی

لا یمسنا فیھا نصب ولا یمسنا فیھا لغوب

یہ تو دفع مضرت پر دال ہے اور مثلاً یہ دوسری آیت ہے وفیھا ماتشتھیہ

الانفس وتلذا لاعین یہ حصول راحت پر دال ہے اور بھی بہت سی صریح آیتیں اس مضمون کی موجود ہیں اور جس آیت کا اس وقت بیان ہو رہا ہے اس میں ذرا تامل کے بعد ثمرات کے کمال پر متعدد طرف سے دلالت موجود ہے ایک تو یہ کہ ثمرہ کے دو فرد ہوتے ہیں نفی مضرات اور حصول راحات اور آیت میں دو جملے ہیں لھم دارالسلام اور وھو ولیھم- اول کا مدلول نفی ہے مضرات کی اور دوسرے کا مدلول اثبات ہے راحات کا تو اس طرح دونوں جزوں کا احاطہ ہو گیا اسی کو ثمرہ کامل کہتے ہیں ایک تو یہ وجہ ہوئی دلالت علی الکمال کی دوسرے یہ کہ لفظ دارالسلام سے بھی خوبی ثابت ہوتا ہے کہ سلامت عن المضرات علی وجہ الکمال ہے- کیونکہ اس معنی کے لئے اول تو صرف لفظ سلام بھی کافی تھا اسوجہ سے کہ سلام کے آگے کوئی قید نہیں تو مطلق سلام ہوا اور یہ قاعدہ ہے کہ المطلق اذا اطلق براد بہ الفرد الکامل اس واسطے لفظ سلام سے کامل سلامتی مراد ہو گی گو کہیں مطلق سے ادنیٰ فرد بھی مراد لیا جاتا ہے مثلاً عتق رقبہ میں جو کہ بعض کفارات میں ہے اس میں مومن وغیرہ کی قید نہیں لہذا بقاعدہ المطلق یجری علی اطلاقہ کوئی رقبہ بھی آزاد کر دیا جاوے خواہ مومن ہو یا کافر تو کفارہ ہو جاوے گا سو یہ تابع قرائن کے ہے اور یہاں قرینہ دال ہے کہ لفظ سلام فرد کامل ہی پر محمول ہو گا کیونکہ اگر ادنیٰ فرد مراد لیں تو جنت کو دنیا پر کیا ترجیح ہو گی کیونکہ ادنیٰ سلام تو یہاں بھی موجود ہے لہذا المطلق یجری علی اطلاقہ یہاں جاری نہ ہو گا بلکہ وہ پہلا ہی قاعدہ جاری ہو گا یعنی المطلق اذا اطلق براد بہ الفرد الکامل- تاہم کچھ نہ کچھ گنجائش اس شبہ کی بھی تھی کہ شائد سلام سے ادنیٰ فرد مراد ہو لیکن جب لفظ دار بڑھا دیا تو یہ شبہ بالکل ہی نہیں رہا اب یہ معنی ہو گئے کہ ایسے عالم کی سلامتی مراد ہے کہ وہ سلامتی کا گھر ہی ہے-

دارالسلام کی عجیب و غریب تفسیر

اس کی تنویر ایک مقدمہ سے ہو گی وہ یہ ہے کہ ہر گھر کا ایک موضوع لہ ہوا کرتا ہے یعنی وہ امر جس کے لئے وہ گھر بنایا گیا ہو مثلاً رہنے کا گھر- یا اسباب کا گھر- یا مواشی کا گھر- یا مہمانوں کا گھر- اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ رہنے کا گھر وہ ہے کہ جس میں رہنے کا سامان پورا ہو چارپائیاں لیٹنے کے لئے اس میں موجود ہوں

فرش بیٹھنے کے لئے بچھا ہوا ہو لیمپ روشنی کے واسطے رکھا ہوا ہو پنکھا ہوا کے لئے لگا ہوا ہو پانی پینے کے واسطے رکھا ہوا ہو کھڑکیاں ہوا کے واسطے کھلی ہوئی ہوں چھت گیری تنی ہوئی ہو تاکہ چھت میں سے مٹی نہ گرے وغیرہ وغیرہ جتنے سامان رہنے کے متعلق آسائش اور آرائش کے ہیں سب موجود ہوں اور اسباب کا گھر وہ کہلائے گا جس میں اسباب رکھنے کا سامان پورا موجود ہو متعدد مچان ہوں الماریاں ہوں صندوق ہوں کواڑ مضبوط ہوں تالا کنجی درست ہو اور مواشی کا گھر وہ ہوتا ہے جس میں جانوروں کے باندھنے رہنے کا سامان ہو مثلاً کھونٹے مضبوط گڑے ہوں ان کے کھانے کے لئے سانی کی ناندیں گڑی ہوں بھوسہ بھرا ہوا ہو چری بہت سی جمع کی ہوئی ہو۔ علیٰ ہذا مہمانوں کا گھر ایسا ہونا چاہئے جس میں مختلف مذاق کے لوگوں کے آسائش کے سامان ہوں حقہ بھی موجود ہو پاندان بھی رکھا ہوا ہو پانی کے لئے متعدد برتن ہوں بہت سی چارپائیاں ہوں اگر مہمان بڑی حیثیت کے لوگ ہوں تو آرائش کا سامان بھی بقدر کافی ہو جھاڑ فانوس لگائے جاویں لیمپ بجلی کے ہوں نقش و نگار سے بھی مکان کو آراستہ کیا جاوے خدمت گار بھی متعدد ہوں۔ غرض ہر گھر کا ایک موضوع ہوتا ہے اور عادت یہ ہے کہ جس گھر کو جس موضوع کے لئے تجویز کیا جاتا ہے اس موضوع کی وہاں پوری تکمیل کی جاتی ہے اور اپنے امکان بھر موضوع کے تمام مناسبات کو جمع کیا جاتا ہے جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب سنئے کہ قرآن میں محاورات اور عادات کی رعایت بہت ہے تو جس کو حق تعالیٰ نے دارالسلام فرمایا ہے جس کے معنی ہیں سلامتی اور حفاظت کا گھر اس کا موضوع آفات سے حفاظت اور امن ہوا تو لامحالہ وہاں یہ موضوع کامل ہو گا اس سے اجمالاً تو سمجھ میں آگیا ہو گا کہ دارالسلام جس جگہ کا نام ہے وہ جگہ پوری پوری حفاظت اور امن کی جگہ ہو گی۔ اب اس کی کچھ تفصیل بھی سنئے اس سے خوب سمجھ میں آجاوے گا کہ وہ دارالسلام واقعی ایسی ہی جگہ ہے جہاں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہو سکتی میں کہہ چکا ہوں کہ عادت یہ ہے کہ ہر گھر کی اس کے موضوع میں پوری تکمیل کی جاتی ہے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ جس کا کام کا گھر بناوے اس میں کچھ کمی رہ جائے پھر بھی اگر کمی رہ جاتی ہے تو اس کی وجہ دو ہوتی ہیں یا تو یہ کہ جو شخص بناتا ہے وہ پورا عاقل نہیں ہے کہ اس مکان کی سب ضروریات اس کے ذہن میں نہیں آئیں اس وجہ سے بعض چیزیں چھوٹ گئیں یا یہ کہ ضرورتیں تو ذہن میں سب

آگئیں گھر بنانے والے کو ان کی تکمیل کی پوری قدرت نہیں مثلاً روپیہ کم ہے یا جگہ پوری نہیں ملتی تو لامحالہ جتنی گنجائش ہوگی اتنے ہی کام پر بس کیا جائے گا اور اگر بنانے والا پورا عاقل ہے اور اصول تعمیر سے اور ضروریات انسانی سے پورا واقف اور تجربہ کار ہے اور صاحب قدرت بھی ہے یعنی روپیہ بھی کافی موجود ہے اور جگہ کی بھی کمی نہیں تو ظاہر ہے کہ پھر وہ مکان کو ناقص کیوں رکھے گا کامل ہی بنائے گا اور جو کچھ بھی اس کی موضوع کے مناسب ہوگا وہ سب اس میں مہیا کرے گا مثلاً گھر کو تفریح کے لئے بنائے گا تو اس میں پورا سامان تفریح کا رکھے گا جھاڑ فانوس نقش و نگار فرش فروش سب ہی کچھ سامان نشاط کا مہیا کرے گا اور جو وظیفہ پڑھنے کے لئے بنائے گا تو اس میں وظیفہ کا پورا سامان رکھے گا مناجات مقبول بھی ہوگی دلائل الخیرات بھی حزب اعظم بھی تسبیح بھی چوکی جاء نماز بھی غرض سب چیز وظیفہ کے متعلق ہوں گی جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا۔

دارالسلام کا مفہوم

تو اب دارالسلام کو لیجئے کہ وہ گھر بنایا گیا ہے آفات سے محفوظ ہونے کے لئے دارالسلام کے معنی یہ ہوں گے کہ سلامت و حفظ عن الآفات کی صفت میں وہ کامل ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ دیکھا جاوے کہ وہ گھر بنایا کس نے ہے حق تعالیٰ نے جن کو تکمیل سے کوئی مانع نہیں کیونکہ مانع دو ہوتے ہیں علم نہ ہونا یا قدرت نہ ہونا اور وہاں ان میں سے کوئی بھی نہیں حق تعالیٰ کا علم بھی کامل اور قدرت بھی کامل پھر یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ جس گھر کو حق تعالیٰ نے سلامتی اور حفاظت عن الآفات کے لئے بنایا ہو اس میں کوئی بھی وہ چیز چھوٹ گئی ہوگی جس کو اس موضوع میں دخل ہو یہ بہت ہی موٹی بات ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وہاں ہر قسم کی تکالیف سے حفاظت رہے گی حتیٰ کہ جو تکالیف کہ اس وقت ہمارے خیال میں بھی نہ آویں اور کبھی آئندہ ہو سکتی ہوں جن کا علم حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں وہ بھی وہاں نہیں ہیں۔

دنیا کا گھر محض سرائے ہے

اے مسلمانو ہمارا گھر وہ ہے جس کی یہ شان ہے دنیا کو گھر نہ سمجھو دنیا محض سرائے ہے راستہ چلتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے یہاں ٹھہرنا ہے۔

دنیا میں دل لگانے کی عجیب مثال

مگر ہم نے اس میں دل لگا لیا ہماری مثال اس سپاہی کی سی ہے جس نے ساری عمر نوکری کی اور جو کچھ کمایا تھا اس کو لیکر گھر کو چلے راستہ میں کہیں سرائے میں ٹھہرے ایک کوٹھری کرایہ پر لی وہ کوٹھری ان کو ایسی پسند آگئی کہ آپ نے فوراً راج مزدوروں کو بلایا اور اس کی لیپائی پوتائی شروع کی اور عمدہ قسم کی قلعی کرائی اور بازار سے دری اور فرش اور چوکی اور جھاڑ اور فانوس لائے اور خوب سجایا غرض پانچ ہزار روپیہ جو کما کر لائے تھے وہ سب اس کوٹھری کی سجاوٹ میں لگا دیا اور اس میں بیٹھ بیٹھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ یہ ہمارا گھر ہے اور بھٹیاری اس کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہی ہے کہ اچھا بیوقوف پھنسا یہ تو اطمینان سے بیٹھے تھے مگر وہ کوٹھری ایک وقت مقرر کے لئے کرایہ پر دی گئی تھی جب وقت آیا بھٹیاری نے نوٹس دیکر ان کو نکلوا دیا اب یہ بیک بینی و دوگوش وہاں سے گھر کو چل دئے جو کچھ ساری عمر میں کمایا تھا وہ اس کوٹھری میں غارت کر آئے گھر گئے تو دیکھا کہ بچے بھوکے ہیں اور جو مکان رہنے کا تھا اور جس میں ساری عمر ان کو کاٹنی تھی وہ گر چکا بیوی الگ کوس رہی ہے بچے الگ بھوک کے مارے غل مچا رہے ہیں یہ حالتیں دیکھ کر ان پر جو قیامت گذر رہی ہے وہ انکا دل ہی جانتا ہے اب بچوں کے لئے اور اپنے لئے کچھ کھانے کو لانا چاہتے ہیں بازار گئے تو پیسہ پاس نہیں بازار میں طرح طرح کی چیزیں دیکھ کر منھ میں پانی بھر آتا ہے مگر کیا کریں۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر
تہیدست رادل پراگندہ تر

بس اب روتے ہیں اور کف افسوس ملتے ہیں اور یاد کرتے ہیں کہ ہم اس کمائی کو جو اس کوٹھری میں لگا آئے یہاں لاتے تو کیا لطف ہوتا ہم بھی اوروں کی طرح چین کرتے اور مزے کی زندگی بسر کرتے کوئی ایسی صورت ہو کہ جو روپیہ وہاں لگایا تھا آدھا تہائی ہی مل جاوے تو وہاں سے لے آویں مگر فرض کر لیا جاوے کہ اس سرائے کے احاطے میں ایسا دروازہ ہے کہ جب وہاں سے کوئی چل دیتا ہے تو اس دروازہ سے

نکل تو جاتا ہے مگر لوٹ کر پھر اس میں نہیں جا سکتا اب کوئی صورت نہیں کہ وہاں پہنچیں بس اب ایک ایک گھڑی کاٹنا مشکل ہے بازار کی دوکانوں پر نظر اٹھاتے ہیں اور حسرت کے ساتھ نیچے کر لیتے ہیں اور ایسی ندامت ہے جس کا کچھ تدارک نہیں ہو سکتا۔ حضرت قیامت میں یہی ہوگا قیامت ایک بازار ہے جس کو شیخ سعدی کہتے ہیں ؂

قیامت کہ بازار مینو نہند

منازل باعمال نیکو دہند

اس بازار میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جو کہیں بھی نہیں ہو سکتیں اور ان کا خیال بھی کسی کو نہیں آسکتا ان کے خریدنے کے لئے وہاں کے سکہ کی ضرورت ہوگی وہاں کا سکہ اعمال ہے جب وہاں پہنچے تو یہ سکہ ہاتھ میں نہیں ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر جو کچھ حسرت ہوگی وہ ظاہر ہے۔

اہل اللہ کا تقویٰ طہارت

حسرت پر ایک مفید حکایت یاد آئی وہ سب کے مذاق کے مناسب تو نہیں ہے مگر نتیجہ خیز ضرور ہے اس سے اللہ کے بندوں کا تقویٰ طہارت معلوم ہوتا ہے اور اس کا پتہ چلتا ہے کہ ان حضرات کی نظر کس درجہ دقیق ہوتی ہے وہ حکایت یہ ہے کہ ایک بزرگ کا لڑکا مدرسہ میں پڑھتا تھا یہ بزرگ ایک دفعہ اس کے پاس گئے وہ اس وقت حجرہ میں نہ تھا انہوں نے دیکھا کہ حجرہ میں ایک روٹی رکھی ہے اس کی ہیئت سے سمجھے کہ یہ روٹی بازار کی ہے خیر بیٹھ گئے تھوڑی دیر کے بعد لڑکا آیا اور سلام کیا تو انہوں نے جواب نہیں دیا اور کہا کہ میں تجھ سے نہ بولوں گا تو روٹی بازار کی کھاتا ہے اس نے کہا حضرت یہ روٹی میری نہیں ہے میرا ایک اور شریک ہے جو اسی حجرہ میں رہتا ہے اس کی ہے کہا تو تو ایسے کی صحبت میں رہتا ہے جو روٹی بازار کی کھاتا ہے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے تو اس قابل نہیں کہ تجھ سے کلام کیا جائے (یہ کوئی شرعی فتویٰ نہیں ہے کبھی کوئی حکم لگا دے کہ بازار کی روٹی کھانا ناجائز ہے ایک اہل دل کا حال ہے) اور اس میں انہوں نے ایک ایسی باریک بات فرمائی تھی جس تک ہم جیسوں کی نظر نہیں پہنچتی وہ یہ کہ بازار میں جو روٹی بکتی ہے اس کے سامنے سے بہت لوگ گذرتے ہیں جو بھوکے ہوتے ہیں اور اس کو خرید نہیں سکتے اس لئے حسرت سے اس

پر نظر کرتے ہیں جس سے ان کی دل آزاری ہوتی ہے تو جو چیز سبب بنے مساکین کی دل آزاری کا اسمیں برکت نہیں رہتی اس وجہ سے اس کو ناپسند کیا جاتا ہے۔ کس درجہ باریک بات ہے واقعی یہ علوم بجز اہل اللہ کے کسی کو میسر نہیں ہوتے میں پھر کہتا ہوں کہ یہ فتویٰ نہیں ہے کہ بازار کی روٹی کھانا منع ہے مگر حتی الامکان الر اس کا خیال رکھا جاوے کہ بازار کی چیز نہ کھاویں گھر بنا کر کھاویں تو زیادہ بہتر ہے یہ حکایت حسرت کے لفظ پر یاد آئی تھی اس حکایت میں اہل اللہ کی ہمدردی اور باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے۔

اہل اللہ کی باریک بینی کی حکایات

اس پر ایک اور حکایت یاد آئی کہ ایک بزرگ نے ایک عورت سے نکاح کا پیغام دیا مگر بات طے نہ ہوئی اور ان سے نکاح نہ ہوا بلکہ ایک اور جگہ اس عورت کا نکاح ہو گیا تو ان بزرگ نے آکر اس دوسرے شوہر کے آگے ہاتھ جوڑے کہ مجھ سے بڑا قصور ہوا اس نے کہا خیر تو ہے کیا ہوا کہا قصور یہ ہے کہ میں نے ایسی عورت کو پیغام دیا جو علم الہٰی میں آپ کے لئے مقدر تھی اس طرح سے وہ آپ کی بیوی تھی۔ مجھ سے یہ گستاخی ہوئی کہ اس کا ارادہ کیا یہ بات ظاہراً ایک بے عقلی کی سی معلوم ہوتی ہے ایک عورت کو مختلف آدمی پیغام دیا ہی کرتے ہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پیغام دینا برا تھا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو اس دوسرے شخص کو جس سے کہ اس کا اب نکاح ہوا ہے اس عورت سے پیغام دینے میں تو کچھ برائی ہو بھی سکتی ہے کیونکہ پہلے والے کا حق گو نہ ثابت ہو چکا ہے لیکن یہ ظاہر بینوں کی بات ہے ان بزرگ پر خوف خدا اور حقیقت شناسی غالب تھی انہوں نے امر مقدر کو ایسا ہی سمجھا جیسے محقق کو یعنی جیسے نکاح شدہ عورت کو پیغام دینا اور اس کا برا ہونا ظاہر ہے اس واسطے اس سے معافی مانگی۔ اس قصہ میں یہ نظر ہوتی ہے اہل اللہ کی ان کو علوم القا ہوتے ہیں اور دل ان کا اتنی خفیف بات کو بھی گوارا نہیں کرتا۔

مصرع

خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے

یہ انہی کے حالات ہیں انہی کو اتنا علم تھا اور انہی کو اتنی ہمت بھی تھی اور

آج کل کیا منہ ہے کہ ان کی ریس کی جاوے اتنی ہمت کہاں اس لئے آج کل بعض لوگوں کو بوجہ ہمت عمل نہ ہونے کے زیادہ علم بھی مضر ہوتا ہے کیونکہ ان کا عمل علم کی برابر نہیں ہوتا لہذا بجائے اصلاح کے اور الٹا تکبر اور خود بینی اور دعوی تقدس پیدا ہو جاتا ہے۔ اہل اللہ کی باریک بینی پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک بزرگ کی بی بی تیز مزاج تھی بہت برا بھلا کہتی اور وہ ہمیشہ حلم سے کام لیتے۔ ایسے بزرگ کی ایسی بی بی۔ اس تیز مزاجی پر حکایت کے بیچ میں ایک اور حکایت یاد آئی کہ لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے ان کی بی بی نہایت بری اور بد مزاج تھی ایک دن انہوں نے جھلا کر کہا تو بڑی کمبخت ہے کہ باوجود ایسے سامان اصلاح کے تیری اصلاح نہ ہوئی اس نے کہا میاں کمبخت تم ہو گے کہ تم کو ایسی بی بی ملی میں تو بڑی خوش نصیب ہوں کہ مجھے ایسا خاوند ملا۔ اس پر ایک اور حکایت یاد آئی ایک ایسے ہی میاں بی بی تھے کہ میاں خوبصورت تھے اور بی بی بد صورت تھی میاں ظریف بھی تھے ایک دن بولے کہ ہم دونوں جنتی ہیں کیونکہ میں جب تمہیں دیکھتا ہوں صبر کرتا ہوں اور تم جب مجھے دیکھتی ہو تو شکر کرتی ہو اور صابر اور شاکر دونوں جنتی ہوتے ہیں۔ یہ دونوں حکایتیں اس حکایت کے بیچ میں آگئی تھیں وہ اصل حکایت یہ تھی کہ ان بزرگ کی بیوی بہت تیز مزاج تھیں اکثر اوقات بیچارے تنگ ہوا کرتے تھے ایک دفعہ بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ کو بہت تکلیف ہوتی ہے اس کو طلاق دیدیجئے فرمایا بھائی دل میں تو بہت دفعہ آیا لیکن یہ سوچا کہ میں نے اس کو طلاق دیدی تو شاید یہ کسی سے نکاح کرے وہ دوسرا اس بلا میں پھنسے گا بجائے اس کے کہ دوسرے کو تکلیف ہو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہی اس تکلیف میں مبتلا رہوں اور دوسروں کے لئے سپر رہوں یہ ہے باریک بینی اور یہ ہیں اخلاق جن کو حقیقی اخلاق کہنا چاہئے آج کل لوگ اخلاق اور تمدن اور تہذیب کے بڑے مدعی ہیں غور کر لیجئے کہ یہ اخلاق ہیں یا آج کل کے اخلاق۔ آج کل اخلاق کہتے ہیں نرم بولنے کو اور بار بار جھکنے کو اور آداب اور سلام۔

ظاہری تواضع

اخلاق پر ایک قصہ یاد آیا ایک گاڑی بان اپنی حکایت بیان کرتا تھا کہ ایک مولوی صاحب سے کریما پڑھا کرتا تھا اس میں تواضع کا بیان آیا مولوی صاحب نے

سبق پڑھا کر اگلے دن سنا اور پوچھا کہ بتلا تواضع کس کو کہتے ہیں کہا جی کوئی آیا اس کو حقہ دے دیا پان کھلا دیا بٹھا لیا انہوں نے خوب پیٹا اس قصہ کو سن کر تو لوگ ہنستے ہیں کیونکہ ایک جاہل اور گنوار کا قصہ ہے لیکن آج کل کے تعلیم یافتوں کے اخلاق اور تواضع دیکھیے تو ان کی حقیقت بھی اس سے زیادہ نہیں جس کو اس گنوار نے تواضع کہا تھا جھکتے بہت ہیں اور نرمی سے بولتے ہیں لیکن دل میں تکبر بھرا ہوا ہے اور جس کے سامنے جھکتے ہیں اور نرم بولتے ہیں اس کو اپنے سامنے سمجھتے بھی کچھ نہیں بڑا اپنے آپ ہی کو سمجھتے ہیں حالانکہ تواضع کے معنی فروتنی اور انکسار کے ہیں یعنی اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور اخلاق مع الخلق کی حقیقت ہے دوسرے کی رعایت اپنے آپ سے زیادہ کرنا۔ اب دیکھ لیجئے کہ یہ دونوں چیزیں آج کل کے لوگوں میں کہاں تک موجود ہیں بس جو کچھ ہے زبانی جمع خرچ ہے میں کہتا ہوں کہ آج کل کے جو کچھ اخلاق ہیں وہ صورت ہے اخلاق کی اور حقیقت کا اس میں پتہ بھی نہیں حقیقی اخلاق وہ ہیں جو ان بزرگوں میں تھے جن کی حکایتیں آپ نے سنیں ظاہر میں وہ لوگ اتنے نرم اور جھکنے والے نہ تھے مگر اس کا اہتمام رکھتے تھے کہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے چاہے اپنے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑے۔ مگر آج کل مذاق ایسا بگڑا ہے کہ اگر حقیقی اخلاق کسی میں ہوں تو وہ نظر میں نہیں آتے لوگ بزرگوں کے یہاں جاتے ہیں اور ان کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خوش نہیں ہوتے اور شکایت کرتے ہیں کہ وہ تو ایسے خشک اور مغرور ہیں کہ کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے اور جو ان کے ساتھ چار گھنٹہ چڑ بڑ کرتا رہے اور خوب آؤ بھگت کرے وہ خلیق مانا جاتا ہے چاہے یہ سب کچھ صرف ظاہر داری اور تصنع اور بناوٹ ہی ہو اور کام کی بات ایک بھی نہ ہو اور وقت پر ذرا بھی کام نہ آوے ایسے آدمیوں کی طرف بڑا اعتقاد ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک خلق کے معنی وہی ہوئے جو اس گنوار نے کہے تھے کہ حقہ پلا دینا اور پان کھلا دینا۔

اخلاق اور ہی چیز ہیں

صاحبو اخلاق اور ہی چیز ہیں صرف صورت بنا لینے کا نام اخلاق نہیں اخلاق تو وہ ہیں جو دل میں ہوں بزرگوں میں یہی اخلاق ہوتے ہیں کہ جڑ تو ان کی دل میں ہوتی ہے اور آثار ان کے ظاہر پر بھی نمایاں ہوتے ہیں مگر نہ اتنا جتنا کہ اہل تصنع میں

ہوتا ہے اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی مکہ معظمہ کو ہجرت کر گئے تھے ان کا گھر مکہ معظمہ میں میں نے بھی دیکھا ہے بہت گلیوں کے اندر ہے ان کی عادت یہ تھی کہ جو کچھ روپے پیسہ ان کے پاس تھا وہ سب ایک تھیلی میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اس میں روپیہ بھی ہوتے اور دونی بھی اور چونی بھی غرض جو کچھ نقد ان کے پاس تھا وہ سب اس تھیلی میں تھا جب بازار جاتے تب بھی وہ تھیلی ساتھ جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی کچھ محبت اہل اللہ کو نہیں ہوتی کوئی دنیا دار ہوتا تو مال کو چھپا کر رکھتا زمین میں گاڑ دیتا یا صندوق میں تالا لگا کر رکھتا مگر یہاں کچھ بھی نہیں اس کی پرواہ ہی نہیں کہ کوئی دیکھ لے گا اور چھین لے گا یا چرا لے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اہل اللہ کی لطافت

ایک دن بازار سے کچھ خریدا اور دام نکالنے کے لئے ساری تھیلی الٹ دی دام کی قدر نکال کر باقی پھر اس میں بھر لیا کسی بدو کی نظر اس پر پڑ گئی اور وہ ساتھ ہو لیا جب وہ گلیوں میں پہنچے تو ایک دم اس تھیلی کو ان کے ہاتھ سے چھین بھاگا ان حضرت نے اتنی بھی پرواہ نہ کی کہ اس کا تعاقب کرتے یا غل مچا دیتے تو محلہ میں سے آدمی نکل آتے اور اس بدو سے تھیلی چھین لیتے یہی دلیل ہے اثبات کی کہ ان کا تھیلی کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا مال کی محبت کیوجہ سے نہ تھا جیسا کہ بعض دنیا داروں کو دیکھا جاتا ہے کہ اشرفیاں بازو پر باندھے رہتے ہیں کیونکہ وہ ان کو نہایت محبوب ہوتی ہیں ذرا دیر کو بھی ان کا جدا کرنا گوارا نہیں کرتے یہاں تو دنیا سے کچھ تعلق ہی نہ تھا تھیلی جاتی رہی جاتی رہی یہ اپنے گھر میں آگئے قدرت خدا دیکھئے کہ دنیا دار کیا کچھ حفاظت کرتے ہیں تالے صندوق پہرہ چوکی رکھتے ہیں اور یہاں کچھ بھی نہ تھا مگر یہاں خدائی پہرہ تھا بدو وہ تھیلی لے تو گیا مگر اب اس کو گلیوں میں راستہ نہیں ملتا جدھر جاتا ہے ادھر گلی بند۔ ہمایوں کے مقبرہ کی بھول بھلیاں ہو گئی کہ اس میں چلے تو جاؤ مگر نکل نہیں سکتے بیچارہ بہت حیران پھرا مگر راستہ نہیں ملا اب تو ہوش درست ہوئے اور سمجھا کہ یہ کوئی خدا کا بندہ ہے۔ مصرع جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا۔ دنیا دار ایسے لوگوں کے معتقد جوتے کے زور سے ہوتے ہیں اسی واسطے دیکھا ہوگا کہ آج کل لوگ

مجذوبوں کے زیادہ معتقد ہوتے ہیں کیونکہ وہ سیدھی طرح بات نہیں کرتے گالیاں دیتے ہیں پتھر مارتے ہیں واہی تباہی بکتے ہیں سو ان کی خوشامدیں ہوتی ہیں ہاتھ جوڑے جاتے ہیں اور رہے بیچارے مولوی تو گھنٹوں سرماریں اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین بیان کریں مگر کسی کو بھی اعتقاد نہیں ہوتا اور وہ ڈنڈے مارتے ہیں اور اعتقاد بڑھتا جاتا ہے غرض سیدھوں کی پوچھ نہیں جب کوئی دباؤ پڑتا ہے تب اعتقاد ہوتا ہے۔

آخر وہ بدو روپیہ کی تھیلی لئے ہوئے اسی گھر پر گیا جس میں شاہ صاحب گئے تھے اور پکارا اپنی تھیلی لے لو مگر خبرے نباشد کئی بار پکارا مگر جواب نہیں ملا۔ پکار کر کہا معاف ہی کر دو مگر خبر ندارد۔ اب یہ سمجھے کہ میں نے تمام حجت کر دیا اب میرے اوپر کوئی الزام نہیں رہا اگر کسی کو لینا ہوتا تو لے لیتا معلوم ہوتا ہے کہ معاف کر دیا یہ خبر نہیں کہ ان کا محافظ کوئی اور ہے اس کی معافی کی بھی ضرورت ہے یہ معاف بھی کر دیں تو وہ معاف نہیں کرتا بعض جرائم کی مدعی سرکار ہوتی ہے ان میں صاحب حق کے معاف کرنے سے بھی مجرم بری نہیں ہوتا خیر اس نے سمجھا کہ میں اپنا کام کر چکا اور تھیلی لے کر چلا لیکن راستہ پھر نہیں ملتا اب بہت پریشان ہوا ایک اور تدبیر نکالی کہ محلہ میں کھڑے ہو کر غل مچایا کہ دوڑیو مجھے لوٹ لیا اور مجھ پر ظلم کیا محلے والے نکل آئے کہ کیا بات ہے پوچھا کس نے ظلم کیا کہا یہ شخص جو اس گھر میں رہتا ہے اس نے ظلم کیا اس کو بلاؤ لوگوں نے باوجود اس کی تکذیب کے اتمام حجت کے لئے آواز دی شاہ صاحب نکلے اس نے ہاتھ پکڑ لیا کہ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے لوگوں نے پوچھا کیا ظلم کیا کہنے لگا میں ان کی تھیلی چھین کر بھاگا تھا تو مجھ کو راستہ نہیں ملتا ان سے کہو اپنی تھیلی لے لیں اور وہ تھیلی سامنے رکھ دی کہ یہ لے لو شاہ صاحب نے کہا میری نہیں ہے میں کیسے لے لوں اب لوگ حیران ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اتنا روپیہ دے رہا ہے اور کہ رہا ہے کہ تمہارا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ میرا نہیں یہ عجیب مقدمہ ہے دنیا میں تو مقدمے اس طرح کے ہوا کرتے ہیں کہ ہر فریق یہ دعوی کیا کرتا ہے کہ روپیہ میرا ہے مگر یہاں اس کا عکس ہے کہ ہر فریق یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں۔ محلے والوں نے بھی دیکھا تھا کہ یہ تھیلی شاہ صاحب کے ہاتھ میں رہا کرتی ہے اس واسطے یہ تو معلوم ہو گیا کہ یہ ملک شاہ صاحب ہی کی ہے مگر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے کسی نے پوچھا کہ یہ تھیلی تو آپ ہی کی ہے کہا ہاں

میری ہی تھی مگر اب نہیں ہے وجہ یہ کہ جب یہ شخص میرے ہاتھ میں سے اس کو چھین کر بھاگا مجھے خیال ہوا کہ یہ شخص گناہ گار ہوا اور اس کے بدلے دوزخ میں جائے گا اس سے مجھے نہایت قلق ہوا کہ ایک مسلمان میرے سبب دوزخ میں جائے لہذا میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا کہ اللہ یہ مال میں اس کو ہبہ کرتا ہوں اور بعد ہبہ کے قبضہ بھی ہو گیا اس لئے اب یہ مال اس کی ملک ہو گیا اور ہبہ میں رجوع جائز نہیں تو اب میں اس مال کو کیسے واپس لوں۔ یہ مسئلہ بھی سمجھ لیجئے کہ اگرچہ یہ مال ہبہ کر دیا گیا تب بھی اس صورت میں رد جائز ہے کیونکہ ایجاب سے ہبہ تام نہیں ہوا اور قبول پایا نہیں گیا پھر خاص کر اس صورت میں کہ موہوب لہ رضا مندی سے خود واپس کر رہا ہے تو یہ در حقیقت رجوع ہے ہی نہیں لیکن ان حضرت نے صرف اپنے ایجاب کو مورث شبہ اور صورت رجوع کو مشابہ رجوع حقیقی کے قرار دے کر اس سے احتیاط فرمائی۔

ان حضرات کی طبیعت ایسی لطیف ہوتی ہے کہ عدم جواز کے شبہ کو بھی گوارا نہیں کرتی اور اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں جو ناجائز چیز کے ساتھ کرتے ہوں اس کی ایسی مثال ہے جیسے ایک تو معمولی آدمی ہیں کہ کھانے پینے میں صفائی کا چنداں اہتمام نہیں کرتے اور بعض نفیس مزاج ایسے ہوتے ہیں کہ پانی ان کے سامنے ذرا میلے برتن میں بھی لایا جاوے تو ان کی طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی حالانکہ پانی میں کچھ میل نہیں ہے مگر برتن کی صورت دیکھ کر ان کی طبیعت پانی سے بھی ہٹ جاتی ہے اسی طرح ان حضرات کا ادراک ہوتا ہے کہ اگرچہ کوئی فعل معصیت نہ ہو لیکن ذرا سا شبہ اور نام معصیت کا اس میں شامل ہو جانے سے ان کی طبیعت اس سے ہٹ جاتی ہے یہ اس واسطے کہہ دیا گیا کہ ان پر کوئی ناواقفی احکام یا غلو فی الدین کا اعتراض نہ کرے۔ اہل اللہ پر اعتراض نہ کرو ان کی کوئی بات ظاہراً خلاف بھی دیکھو تو جلدی نہ کرو انتظار کرو ان کو حق تعالیٰ نے فہم سلیم دیا ہے وہ نشیب و فراز کو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں تھوڑی دیر صبر کرو ان کے فعل میں ضرور کچھ حکمت نکلے گی یہ حضرات دور تک پہنچتے ہیں دیکھئے ان بزرگ کی نظر کہاں پہنچی کہ اس شخص کی تکلیف کا خیال ہوا کہ یہ دوزخ میں جائے گا اور میری وجہ سے اس کو عذاب ہو گا اس واسطے وہ مال اس کو ہبہ کر دیا کیا ٹھکانا ہے اس باریک بینی کا اور اس رحم کا یہ حضرات اپنے

اوپر سخت ہوتے ہیں اور دوسرے کے اوپر بے حد نرم دوسرے کی ذرا سی تکلیف بھی ان سے دیکھی نہیں جاتی اور اگر کہیں سختی بھی کرتے ہیں تو وہ سختی ان کی واقع میں سختی نہیں ہوتی کیونکہ دوسرے کے نفع کے لئے ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ڈاکٹر پھوڑے کا آپریشن کرتا ہے کہ اس سے مریض کو تکلیف ہوتی ہے اور دیکھنے والے بھی اس کو بے رحمی اور قصائی پنا کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض نرم طبیعتیں تو آپریشن کرتے ہوئے دیکھ بھی نہیں سکتیں لیکن در حقیقت یہ بے رحمی نہیں ہے کیونکہ ڈاکٹر جانتا ہے کہ ابھی تو پھوڑا ہے اگر آپریشن نہ کروں گا تو سارا عضو سڑ جائے گا اور سب کو کاٹنا پڑے گا تو وہ اس ذرا سے آپریشن کی بدولت سارے عضو کو کٹنے سے بچاتا ہے تو یہ رحم ہوا یا بے رحمی یہ اگر بے رحمی ہوتی تو مریض کے گھر والے اور ماں باپ اس کو ڈاکٹر کے پاس کیوں لیجاتے اور کیوں فیس دیتے یہ اچھی بے رحمی ہے کہ ہاتھ جوڑتے ہیں اور نخرے اٹھاتے ہیں اور روپیہ خرچ کرتے ہیں اور آپریشن کراتے ہیں ہاں صورت بے رحمی کی ضرور ہے مگر در حقیقت رحم ہی ہے اسی طرح ان حضرات کی سختی ہوتی ہے کہ ظاہرا سختی معلوم ہوتی ہے لیکن در حقیقت رحم اور ہمدردی ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اگر آج ایسا نہ کیا جائے گا تو کل کو یہ شخص جہنم میں جائے گا اس واسطے اس تھوڑی سی سختی کو اس کے واسطے پسند کرتے ہیں جس کی بدولت وہ دائمی عذاب سے بچ جاتا ہے اور یہی بات چھپی بھی نہیں رہتی ان کا برتاؤ کسی کے ساتھ کیسا ہی روکھا ہو لیکن تھوڑے ہی دنوں میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں نفسانیت نہ تھی بلکہ محض للٰہیت اور ہمدردی ہی تھی اس واسطے یہ روکھا برتاؤ بھی کسی کو ناگوار نہیں ہوتا اور خواہ مخواہ اس کے پاس دوڑ دوڑ کر آتے ہیں اور ہاتھ جوڑتے ہیں کہ میرے اوپر بھی سختی کیجئے کیونکہ جان جاتے ہیں کہ ان کی سختی بھی نرمی ہے۔ غرض ان حضرات کو اس قدر ہمدردی ہوتی ہے کہ ان بزرگ نے اپنی ساری عمر کی کمائی صرف اتنے سے خیال پر چھوڑ دی کہ اس بدو کو عذاب ہو گا سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ ہیں اخلاق حقیقی ایسے لوگ باتیں بنانے والے اور تیز طرار اور چرب زبان نہیں ہوتے ظاہر میں روکھے اور کم عقل معلوم ہوتے ہیں مگر دیکھ لیجئے کیسے روکھے ہوتے ہیں کہ ساری عمر کی کمائی ایک بدو کو دیدی اور عاقل اور فہم کیسے کہ کہاں نظر پہنچی ان کو اخلاق کہنا چاہیے۔

آخرت ایک بازار ہے

یا آج کل کی طرح آؤ بھگت کرتے اور بار بار جھکتے اور آداب تسلیمات کو یہ تو اس گاڑیبان کی سی تواضع ہے جس کو گنوار کہا جاتا ہے مگر یہ تعلیم یافتہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اہل اللہ کے حالات کو پڑھئے تو معلوم ہو کہ اخلاق ایسے ہوتے ہیں کہ تیز مزاج بی بی کے ساتھ ساری عمر نباہ دی اور دوسرے کی اس معیبت کو پسند نہ کیا۔ اور ایک عورت سے پیغام دینے پر نادم ہوئے کہ وہ علم الہی میں دوسرے کے لئے تھی اور بازار کی روٹی کھانے کو پسند نہ کیا کہ یہ بہت سے حاجت مندوں کے لئے حسرت کا باعث ہوتی ہے یہ سب بیان استطر اداً آ گیا بیان یہ تھا۔ ع کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر۔ اور اس سپاہی کی مثال دی گئی تھی جس نے پانچ ہزار روپیہ کمایا اور سب سرائے کی کوٹھڑی کی آرائش میں لگا دیا اور وقت ختم ہونے پر بھٹیاری نے نکال باہر کیا اب یہ بال بچوں کے پاس گئے تو ہاتھ میں کچھ بھی نہیں بازار میں گئے تو دیکھ دیکھ کر حسرت ہو رہی ہے حسرت پر ایک قصہ چھڑ گیا تھا اس کے مناسبت سے دوسرا اور تیسرا قصہ آ گیا اور بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی مگر خیر کچھ حرج نہیں کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوا بہت سی کام کی باتیں کانوں میں پڑ گئیں۔ مقصود یہ تھا کہ آخرت ایک بازار ہے اور اس کا سکہ اعمال ہیں اگر یہ سکہ پاس نہ ہو گا تو آدمی کس چیز سے وہاں کی نعمتوں کو خریدے گا ہم کو اس سکہ کے فراہم کر لینے کی پرواہ نہیں ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ دنیا کی سرائے میں لگائے چلے جاتے ہیں تو ہماری حالت اسی مسافر کی سی ہے جس نے ساری کمائی سرائے کی کوٹھڑی میں لگا دی اور گھر گئے تو کچھ بھی نہ تھا خوب سمجھ لو کہ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے بلکہ سرائے ہے اس میں اس سے زیادہ نہ لگاؤ جتنا تمہارے ایک رات کے بسر کرنے کے لئے کافی ہو ہمارا گھر وہ ہے جو دارالسلام ہے وہاں کے واسطے کچھ جمع کر لو۔ دنیا تو بہت ناقص گھر ہے یہ گھر راحت کے لئے بنایا ہی نہیں گیا آخرت البتہ کامل گھر ہے اور راحت کا گھر اور دارالسلام ہے اس کو حق تعالیٰ جیسے علیم و قدیر نے امن و سلامت عن الآفات کے لئے بنایا ہے اس میں کوئی بھی آفت عادی اور غیر عادی اور موجودہ اور مفروضہ کوئی بھی نہیں ہو سکتی حق تعالیٰ کو اس کے موضوع کا علم بھی محیط و کامل ہے اور اس کو مع تمام متعلقات کے موجود کر دینے پر قدرت بھی کامل ہے پھر

اس کو دار السلام فرمایا ہے تو اس میں بتلا دیا کہ وہ گھر سلامت عن الآفات کے لئے کامل مکمل گھر ہے اسی مضمون کو فرماتے ہیں لھم دارالسلام عندربھم یہاں تک کے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ جنت امن و امان کا کامل گھر ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ ثمرہ ہے اعمال کا ہنا اس ثمرہ کی اعمال پر ہے تو جیسے اعمال ہوں گے ویسا ہی ثمرہ ہو گا چنانچہ کل میں نے بیان کیا تھا کہ اسلام کے مراتب ہیں کیونکہ اسلام نام ہے مجموعہ اعمال صالحہ کا اور اعمال ہی سے اس کا کمال ہوتا ہے اور اعمال میں مراتب ہیں تو اسلام میں بھی مراتب ہوئے۔

ترغیب حصول اسلام کامل

پس جیسا اسلام ہو گا ویسا ہی ثمرہ ہو گا اسلام کامل ہے تو ثمرہ بھی کامل ہو گا اور ناقص ہے تو ثمرہ بھی ناقص ہو گا پس اسلام اور اعمال کی تکمیل کا اہتمام کرو تاکہ ثمرہ کامل میسر ہو اب ثمرہ کے کامل ہونے کا بیان سمجھئے ثمرہ کا ایک کمال یہ بھی ہے کہ اولاً اور بلا عذاب ملے یعنی قیامت کے دن ابتداً بخشش ہو جائے اور ذرا بھی عذاب نہ اٹھانا پڑے یہ ثمرہ اسلام کامل ہی پر مترتب ہو گا اور اگر اسلام ناقص ہے تب بھی نفس ثمرہ تو مترتب ہو گا کیونکہ اسلام تو ہے ہی مگر نقصان کے ساتھ وہ نقصان یہ ہے کہ چند روز دوزخ میں جھلس کر جنت ملے گی اور ایک نقصان ثمرہ کا یہ بھی ہو گا کہ گو جنت ابتداءً مل جائے لیکن اگر اعمال اعلیٰ درجہ کے نہیں ہیں تو وہ مرتبہ جنت میں نہیں ملے گا جو اعلیٰ درجہ کے اعمال پر ملتا یہ بھی ایک نقصان ہے۔ مگر اس پر مت بیٹھ رہنا کہ چند روز دوزخ ہی میں رہ کر جنت مل جاوے گی یا گھٹیا درجہ ہی مل جائے گا اعلیٰ درجہ کا حوصلہ کیوں نہ کرو دنیا میں کوئی اس پر قناعت نہیں کرتا کہ آدھی روٹی کھا کر بیٹھ رہے دنیا میں تو پیٹ سے بھی زیادہ کھانا چاہتے ہیں خصوصاً پرائے گھر میں چنانچہ عادت ہے کہ باہر کھانا زیادہ کھایا جاتا ہے اور یہ کوئی برا بھی نہیں ہے یہ حرص میں داخل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ گھر تو روز مرہ کھاتے ہی ہیں دونوں وقت کا یہ مشغلہ ہے تو کھانا کھانا گھر پر کوئی نیا کام نہیں ہے اور جو کام روز مرہ کا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رہتی اور اگر اس میں کوئی نیا رنگ آجاتا ہے تو اس میں دل لگتا ہے اسی کی ایک فرع ہے باہر کا کھانا کہ فی الجملہ نئی سی بات ہے اس واسطے طبیعت کو

اس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے نیز یہ بھی ہے کہ اپنے گھر میں کھانا پکتے ہوئے دیکھنے سے بھی طبیعت بھر جاتی ہے اس واسطے بھی کم کھایا جاتا ہے۔

میراث میں غصب مع مستورات

اسی پر بعض مذاہب کے فقہاء نے ایک مسئلہ کو مبنی کیا ہے مگر اس کے قبل ایک قاعدہ سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز کسی سے چھین لی اور پھر کسی طرح واپس کر دی اس صورت سے کہ مالک کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ یہ چیز اصل میں میری تھی تب بھی یہ رد صحیح ہو گیا اور اس کا ذمہ اس مغصوب سے بری ہو گیا گناہ نہیں رہا البتہ اس کے رد صحیح ہونے میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ چیز بجنسہ واپس کی ہو نہ ایسا جیسے کہ آج کل لوگ بہنوں کا حصہ غصب کرتے ہیں کہ میراث میں سے ان کا حصہ نہیں دیتے اور اس کو ادا اس طرح کرتے ہیں کہ بھات میں اور دیگر رسوم میں روپیہ لگا دیتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہو گیا اتنا ہم نے لیا بھی نہیں تھا جتنا ان کو لگا دیا اس سے ان کا حق ادا نہیں ہوا اور رسم کی بدعت علیحدہ رہی خدا جانے اس سے کیا نفع ہے کہ خرچ اتنا ہی ہو جاتا ہے مگر بے قاعدہ اور شریعت کے خلاف۔ اگر یہی خرچ قاعدہ کے موافق ہوتا تو حق بھی ادا ہو جاتا اور کوئی گناہ بھی نہ ہوتا اب اسے جس طرح خرچ کیا ہے اس سے نفع تو کچھ بھی نہیں اور گناہ مفت میں کمایا۔

آج کل رسوم کی حالت

اور رسوم کی یہی حالت ہے کہ دنیا کا بھی نقصان کیونکہ خرچ بہت ہوتا ہے اور آخرت کا بھی نقصان کیونکہ گناہ ہوتا ہے اور کیسی کیسی بیہودہ رسمیں ہیں بھات چھوچھک چوتھی چالا ان کے ناموں ہی سے وحشت ہوتی ہے اور نام بتلا رہے ہیں کہ ہنود کی رسم ہے غرض جو لاگت بھات میں لگائی گئی اس سے وہ مغصوب ادا نہیں ہوا کیونکہ وہ چیز بجنسہ واپس نہیں کی گئی (ہنس کر فرمایا واجب تو گیہوں اور روپیہ تھا اور دیا گیا بھات) غرض یہ ادا نہیں ہوا البتہ اگر اطلاع کر کے اجازت لے جاوے یعنی صاحب حق سے یوں کہا جائے کہ تمہارے اتنا روپیہ یا فلاں چیز میراث میں کی ہماری ذمہ ہے اس کی جگہ اگر تم منظور کرو تو ہم یہ چیزیں جو بھات میں دی جاتی ہیں دے دیں اگر وہ

خوشی منظور کرے تو حق ادا ہو جائے گا لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ یہ اطلاع تنہائی میں کی جائے یہ نہیں کہ مجمع میں اس سے کہا جائے کہ شرما حضوری اس کو مان لیں غرض اس طرح سے اجازت لیجائے کہ بالکل طیب خاطر سے اور بلا لحاظ کسی کے وہ مان لے حتی کہ اگر نقد روپیہ بھی اس کے سامنے رکھ دیں تب بھی اس چیز کو نقد پر ترجیح دے تب یہ اجازت معتبر ہے ورنہ بلا طیب خاطر اجازت معتبر نہیں جب یہ قاعدہ سمجھ میں آگیا اب وہ مسئلہ سنئے کہ اگر کسی نے کھانا کسی سے غصب کر لیا اور بلا اطلاع اس طرح واپس کر دیا کہ اسی کو کھلا دیا تو بعض آئمہ کے نزدیک یہ ادا نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ اگر اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہ میرا کھانا ہے تو کم کھاتا اور کچھ بچا لیتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عادت عامہ یہی ہے کہ آدمی اپنا کھانا کم کھاتا ہے اور دوسرے کے گھر زیادہ کھاتا ہے۔ مگر ہمارے فقہا نے کہا ہے کہ ایسے حبشیوں کی عادت کا اعتبار نہیں جو دوسرے کے گھر خواہ مخواہ زیادہ کھا جاتے ہیں اس لئے یہ غصب ادا ہو جاوے گا میں ان دونوں قولوں میں تطبیق دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں اکثر لوگ حریص نہ تھے اور اپنے گھر اور دوسرے کے گھر میں چنداں فرق نہ کرتے تھے لہذا اس وقت کے مناسب یہ فتویٰ تھا کہ اس صورت میں غصب ادا ہو گیا اور اب لوگ حریص ہیں اپنے گھر میں اور پرائے گھر میں ضرور فرق کرتے ہیں کہ دوسرے کا کھانا ضرور زیادہ کھائیں گے اور اپنا کھانا کم خرچ کریں گے اور بچائیں گے لہذا آج کل فتویٰ اگر یہی ہو کہ اس کا کھانا اسی کو کھلا دینے سے غصب ادا نہ ہو گا تو گنجائش ہے کیونکہ اس کا نقصان ہوا اگر اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہ میرا کھانا ہے تو ضرور اس میں سے کچھ بچاتا۔

پرائے کھانے کا ایک قصہ

اس پرائے کھانے پر ایک قصہ یاد آگیا کسی شخص کو اس کے دوستوں نے تنگ کیا کہ ہماری دعوت کر جب اس کا کوئی عذر نہ سنا گیا اس نے منظور کیا مگر یہ کہا کہ دعوت میں عمدہ پوشاک اور عمدہ جوتے پہن کر آنا جب سب جمع ہو گئے اس نے کیا کیا کہ ان کی جوتیاں اوڑا کر حلوائی کے یہاں گروی رکھ دیں اور عمدہ عمدہ مٹھائیاں لا کر سامنے رکھ دیں اور سب نے ملکر مفت کا مال سمجھ کر خوب مزے سے کھائیں اور تعریف کرتے جاتے تھے کہ بڑھی نفیس مٹھائی کھلائی وہ جواب میں کہتا حضرت آپ ہی

کی جوتیوں کا صدقہ ہے مہمان سمجھے کہ یہ تواضعاً کہہ رہا ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ سب آپ ہی کا ہے کہ اس کے معنی حقیقی مراد نہیں ہوا کرتے بلکہ اپنے مال کو مخاطب کی طرف تواضعاً منسوب کر دیا کرتے ہیں۔ جب مہمان وہاں سے اٹھے تو دیکھا جوتیاں ندارد کہنے لگے خدا جانے جوتیاں کیا ہوئیں کہا حضرت میں نے تو پہلے ہی عرض کر دیا تھا کہ حضور ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اب وہ سمجھے کہ بالفظ تواضعاً نہ تھا بلکہ معنی حقیقی پر محمول تھا اب مزہ معلوم ہوا اچھے اچھے کھانوں کا یہ چند مضامین اس لفظ پر ضمنا آگئے تھے کہ خصوصاً پرائے گھر میں۔ اصل مقصود یہ تھا کہ دنیا میں جب ادنیٰ ثمرہ پر اکتفا نہیں کرتے تو وہاں کے ثمرات کے درجہ کامل کو کیوں نہیں طلب کرتے اور یہاں تو معطی کا کرم محدود ہوتا ہے اس لئے بعض اوقات زیادہ طلبی ناگوار ہونے لگتی ہے اور وہاں تو معطی وہ ذات ہے جس کا کرم غیر محدود ہے کما بھی کہ جتنا زیادہ لو خوش ہوتے ہیں اور کیفا بھی چنانچہ ایک کرم یہ بھی ہے کہ جہاں ثمرات کا وعدہ کیا ہے وہاں یہ بھی کہتے ہیں۔

اعمال کا صلہ

جزاء بماکانوایعملون اور ان هذا کان لکم جزاء تاکہ منہ شرمندہ نہ ہو چنانچہ خود اس آیت میں بھی ہے جس کا بیان ہو رہا ہے وھوولیھم بما کانوا یعملون اور جا بجا اسی قسم کے حالات آئے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں جو کچھ درجات اور نعمتیں ملیں گی وہ سب مومنین کے اعمال کا صلہ ہے یہ عنایت کرم ہے کہ خود نعمتیں دیتے ہیں لیکن احسان جتلانا نہیں چاہتے ایسے موقع پر بھی کوئی چوک جائے تو بڑا ہی کم قسمت ہے سچ تو یہ ہے کہ ایسی جگہ تو لوٹ مچانی چاہئے قناعت چہ معنی دنیا دارالعمل ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ثمرات کی سندیں ایک جگہ تیار کر کے رکھ دی ہیں اور اذن عام دیدیا ہے کہ جتنے چاہو لو اور ثمرات بے تعداد لوٹ لو پھر حیرت ہے کہ آدمی کیوں نہ لے اور کیوں بڑھ کر ہاتھ نہ مارے اور کیوں کامل درجہ کی کوشش نہ کرے ادنیٰ درجہ پر بس کر کے کیوں بیٹھ رہے یا اتنی ہمت کیوں ہارے کہ کچھ عذاب ہی بھگت کر جنت مل رہے گی کامل درجہ کیوں نہ حاصل کرے کہ جنت ابتداء اور بلا عذاب ملے۔ یہ بیان ہوا لھم دارالسلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کے معنی

ہیں کامل سلامتی کا گھر۔ لفظ دارالسلام ہی اس کمال پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ اول تو سلام مطلق ہے اور مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے پھر دار کے لفظ کو اس کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو محاورہ کے اعتبار سے اسی معنی کو مفید ہے اور مراد اس سے جنت ہے جس کو حق تعالیٰ نے کامل امن کا گھر بنایا ہے وہاں خوف و خطر کا نام بھی نہیں آگے عندربھم کو سمجھئے اس کے معنی ہیں ان کے رب کے پاس مراد اس سے فی الآخرۃ تو معنی یہ ہوئے کہ ان کو دارالسلام ملے گا آخرت میں اس کو میں بیان کروں گا کہ عندربھم سے مراد دار آخرت کیسے ہوا کیونکہ لفظی معنی تو یہ ہیں کہ ان کے خدا کے پاس بات یہ ہے کہ ترجمہ کرنے کے لئے قرآن کے محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے میں نے جس بنا پر اس کا ترجمہ دار آخرت کیا ہے وہ آگے بیان کروں گا پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ عندربھم کا اطلاق متعدد معانی پر آتا ہے چنانچہ ایک معنی اور بھی ہیں۔

آیت افک پر ایک اشکال کا جواب

چونکہ اس کی تحقیق اہل علم کے سمجھنے کی قابل ہے اس لئے اس کو بھی بیان کرتا ہوں اس معنی میں عند اس آیت میں ہے فاذلم یاتوا بالشھداء فاولئک عنداللہ ہم الکذبون یہ آیت حضرت عائشہ کے افک کے قصہ میں ہے قصہ طویل ہے اس کا بیان کرنا یہاں ضروری نہیں جتنا جزو اس قصہ کا یہاں ضروری ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو منافقین نے متہم کیا کئی دن تک اس کا بہت چرچا ہوا آخر ان کی برات حق تعالیٰ نے قرآن میں اتاری اور منافقین کے بکواس کو رد کیا اس رد میں یہ آیت بھی ہے فاذلم یاتوابالشھداء فاولئک عنداللہ ھم الکاذبون اس کا ترجمہ یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ گواہ نہیں لا سکے لہذا یہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اس کا مدلول یہ ہوا کہ ان کے جھوٹے ہونے کی دلیل یہ ہے کہ چار گواہ نہ لا سکے اب یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ کذب کس کو کہتے ہیں سب جانتے ہیں کہ کذب کے معنی حکایت خلاف واقع کے ہیں یعنی ایک کام واقع میں نہیں ہوا اور بیان کیا کہ ہوا ہے اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شہادت نہ لا سکنا ملزوم کذب ہے اب فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کسی کو حرام کرتے دیکھا اور اس کی حکایت بیان کی

مگر گواہ نہ لا سکا تو اس آیت کی بموجب تو وہ کاذب ہے لیکن یہ حکایت مطابق واقع کے ہے اس پر تعریف کذب کی صادق نہیں آتی اور آیت اس کو کاذب کہتی ہے اور لطف یہ ہے کہ آیت میں عند اللہ کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک اور بلفظ دیگر حق تعالیٰ کے علم میں اور یہ مقدمہ مسلم ہے کہ حق تعالیٰ کا علم واقع کے مطابق ہے ورنہ علم صحیح نہ ہوگا تو عند اللہ کے مفہوم پر آیت سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص جس نے حرام کو دیکھ کر حکایت بیان کی واقع میں بھی جھوٹا ہے یعنی اس نے واقع میں حرام نہیں کیا کیونکہ علم الٰہی میں اس کو کاذب قرار دیا گیا ہے اور علم الٰہی مطابق واقع کے ہوتا ہے تو اب یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ علم الٰہی خلاف واقع ہے یہ ایک سخت اشکال ہے قرآن پر۔ مگر الحمدللہ حق تعالیٰ نے اس کا بہت سہل جواب دل میں ڈالدیا جس کو سننے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ اشکال کچھ بھی نہ تھا اس کی بنا اسی پر ہے کہ قرآن میں محاورات جاننے کی زیادہ ضرورت ہے صرف لفظی ترجمے اور لغت پر نہ رہنا چاہئے ایک لفظ کے لغوی معنی ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے مخاطب کو کوئی بات قابل شرح صدر حاصل نہیں ہوتی اور اسی کی ساتھ محاورہ کی رعایت کر دی جائے تو بالکل اطمینان ہو جاتا ہے اور سننے والا پھڑک اٹھتا ہے اور بہت سے اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ وہ جواب سننے وہ یہ ہے کہ عند اللہ کے معنی یہاں فی علم اللہ کے نہیں ہیں بلکہ فی قانون اللہ کے اور فی دین اللہ کے ہیں مطلب یہ ہوا کہ قانون شرعی اس صورت میں کہ شہادت نہ پہنچ سکی تہمت لگانے والوں کے لئے یہ ہے کہ ان پر حکم کذب کا کیا جائے گا یعنی ان کے ساتھ کاذب کا سا معاملہ کیا جائے گا چاہے واقع میں کچھ بھی ہو۔ اب کوئی اشکال نہیں رہا کیونکہ اشکال تو یہی تھا کہ علم الٰہی کا خلاف واقع ہونا لازم آتا ہے اور یہاں علم الٰہی مراد ہی نہیں صرف یہ معنی ہو گئے کہ قانون ان کو جھوٹا کہے گا قانون ایک ایسی چیز ہے جس میں ضابطہ دیکھا جاتا ہے جس کے کچھ قواعد مقرر ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے موافق کام نہ ہو اس کو معتبر نہیں مانا جاتا۔

قانون میں ہر بات کے ثبوت کی ضرورت

چنانچہ تمام زمانہ کے عقلا کا قانون ہے کہ کوئی بات بے ثبوت نہیں مانی جاتی خواہ واقع میں وہ بات بالکل صحیح ہی ہو اگر یہ قانون نہ ہو تو دنیا کا نظام ہی بگڑ جائے ایک

شخص دوسرے پر دعویٰ کر دے کہ اس نے میرا مال چرایا ہے بس قاضی کو چاہئے کہ اس پر چوری کا جرم قائم کر دے اور سزا دے دے دوسرا دعویٰ کر دے کہ اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے بس قاضی فوراً اس کو قصاص میں مار ڈالے تو اس طرح تو ایک دن میں دنیا تہ وبالا ہو جائے دنیا کا نظام قانون قواعد کی پابندی ہی سے رہ سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص پر چار آدمیوں نے زنا کی شہادت دی اور یہاں تک کہا کہ ہم نے مرد اور عورت دونوں کو ننگے اور اوپر نیچے دیکھا مگر یہ نہیں کہا کہ دخول ہوتے دیکھا تو حضرت عمر نے اس شہادت کو تسلیم نہیں کیا اور مدعا علیہ پر زنا کو ثابت نہیں کیا بلکہ ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیا اور ان پر حد قذف جاری کی اس کی وجہ کیا ہے یہی کہ ضابطہ پورا نہ ہوا اور شہادت کی جو شرائط تھی ایک جزو اس کا رہ گیا وہ یہ ہے کہ کالمیل فی المکحلہ دیکھا ہو حالانکہ ظاہر تو یہی ہے کہ جب مرد اور عورت ننگے ہو چکے تھے تو زنا بھی ضرور واقع ہوا جب ایسا موقع تھا کہ ننگے ہو سکے تو زنا سے کون مانع موجود تھا یہ بات بظاہر قریب یقین ہی کی تھی لیکن اس پر بھی جب کہ آنکھ سے دخول ہوتے نہ دیکھا گواہوں کے لئے زبان سے ان دونوں کو زانی کہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ چاروں گواہوں پر حد قذف لگائی گئی آج کل لوگ صرف وہم وگمان پر حکم لگا دیتے ہیں اور جو سمجھ میں آتا ہے کسی کی نسبت خیال پختہ کر لیتے ہیں اور افسوس ہے کہ یہ بلا علماء اور مشائخ کے یہاں بہت ہے آج کل حضرت عمر ہوتے تو بکثرت علماء اور مشائخ کے درے لگتے۔ سب کی کرکری ہو جاتی اور یہ جو بڑے بڑے جبوں اور قلوں میں عیب چھپائے بیٹھے ہیں سب کی حقیقت کھل جاتی اس بات میں بڑی احتیاط چاہئے کہ دوسرے کی نسبت کوئی برا خیال قائم کیا جائے اور زیادہ اہتمام کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ یہ عادت اور طبعی بات ہے کہ اپنی طرف براگمان کم ہوتا ہے اور دوسری کی طرف اچھا گمان کم ہوتا ہے اکثر کوئی شخص جب اپنی طرف دیکھتا ہے تو نظر اپنے ہنروں اور محامد ہی پر نظر پڑتی ہے اور جب دوسرے کی طرف دیکھتا ہے تو اس کے عیبوں اور برائیوں پر ہی پڑتی ہے جب یہ طبعی بات ہے تو ان دونوں میں غلطی ہو جانے کا بہت قوی احتمال ہے لہذا سخت اہتمام کی ضرورت ہے کوشش کر کے صحیح طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ اپنے ہنروں کو کبھی نہ دیکھے صرف عیبوں ہی کو دیکھے اور دوسرے کے عیبوں کو کبھی نہ دیکھے صرف ہنروں ہی کو دیکھے

بتکلف اس کی نگاہ داشت بہت اہتمام اور پابندی کے ساتھ کرنے سے کچھ امید کی جا سکتی ہے کہ آدمی کی اصلاح ہو جاوے غرض بے ثبوت بات کہنے سے گناہ بھی ہو گا اور قانون شرعی تاوقتیکہ کافی ثبوت باقاعدہ نہ ہو اس کو جھوٹا ہی کہے گا خواہ وہ بات واقع میں جھوٹی نہ بھی ہو یہ معنی ہیں عنداللہ کے یعنی فی قانون اللہ تو آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ تہمت لگانے والے چونکہ اپنے دعویٰ پر باقاعدہ شہادت نہ لا سکے لہذا وہ قانون الٰہی میں جھوٹے کہے جاویں گے اور کذب کے احکام ان پر جاری ہوں گے چنانچہ تین صحابہ کو جو بھولے پن سے اس قصہ میں شریک ہو گئے تھے حد قذف لگائی گئی۔ اور منافقین چونکہ چالاکی سے اس شرارت میں حصہ لے رہے تھے بقول مشہور ثبوت نہ ہونے سے دنیا میں حد سے بچ گئے اور آخرت میں تو مزہ چکھیں گے غرض اس تقریر کے بعد آیت پر کوئی اشکال نہیں رہا۔

فقہ کا ایک ضابطہ

اور فقہ کے بہت سے احکام کا یہی مبنیٰ ہے کہ بسا اوقات ضابطہ کے درجہ میں ایک حکم کو ثابت مانا جاتا ہے خواہ واقع میں کچھ بھی ہو مثلاً دو عادل آدمی گواہی دیں کہ ہم نے ۲۹ کو چاند دیکھا ہے تو اب رمضان یا عید کو ثابت مانا جاوے گا اگرچہ انہوں نے جھوٹی ہی گواہی دی ہو۔

لعان اور اس کا حکم

اسی طرح بسا اوقات ایک حکم منتفی مانا جاتا ہے خواہ واقع میں ثابت ہی ہو مثلاً ایک شخص کا ایک بچہ ہونے پر تہمت لگانے سے لعان ہوا تو اس بچہ کے نسب کی اس شخص سے نفی کی جاوے گی خواہ واقع میں اسی کا ہو اس کی صدہا نظیریں موجود ہیں تمام کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں لیکن اس کا کیا علاج کیا جائے بہشتی زیور میں کوئی ایسا مسئلہ لکھ دینا جرم قرار پاوے اور وہی مسئلہ اور اس کی صدہا نظیریں عربی کی کتابوں میں لکھی ہوں بلکہ ان کے اردو ترجمے میں بھی لکھے ہوں تو جرم نہیں مثلاً بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی عورت کے بچہ ہوا اور خاوند اس کا مدت سے غائب ہے تو اس بچہ کو ولد حرام نہ کہا جائے گا اس مسئلہ پر بڑا غل مچا ہے اور لوگوں کو بڑے بڑے اشکال ہوئے ہیں لیکن یہ کوئی نہیں دیکھتا کہ بہشتی زیور میں کسی نے اپنی طرف سے اس کو

لکھ دیا ہے یا فقہ کی کتابوں سے نقل کیا ہے کتاب کو تو دیکھ لینا چاہئے تھا اور کتاب کو بھی نہ دیکھا جاوے تو یہ مسئلہ کوئی چھپا ہوا مسئلہ نہیں ہے مبتدی طالب علم بھی اس سے واقف ہیں غرض یہ کہ بہشتی زیور میں اختراع کر کے یہ مسئلہ نہیں لکھا گیا بلکہ فقہ کی کتابوں سے نقل کیا گیا ہے تعجب ان لوگوں سے ہے جو فقہ کو تسلیم کرتے ہیں اور بہشتی زیور پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی فقہ کی کتاب کے ترجمہ پر اعتراض نہیں کرتے جس میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ سو بہشتی زیور پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے اگر اعتراض کرنا ہے تو فقہ پر کرو فقہ میں صاف لکھا ہے کہ اس صورت میں وہ بچہ ولد حرام نہیں کہا جائے گا جب تک کہ خاوند انکار نہ کرے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ لعان ہو گا باقاعدہ اس طرح کہ قاضی کے سامنے مقدمہ جائے گا مرد اور عورت دونوں حاضر ہوں گے مرد اس بچہ کی نسب سے انکار کرتا ہے مگر انکار کر کے چھوٹ نہیں جائے گا کیونکہ یہ انکار مستلزم ہے عورت کو حرام کار کہنے کو یعنی زنا کی تہمت لگانے کو اور بچہ کو مجہول النسب کر دینے کو اس کو شریعت نے کوئی معمولی بات نہیں قرار دیا کیونکہ تمام عمر کے لئے ایک عورت بے آبرو ہوتی ہے اور ایک بچہ مجہول النسب بنتا ہے لہذا اس مرد سے چار دفعہ قسم لی جائے گی کہ خدا کی قسم میں اپنے اس دعوے زنا میں سچا ہوں اور اتنے پر بھی بس نہیں پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے کہ میرے اوپر لعنت ہو خدا کی اگر میں جھوٹا ہوں دیکھئے کس قدر سخت بات ہے کسی کے نسب میں طعن کرنا خیر یہ تو اس مرد کو قسمیں دی گئیں ابھی لعان ختم نہیں ہوا۔ اب عورت سے کہا جائے گا کہ چار دفعہ اس طرح قسم کھاوے کہ میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں دفعہ یوں کہلایا جائے گا کہ خدا کا غضب ہو میرے اوپر اگر یہ سچا ہو۔ یہاں ایک نکتہ بھی قابل ذکر ہے وہ یہ کہ مرد سے تو یوں کہلایا گیا کہ لعنت ہو خدا کی میرے اوپر اگر میں جھوٹا ہوں اور عورت سے یوں کہلایا گیا کہ غضب ہو خدا کا۔ وہاں لعنت کا لفظ اور یہاں غضب کا اس کی کیا وجہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زبان پر لعنت کا لفظ تو کثرت سے چڑھا رہتا ہے حدیث میں بھی آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے زیادہ تر دوزخ میں عورتوں کو دیکھا اور اس کی وجہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا وتکثرن اللعن یعنی تمہاری یعنی عورتوں کی عادت ہے کہ لعنت بہت کرتی ہو اس سے معلوم ہوا کہ لعنت کا لفظ ان کی زبان پر

عادتاً بہت چڑھا ہوا ہے ہمارے ملک میں بھی کثرت سے عورتوں کی زبان پر یہ الفاظ رہتے ہیں خدا کی مار خدا کی پھٹکار وہی لعنت کا ترجمہ اس لئے لعان کے موقع پر اگر ان سے لعنت کا لفظ کہلایا جائے تو طبیعت ان کی کچھ ایسی نہ رکے گی لہذا جائے لعنت کے غضب کے لفظ کو اختیار کیا گیا- واقعی قرآن ایسے متکلم کا کلام ہے کہ اس کو رگ رگ پرزہ پرزہ معلوم ہے- اس کو لعان کہتے ہیں اس کے بعد قاضی کہے گا فرقت بینکما یعنی میں نے تم دونوں کو الگ کر دیا اور یہ بچہ اس مرد کا نہیں اب اس کا نکاح اور بچہ کا نسب زائل ہو گیا اور مان لیا جائے گا کہ یہ بچہ اس خاوند کا نہیں ہے اور پھر بھی اس سارے جھگڑوں اور قصوں کا حاصل صرف یہ ہے کہ بچہ کا نسب اس سے قانوناً ثابت نہ رہا اور میراث وغیرہ کے احکام جاری نہ ہوں گے اس کے سوا کوئی اثر نہیں حتیٰ کہ اب بھی یہ کسی کو عمر بھر جائز نہیں کہ اس عورت کو بدکار یا اس بچہ کو ولد الحرام کہے-

کسی عورت پر تہمت لگانا سخت کبیرہ گناہ ہے

اور کتابوں میں وہ احتمالات بھی لکھے ہیں جن کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ عورت بدکار نہ ہو اور بچہ ہو جائے مثلاً یہ صورت ہوئی ہو کہ سوتی عورت سے کسی غیر شخص نے جماع کیا اور حمل ہو گیا تو اس وقت میں خاوند بھی سچا ہے کہ اس کا یہ بچہ نہیں ہے اور عورت بھی بے قصور ہے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا گو اس قسم کے احتمالات بعید ہیں مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں احتیاط کے موقع پر ان کا لحاظ کیا جا سکتا ہے کسی عورت کو تہمت لگانا کوئی معمولی گناہ نہیں بلکہ بڑا کبیرہ ہے اس میں حد درجہ کی احتیاط کرنا ضروری ہے شریعت نے اس بارہ میں نہایت درجہ احتیاط کی ہے اور اگر اس صورت میں بھی جبکہ خاوند نے بچہ کے نسب سے انکار کیا ہے اور اس سے لعان کو کہا گیا اور اس نے منظور نہ کیا تو باوجود انکار کے بھی بچہ اسی کا کہا جاوے گا اور قاضی اس انکار کو نہیں مانے گا اور بچہ کو مجہول النسب نہیں کہے گا اور تمام احکام نسب کے جیسے میراث وغیرہ سب کو جاری کرے گا- غرض جب تک لعان نہ ہو اس وقت نسب ثابت رہے گا خواہ خاوند حاضر ہو اور نسب کی نفی کرے اور خواہ غائب ہو ہر حالت میں نسب ثابت ہو گا اور ثابت ہونے کے معنی وہی ہوں گے جو اوپر معروض ہوئے کہ قانوناً ثابت ہو گا مگر لوگوں کے ایسے مذاق بگڑے ہیں کہ یہ مسئلہ سن کر ہی فوراً بے

سمجھے اعتراض کر دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مرد دس برس سے باہر ہو اور پھر بھی یہ بچہ اس کا کہا جائے اس اعتراض کی وجہ در حقیقت تو یہ ہے کہ دلوں میں خوف خدا اور دین سے مس اور احکام شرعی کی پرواہ نہیں ہے زبان سے جو چاہا کہہ دیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ شریعت نے اس بارہ میں کس قدر احتیاط سے کام لیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ فراش کے ہوتے ہوئے نسب کو دوسری طرف نہیں لیجا سکتے یعنی جب تک کہ میاں بی بی کا تعلق موجود ہے نسب کو ثابت ہی کہیں گے رہی یہ بات کہ خاوند دو برس سے باہر ہے یہاں اس سے بچہ کیسے ہو گیا یہ بعید بیشک ہے مگر ادھر گناہ جو موجود ہے کسی عورت کو حرام کار کہنا اور کسی آدمی کو مجہول النسب کر دینا سخت کبیرہ ہے اس کے حرام کار ہونے کا ثبوت کوئی کہاں سے لائے گا اس واسطے بعید سے بعید صورت بھی ایسے موقعہ پر مان لیجا سکتی ہے چنانچہ اس کی بعض صورتیں جو ممکن ہیں کتابوں میں لکھی ہیں مثلاً استخدام جن سے ایسا ہو سکتا ہے یعنی کسی کے جن تابع ہو اس نے عورت کو وہاں پہنچا دیا یا مرد کو یہاں لے آیا یا یہ کہ جن نے بوجہ عداوت ایسا کیا کہ بدنام کرنے کو عورت کو مرد کے پاس پہنچا دیا یا مرد کو عورت کے پاس پہنچا دیا اور حمل ہو گیا اور بچہ ہوا جنوں کا وجود ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بھی انسانوں کی طرح عداوت بغض وغیرہ اخلاق رذیلہ رکھتے ہیں تو اگر کسی جن کو کسی عورت سے عداوت ہو اور وہ ایسا کر گذرے اس غرض سے کہ عورت بدنام ہو جائے تو کیا عجب ہے یہ صورتیں بعید اور بہت بعید سہی مگر امکان کے درجہ میں ضرور ہیں پھر جب ایک صورت ممکن ہے تو کس طرح کسی کو تہمت لگائی جائے۔ یہ حیلے بھی میں نے نہیں تراشے بلکہ انہی کتابوں میں لکھے ہیں جن سے بہشتی زیور ماخوذ ہے اور جو معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں سو جو کچھ اعتراض کرنا ہو ان کتابوں پر کیجئے اور جو کچھ تعجب ہو وہ ان کتابوں پر ہونا چاہئے نقل کرنے والا کسی بات کا ذمہ دار نہیں اور کسی اعتراض کا دفع کرنا اس کے ذمہ نہیں۔

صحیح النسب ہونے کیلئے وجود نکاح کافی ہے

غرض کتب فقہ سے اور ادلہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اس صورت میں کہ مرد دس برس سے باہر ہے اور اس کی عورت کے بچہ پیدا ہوا تو یہ بچہ مجہول النسب

نہیں ہے بلکہ اس کا نسب اسی شخص سے مانا جاوے گا اور تمام احکام نسب کے جاری ہوں گے۔ اس حکم میں تعجب کیا جاتا ہے کہ یہ کیسا حکم ہے سو اس تعجب کا رفع کرنا گو کسی طرح ہمارے ذمہ نہیں۔ مگر میں تبرعاً اس کو بھی حل کر رہا ہوں کہ اس کہنے کا کہ یہ بچہ اس خاوند کا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ حقیقت میں اس کا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ قانون میں اس کا ہے اب سارے اشکال اور تعجب رفع ہو گئے اور نسب جب ثابت ہو گا اس کا ثبوت قانونی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اس کی بنا بالکل ایک خفی امر یعنی جماع پر ہے لہذا اس کے ثبوت کے لئے اس کے ظاہری ذریعہ ہی کو کافی مانا جاوے گا یعنی نکاح کو اور میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ جس کو بالاتفاق صحیح النسب کہا جاتا ہے اور اس کو اس کے باپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اس میں بھی تو یہی ماننا پڑتا ہے کہ ظاہری سبب یعنی نکاح موجود ہے اس وجہ سے حقیقی سبب یعنی جماع کو بھی مان لیا گیا اور اس کی نسبت ناکح کی طرف کی گئی اور اس کو باپ کہا گیا ورنہ یہ علم کیسے ہوا کہ وہ بچہ واقع میں کس کا ہے حقیقی سبب کو تو کسی نے دیکھا نہیں اور ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ خاوند کے ہوتے ہوئے بھی دوسرے کا حمل ہو گیا۔

اسی معنی کو تو حضرت عبداللہ بن سلام اس آیت کے متعلق کہتے ہیں یعرفونہ کمایعرفون ابناءھم اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (بوجہ دلائل قویہ کے) ایسا پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کے پہچاننے میں تو ہم کو کوئی شبہ بھی ہے انالاندری ماتصنع نساءنا یعنی ہم کو کیا معلوم ہے کہ ہماری عورتیں کیا کیا خیانت کرتی ہیں ہمارے پاس اس کی کون سی قطعی دلیل ہے کہ ہمارے بیٹے ہمارے ہی نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں اور حضورؐ کی نبوت پر ہمارے پاس قطعی دلیلیں موجود ہیں جن میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض علم یقینی اس کا کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ یہ بچہ اپنے باپ ہی کا ہے۔ اس کا علم تو اللہ میاں کو ہے یا میاں بی بی کو ہے باقی دوسرے لوگ جس کو صحیح النسب مانتے ہیں اس کی نسبت کون سا علم یقینی رکھتے ہیں بجز اس کے اس قاعدہ کو مان لیں کہ جائز طریقہ اور ذریعہ نسب کا ہوتے ہوئے کسی کی طرف بدگمانی جائز نہیں اور بشرط امکان نسبت باپ ہی کی طرف کی جائے گی اور امکان اس صورت میں کا اوپر ثابت ہو چکا ہے اور یہی مطلب ہے الولد للفراش کا لیجئے عقلاً

ثابت ہو گیا کہ شرعی اصول کس قدر صحیح ہے۔اب تو معترض کو لینے کے دینے پڑ گئے ہوں گے کیونکہ اس شبہ سے تو اپنے ہی نسب میں کلام ہو گیا ذرا سوچ سمجھ کر بات کہنی چاہئے شریعت کوئی چوں کا کھیل نہیں ہے غرض نسب کے بارے میں سوائے اس کے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کہ جائز ذریعہ ہوتے ہوئے اس کو باپ کے ساتھ ملحق کرنا چاہئے خواہ حقیقت میں کچھ ہی ہو اب اچھی طرح سمجھ میں آگیا ہو گا کہ اس کے معنی کیا ہیں کہ وہ بچہ جس کا باپ عرصہ سے غائب ہے اسی باپ کا ہے وہ معنی یہی ہیں کہ قانون میں اس کا بیٹا ہے گو حقیقت میں کچھ بھی معلوم نہیں۔

قانون بڑی چیز ہے

اور قانون بھی بڑی چیز ہے اگر ہر بات میں واقعیت پر نظر رکھی جائے تو دنیا کا کام چل ہی نہیں سکتا کسی کو کسی مال کا مالک کہا جاتا ہے تو کیا اس پر کوئی ایسی دلیل ہوتی ہے جس میں جانب مخالف کا احتمال ہی نہ ہو بہت سے بہت یہ کہ مثلاً جائداد کی تحریر یعنی بیع نامہ موجود ہے مگر کیا اس میں کسی درجہ میں یہ احتمال نہیں ہے کہ فرضی اور جعلی ہو ایسے تو واقعات بہت ہوتے ہیں۔ کوئی شائد کسی کو خیال ہو کہ اس پر شہادتیں موجود ہیں میں کہتا ہوں جیسے بیع نامہ بن سکتا ہے شہادتیں بھی بن سکتی ہیں۔ غرض احتمال کو بڑی گنجائش ہے کوئی کام دنیا کا ایسا نہیں جس کے ثبوت میں کوئی قریب یا بعید احتمال نہ نکالا جاسکے سو اگر واقعیت پر نظر رکھی جائے تو تمام کام بند ہو جائیں لامحالہ قانون ہی کو اختیار کرنا پڑے گا۔

لفظ عند کا معنی

جس کی اصل صرف یہ ہے کہ ایک چیز کے دلائل صحیحہ دیکھ کر اس کا حکم کر دیا جاتا ہے گو اس میں احتمال جانب مخالف کا بھی ہو اب سب کے مسئلہ سے بھی شبہات جاتے رہے اور قانون کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی بس عند کے ایک معنی یہی حکم قانونی ہے جو اس آیت میں مراد ہیں فاولئک عنداللّٰہ ھم الکاذبون پس اس کے معنی یہ ہو گئے کہ در صورت پوری شہادت نہ لا سکنے کے قانون الٰہی میں یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ سو ایک تو معنی عند کے یہ ہوئے جس کے بیان میں اسطرادا بہت سی زائد باتیں آگئیں مگر نفع سے خالی نہیں۔ اور بعض وقت عند کے معنی ایک اور بھی

ہوتے ہیں وہ معنی قرب کے ہیں جیسے اس آیت میں ہے ان المتقین فی جنت ونهر فی مقعد صدق عندملیك مقتدر جس کا حاصل یہ ہے کہ متقین جنت میں اور نہروں میں اور عیش اور آرام میں ہوں گے حق تعالیٰ کے پاس۔ ظاہر ہے کہ یہ قرب مراد ہے سو اس آیت میں جس کا بیان ہو رہا ہے لهم دارالسلام عندربهم نیز یہی معنی مراد ہیں لیکن چونکہ یہ وعدہ تمام مومنین کے لئے عام ہے چنانچہ لهم کی ضمیر من یرداللہ ان یهدیه کی طرف راجع ہے یعنی تمام مومنین کے لئے دارالسلام ہو گا خدائے تعالیٰ کے پاس اور ظاہر ہے کہ سب مومنین قرب اصطلاحی میں برابر ہیں نہیں اس واسطے عند کا ترجمہ قریب کے ساتھ کرنے میں ایہام رہتا ہے مساوات کا اور قرآن میں عندربهم کے معنی بعض جگہ فی الدار الاخرۃ بھی وارد ہیں پس یہاں یہی مناسب ہے لہٰذا اسہل اور واضح ترجمہ عندربهم کا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کے پاس جا کر یعنی آخرت میں تو اب ترجمہ یہ ہو گیا کہ مومنین کے لئے امن کا گھر ہو گا آخرت میں۔

قرب کے درجات

اب سمجھ میں آگیا ہو گا کہ میں نے عندربهم کا ترجمہ یہ کیوں کیا تھا کہ آخرت میں اب صرف یہاں ایک سوال باقی رہا وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ کے پاس سے مراد آخرت ہی کیوں لی گئی خدائے تعالیٰ سے ایسا قرب تو ہم کو دنیا میں بھی حاصل ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرب کے درجات مختلف ہیں ایک قرب تو حقیقی ہے جس کا ترجمہ مل جانے سے کر لو یا ادراک حقیقت سے یا اسی کے ہم معنی جس لفظ سے چاہو کرو اور ایک قرب مجازی ہے جس کا حاصل رفع یا تقلیل حجب ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ سو قرب بالمعنی الاول یعنی قرب حقیقی بمعنی مل جانے کے یا ادراک حقیقت کے تو کسی کو حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا کیونکہ حق تعالیٰ جسم اور مکان سے پاک ہیں۔ تو مل جانے کے تو کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے اور رہا ادراک حقیقت سو وہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ادراک چاہتا ہے احاطہ کو اور بندہ ممکن ہے اور حق تعالیٰ واجب اور ممکن متناہی ہوتا ہے اور واجب لامتناہی پھر لامتناہی کو متناہی کیسے محیط ہو سکتا ہے۔ اس لئے غرض قرب بایں معنی تو ہو نہیں سکتا اس پر شائد کوئی اشکال کرے کہ رویت حق تعالیٰ کا مسئلہ ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ رویت بے حجاب ہو گی جب

کوئی حجاب نہ رہا تو قرب حقیقی تو ہو گیا پھر یہ کہنا کہاں صحیح رہا کہ قرب حقیقی حق تعالیٰ کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔

رویت بے حجاب ہونے کا مفہوم

اس کا حل یہ ہے کہ رویت بے حجاب ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی حجاب بھی نہیں رہے گا بلکہ یہ معنی ہیں کہ بعض حجاب نہ رہیں گے اور تقلیل حجاب ہو جاوے گی چنانچہ خود حدیث میں حجاب کا وجود آیا ہے لایبقی اعلی وجہہ الارداء الکبریاء یعنی نہیں باقی رہے گا ذات پاک حق تعالیٰ پر کوئی حجاب سوائے حجاب کبریا کے یعنی عظمت کے اس استثناء سے معلوم ہوا کہ یہ حجاب رہے گا۔ پس یہ بات ثابت ہو گئی کہ رویت کے بے حجاب ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مطلق حجاب نہ رہے گا بلکہ یہ معنی ہیں کہ بعض حجاب نہ رہیں گے ورنہ استثناء کے کیا معنی۔ رہا یہ کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ایسی ہو گی جیسے چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی مانع نہیں رہے گا تو دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ ہے کہ رویت میں تو حجاب نہ ہو گا چودھویں رات کے چاند کی طرح دیکھ لوگے مگر ادراک حقیقت میں حجاب رہے گا اور اہل حق کی بھی یہی تحقیق ہے کہ حق تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا اور اس پر ان کے پاس علاوہ حدیث کے آیت بھی دلیل ہے اور وہ آیت یہ ہے'الا انہ بکل شئی محیط کیونکہ ادراک حقیقت بھی احاطہ ہے اور حق تعالیٰ کو کوئی شے محیط ہے نہیں پس اس کی حقیقت کا بھی کوئی مدرک نہیں پس ادراک کا امتناع تو اس طرح ہوا اور وصل حسی کا امتناع بوجہ تنزہ عن الجسم کے ہوا اس لئے اور یہی دو فرد تھیں قرب حقیقی کی اس لئے یہ توقع بالکل نہیں ہو سکتی کہ قرب اس معنی کو حاصل ہو کہ ادراک حقیقت ہو جاوے یا اتصال ہو جاوے ہاں اور کسی معنی کو قرب ہو گا۔ یعنی تقلیل حجب اور یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ظاہر امتناع احاطہ بالحق سے حسرت ہو سکتی ہے کہ افسوس ہم اگر محیط ہوتے تو خوب لطف ہوتا جیسے محبوب کو آغوش میں لینے سے لیکن عاشق اسی سے زیادہ تو خوش ہو سکتا ہے کہ وہ محیط ہے اس لئے کہ ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ عاشق معشوق کے ہاتھ کو دبائے جس میں عاشق

کا ہاتھ معشوق کے ہاتھ کو محیط ہوا اور ایک یہ صورت ہوتی ہے کہ محبوب اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر دبائے اس صورت میں محبوب کا ہاتھ عاشق کے ہاتھ کو محیط ہوا ظاہرا تو دوسری صورت پہلی سے کم درجہ کی معلوم ہوتی ہے لیکن عاشق سمجھتا ہے کہ زیادہ لطف دوسری ہی صورت میں ہے اسی کو ایک عاشق کہتا ہے۔

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم
کہ شاید دست من بار دگر جانان من گیرد

عاشق کا مذاق

اور عاشق کا تو یہ مذاق ہوتا ہے کہ قرب کامل تو دور رہا اس کو تو اگر یہ بھی امید ہو کہ کبھی میری طرف گوشہ چشم ہی سے دیکھ لیا جائے گا یا کبھی میرا نام ہی اس محفل میں آجائے گا تب بھی پھولا نہ سمائے گا اور یہ تو بہت بڑی بات ہے کہ اس کا ہاتھ محبوب پکڑ لے اور یہ دوسری صورت کہ محبوب اس کا ہاتھ دبائے اس پہلی صورت سے کہ یہ محبوب کا ہاتھ دبائے عاشق کے مذاق میں اس واسطے زیادہ پر لطف ہے کہ اس میں عنایت محبوب کی طرف سے پائی جاتی ہے اور پہلی صورت میں صرف عاشق ہی کی طرف سے توجہ ہے بہر حال حق تعالیٰ کی عظمت جاننے کا ادراک الحقیقت ہے جنت میں بھی رویت تو ہو گی مگر حق تعالیٰ سے کسی کو یہ قرب بھی نہیں ہو سکتا کہ ادراک حقیقت ہو جاوے اس سے تو قطع نظر ہی کر لینی چاہیے اسی بارہ میں صوفیہ نے کہا ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں
کاینجا ہمیشہ باد بدست است دام را

کہاں تو ذات حق باقی اور کہاں بندہ فانی اور کہاں قدیم اور کہاں حادث اور کہاں واجب الوجود اور کہاں ممکن اور کہاں لامتناہی اور کہاں متناہی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جب یہ قرب محال ہے تو اگر قرب ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کہ تجلیات کی تکمیل ہو جائے اور گو اس قسم کا قرب حق تعالیٰ سے دنیا میں بھی حاصل ہے مگر اتنا فرق ہے کہ دنیا میں حجاب بہت زیادہ ہیں اور آخرت میں بہت کم ہوں گی اور دنیا میں جو یہ زیادہ حجب ہیں یہ بھی حجاب ادھر سے نہیں ہیں بلکہ ادھر سے ہیں کیونکہ ان کا حاصل ہستی

دنیوی ہے کہ یہاں کی حیات تمام وجوہ سے نہایت ناقص ہے اور یوں تو ممکن کا وجود ہمیشہ ہی ناقص ہے کیونکہ ہر وقت اس پر فنا طاری ہے پھر اس میں سے بھی دنیوی وجود کہ وہ تو بالکل ہی ناقص ہے جس کو کالعدم سمجھ کر فرمایا گیا ہے لاعیش الاعیش الآخرہ یعنی زندگی ہے تو آخرت کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا کی زندگی زندگی ہی نہیں ہے تو یہاں کی ہستی نہایت ہی ضعیف ہے اور بوجہ ضعف کے متحمل اس قرب کے بھی نہیں جو آخرت میں ہوگا یعنی رویت اور یہی نکتہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا ارنی یعنی اے اللہ مجھے اپنا دیدار دکھا دیجئے تو حق تعالیٰ نے جواب دیا لن ترانی جس کے معنی یہ ہیں کہ تم نہیں دیکھ سکتے یوں نہیں فرمایا لن اری کہ میں نہیں دیکھا جا سکتا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نہیں ہے کہ ادھر سے قابلیت دیکھے جانے کی نہیں ہے بلکہ ادھر سے استعداد دیکھنے کی نہیں ہے اسی کو میں نے یہی کہا تھا کہ حجاب ادھر سے نہیں بلکہ ادھر سے ہے تو ہستی دنیوی اس قدر ضعیف ہے کہ اس میں استعداد نہیں ہے رویت کی اور آخرت میں قوت بڑھ جاوے گی لہذا دیکھ سکیں گے خاصل یہ کہ حق تعالیٰ کی طرف سے قرب ہر وقت ہے لیکن ہستی دنیاوی حجاب اعظم ہے آخرت میں یہ حجاب کم ہو جاوے گا اس لئے قرب زیادہ ہوگا۔ لہذا قرب آخرت کو عندربھم کہا گیا تو اس تفسیر کے لحاظ سے آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ مومنین کے لئے سلامتی کا گھر یعنی بہشت ہوگا آخرت میں۔

ولی کا معنی

ایک ثمرہ تو یہ ہوا جس کا حاصل میں نے شروع ہی میں بیان کر دیا تھا کہ امن عن الآفات علی وجہ الکمال ہے اور دوسرا ثمرہ حصول راحت علی وجہ الکمال ہے وہ اس جملہ میں ہے وھو ولیھم بماکانوا یعملون اور ولی کے معنی دونوں آتے ہیں محبّ بھی اور محبوب بھی تو آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے محبوب ہیں تو یہ محب ہوئے یعنی ان کو محبین میں داخل فرمالیں گے اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے محبّ ہیں یعنی ان کو محبوب بنالیں گے دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو بندہ کے لئے تو بڑے ناز کی بات ہے ایک عاشق کہتا ہے۔

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف

گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے عجب

یعنی مجھے تو اتنا ہی بہت ہے کہ اس کا دامن ہاتھ میں آجائے یعنی کچھ تعلق پیدا ہو جائے پھر نتیجہ خواہ یہ ہو کہ وہ مجھ کو کھینچ لیں یعنی مجھ کو مطلوب اور محبوب بنا لیں یا میں کھینچ لوں یعنی محب بن جاؤں مطلب یہ ہے کہ تعلق پیدا ہو جائے پھر نتیجہ ان دونوں میں سے ایک ضرور ہو گا اور ایک کیوں ہو گا دونوں ہی ہوں گے۔

محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں

راز اس کا یہ ہے کہ اس سرکار میں محبیت اور محبوبیت دونوں متلازم ہیں جہاں محبیت ہے وہاں محبوبیت بھی ہے اور جہاں محبوبیت ہے وہاں محبیت بھی ہے اسی معنی کو کہا ہے۔

ہر کہ عاشق بینیش معشوق داں گو بہ نسبت ہست ہمیں وہم آں

اور اسی واسطے مشورہ دیتے ہیں۔

آب کم جو تشنگی آور بدست تاجو شد آیت از بالاؤ پست

پیاسے کو مشورہ دیتے ہیں کہ تو پانی کا طالب ہے تو سمجھ لے کہ تو مطلوب بھی ہے جیسے تو پانی کو ڈھونڈتا ہے ایسے ہی پانی بھی تجھ کو ڈھونڈتا ہے چنانچہ صاف فرماتے ہیں۔

تشنگاں گر آب جویند از جہاں آب ہم جوید بعالم تشنگاں

یعنی جیسا کہ پیاسے پانی کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ایسے ہی پانی بھی خود پیاسوں کو ڈھونڈتا ہے دیکھ لیجئے پیاسوں کے پیدا ہونے سے پہلے پانی پیدا ہوا تو پانی جو مطلوب کہا جاتا ہے وہ در حقیقت طالب یعنی مقتضی ہے وجود عطشاں کو اور پیاسا جو طالب سمجھا جاتا ہے اس اعتبار سے مطلوب ہے تو طالبیت اور مطلوبیت دونوں طرف سے ہوئی یہ حالت تو مخلوق کی باہم ہے اور جو کوئی خدا تعالیٰ کے ساتھ علاقہ پیدا کرے تو خدا تعالیٰ تو بہت کریم ہیں ذرا سا بہانہ ڈھونڈتے ہیں ادھر سے ارادہ ہوا اور ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں تو جو شخص خدا تعالیٰ سے محبت کرے گا خدا تعالیٰ اس سے کہیں زیادہ محبت کریں گے جب ادھر سے محبت ہوئی تو یہ محبوب ہو گیا نتیجہ یہی ہوا کہ محبیت کے لئے

محبوبیت لازم ہے چنانچہ ایک جگہ صاف فرماتے ہیں یحببکم اللّٰہ اس سے اوپر ارشاد ہے ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی اور یہ اس کا ثمرہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم اللہ کے محب ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو حق تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے یہاں بظاہر موقع تحبوا اللہ کا تھا یعنی تمہارا محب ہونا اس وقت معتدبہ ہوگا جب تم اتباع کرو اس سے تم اللہ کے محبین میں شمار ہو سکتے ہو سو یہ نہیں فرمایا بلکہ یحببکم اللّٰہ فرمایا یعنی ایسا کرنے سے تم کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین میں داخل کرلیں گے یہ آیت تو بالکل ہی صریح ہے اس باب میں کہ محبت کے لئے محبوبیت لازم ہے اور بہت آیتوں میں یہ مضمون آیا ہے مثلاً واللّٰہ یحب المحسنین اور واللّٰہ یحب الصابرین وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں یحب کے معنی یہی تو ہیں کہ محبت رکھیں گے اس کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف ہے تو فاعل اس کی ذات حق ہوئی اور محبت کے فاعل کو محب کہتے ہیں اور مفعول اس کا صابرین یا شاکرین ہیں بلفظ دیگر مومنین ہیں اور محبت کے مفعول کو محبوب کہتے ہیں تو مومنین کے لئے بشارت ہوئی محبوب بنالینے کی یہ مضمون جابجا آیات میں موجود ہے اور یحببکم اللہ میں تو بالکل ہی صاف موجود ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ کتنی بڑی بات ہے اس پر تو عاشق کو شادی مرگ ہو جائے تو عجب نہیں عاشق کی حالت تو یہ ہوتی ہے کہ اگر اتنا بھی سن لے کہ محبوب نے میرا نام لیا تو پھولا نہیں سماتا اور کہاں اتنا بڑا لفظ کہ مجھ کو پسند کر لیا۔

ادائے حق محبت عنایتے است زدوست
وگرنہ عاشق مسکیں ہیچ خورسند است

محبوبیت کا لفظ تو بہت ہی بڑا ہے عاشق کے لئے تو محبین ہی میں شمار ہو جانا بڑے سے بڑا درجہ ہے وہ کہتا ہے۔

ہمینم بس کہ داند ماہرویم　　کہ من نیز از خریداران اویم
ہمینم بس اگر کاسد قماشم　　کہ من نیز از خریدارانش باشم

عاشق کا حوصلہ تو اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کو محب اور بلفظ دیگر عاشق کہہ دیا جائے اور اگر خود محبوب ہی اس کی نسبت یوں کہہ دے کہ یہ میرا عاشق ہے تو شائد مرا ہوا بھی جی جائے یا جیا ہوا مر جائے اور دوسرے محبوبوں سے تو اتنی بھی

توقع ہونا مشکل ہے کہ اپنے طالب کو عاشق ہی کہہ دے لیکن حق تعالیٰ کا فضل ہے اور غایت کرم ہے کہ اپنے ناچیز بندوں کو محبوبیت کی بشارت سناتے ہیں ان کی نعمتوں اور رحمتوں اور الفتوں کی کیا حد ہو سکتی ہے جو کچھ ہے ادھر سے ہی ہے اور بندہ کو تو اگر محبت بھی نصیب ہوتی تو فی الحقیقت انہی کی دی ہوئی ہوتی گو ظاہراً بندہ کا فعل ہوتا اور محبوبیت میں تو بندہ کا کوئی اختیار ہی نہیں وہ تو ہر طرح انہی کی دی ہوئی ہے غرض یہ اس آیت سے خوب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ محبت کو محبوبیت لازم ہے۔

محبوبیت کو محبت لازم ہے

اور اوپر میں بیان کر چکا ہوں کہ اس کا عکس بھی ثابت ہے یعنی محبوبیت کو محبت لازم ہے تو آیت میں لفظ ولیھم کو معنی میں محبّ کے لوتپ بھی اور محبوب کے لوتپ بھی اس سے محبت بھی ثابت ہو گئی اور محبوبیت بھی تو معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ مومنین کو یہ ثمرہ بھی دیں گے کہ محبّ بھی بنالیں گے اور محبوب بھی بنالیں گے اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ دلالت آیت کی دونوں مضمونوں پر بطریق عموم مشترک کے نہیں ہے کبھی کوئی مولوی صاحب اعتراض کریں بلکہ ایک مضمون پر دلالت مطابقی ہے اور دوسرے پر التزامی ہے یعنی ولیھم کو دونوں معنوں میں ایک وقت میں نہیں لیا گیا بلکہ ایک معنی میں لیا گیا ہے اور دوسرے معنی بوجہ لازم ہونے کے ثابت ہو جاتے ہیں یہ بحث تو طالب علمانہ تھی مقصود یہ ہے کہ ولیھم میں دوسرے ثمرہ کا بیان ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مومنین کو حق تعالیٰ اپنا محبّ اور محبوب بنالیں کہ اس کو میں نے دوسرا ثمرہ کہا تھا اور اس کا حاصل حصول راحت نکالا تھا پس ایک ثمرہ تھا دفع مضرت جو حاصل تھا اول جملہ یعنی لھم دارالسلام عندربھم کا دوسرا ثمرہ حصول راحت ہے جس کو میں نے ثابت کیا ہے وھوولیھم سے جس کا حاصل دو امر ہیں محبّ بن جانا خدا تعالیٰ کا اور محبوب بن جانا اور دونوں امر کو جامع ایک لفظ محبت ہے تو حاصل یہ ہوا کہ مومنین کو محبت حاصل ہو گی محبت مصدر ہے اس کو مضاف کرو فاعل کی طرف تو محبت کے معنی ہو جاتے ہیں اور مضاف کرو مفعول کی طرف تو محبوبیت کے معنی ہو جاتے ہیں غرض دونوں معنوں کے لئے جامع لفظ محبت ہے حاصل یہ ہوا کہ مومنین کو محبت حاصل ہو گی۔ اور میں نے ان دونوں ثمروں کی نسبت اوپر کہا تھا

کہ کامل ہوں گے سو دفع مضرت کے کامل ہونے کو تو میں اوپر ثابت کر چکا اب اس دوسرے ثمرہ کے کمال کرنا رہ گیا یعنی حصول راحت بھی علی وجہ الکمال ہو گا۔

راحت کی روح

اس بیان کے لئے ضرورت ہے ایک مقدمہ کی وہ یہ ہے کہ راحت کی روح ہے خوشی اور یہ نہ ہو تو تمام نعمتیں بیکار ہیں مثلاً ایک شخص لکھ پتی ہے مال بھی ہے اولاد بھی ہے مکان بھی ہے ہر قسم کی آسائش کا سامان مہیا ہے لیکن فرض کر لیجئے کہ اس پر ایک مقدمہ قتل کا قائم ہو گیا ہے تو سامان راحت کا سب موجود ہے مگر چونکہ اس راحت کی روح یعنی خوشی اور اطمینان قلب موجود نہیں لہذا سب سامان بیکار ہے اور یہ بات بہت ہی ظاہر ہے اس کو کچھ طول دینے کی ضرورت نہیں مگر جس بات کو میرے مدعا میں دخل ہے وہ یہ ہے کہ ہر چیز کی راحت اس کے مناسب چیز سے ہوتی ہے آنکھ کی راحت اچھی اچھی چیزوں کے دیکھنے سے اور کان کی راحت اچھی اچھی باتوں کے سننے سے علی ہذا قلب کی راحت سب سے زیادہ ہوتی ہے محبت سے جب مومنین کے لئے محبت ثابت ہو گئی تو اس کا نتیجہ صاف یہ نکلا کہ جو سب سے بڑی چیز راحت کی ہے وہ حاصل ہو گئی کیونکہ آنکھ کان وغیرہ مناسب قلب سے درجہ میں کم ہیں اور اشد والا مناسب ہے تو جو فرق اور اعضا اور قلب میں ہے وہی فرق ان دونوں کی راحتوں میں بھی ہو گا پس محبت سب راحتوں سے بڑھ کر راحت ہوئی جب وہ محبت مومنین کو حاصل ہوئی تو اس کے معنی یہی ہوئے کہ سب سے بڑی راحت ان کو نصیب ہو گئی جس کی تمام راحتیں تابع ہیں تو یہ بات صحیح ہو گئی کہ حصول راحت علی وجہ الکمال ہو گا ایک بات یہاں یہ بھی ذہن میں رکھ لیجئے کہ ولی کے معنی میں قرب بھی ماخوذ ہے تو یہ معنی ہوئے کہ حق تعالیٰ کو ان سے قرب بھی ہے اب یہاں دو دعوے ہوئے اول یہ کہ خود محبت بھی راحت و لذت کی چیز ہے چاہے قرب بھی نہ ہو یہ محبت بھی وہاں ہو گی اور اس پر دوسرا یہ کہ اس پر قرب بھی مزید براں ہو گا تو اب تو حصول راحت علی وجہ الکمال کہنے میں کچھ بھی تردد نہ رہا اگر کوئی کہے کہ ایک شاعر نے تو اس کے خلاف کہا ہے ؎

جو مزا انتظار میں دیکھا

پھر نہ وہ وصل یار میں دیکھا

اس میں صاف بتلا رہا ہے کہ محبت میں مزا ہے قرب میں نہیں تو اول تو یہ شعر غلط ہے اور مذاق سلیم کے خلاف ہے اگر ایسا ہوتا تو عشاق وصال کی تمنا کیوں کیا کرتے اور اگر من کل الوجوہ غلط بھی نہ کہا جائے تو میں ثابت کرتا ہوں کہ مومنین کو یہ بھی نصیب ہو گا یعنی جنت میں انتظار کی لذت بھی ہو گی یہ عجیب بات ہے کہ قرب بھی ہو گا اور انتظار بھی بیان اس کا یہ ہے کہ محبوب حقیقی سے وصل حقیقی ممکن نہیں جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ وصل حقیقی چاہتا ہے اتصال کو یا علم بالکنہ کو اور اتصال حق تعالیٰ سے ممکن نہیں کیونکہ ذات حق تجسم سے پاک ہے اور علم بالکنہ احاطہ ہے اور حق تعالیٰ محیط ہیں نہ کہ محاط جب وصل حقیقی نہ ہو گا تو پوری سیری بھی نہ ہو گی اور مزید قرب کا انتظار رہے گا اور یہ حالت ہو گی کہ وصل بھی ہے اور مزید کا انتظار بھی جیسا کہ کہا گیا ہے۔

دلا رام در بر دلا رام جو — لب از تشنگی خشک و بر طرف جو

نہ گویم کہ بر آب قادر نیند — کہ بر حل نیل مستسقی اند

اور راز اس میں یہی ہے کہ بندہ متناہی ہے اور حق تعالیٰ لامتناہی تو جو مرتبہ بھی وصال کا لیا جائے ایسا نہیں ہو سکتا کہ اور مرتبہ نہ ہو شاعر کہتا ہے۔

جنت میں انتظار کی لذت ہو گی

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار — گل چنیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

سبحان اللہ اس کا کیا بیان ہو سکتا ہے لامتناہی کا بیان بھی کوئی کیسے کرے کیونکہ بیان بھی تو متناہی ہو گا پھر اس کو کیسے محیط ہو سکتا ہے غرض اگر وہ شعر کسی درجہ میں صحیح بھی ہو تب بھی وہ اشکال نہ رہا کہ جب انتظار نہ ہو گا تو کیا لطف ہو گا کیونکہ میں نے ثابت کر دیا کہ جنت میں انتظار بھی ہو گا تو اگر کسی کا یہی مذاق ہے کہ لطف بلا انتظار کے نہیں تو جنت میں یہ بھی ہو گا جس کی وجہ ابھی بیان کی ہے کہ وہاں حسن لامتناہی ہو گا اس لئے تمتع کے درجات بھی لاتقف عند حد ہوں گے اور ہر درجہ میں دوسرے درجہ کا انتظار ہو گا مگر یہ یاد رکھئے کہ ایک انتظار وہ بھی ہوتا ہے جس میں تڑپ اور بے چینی ہو ایسا انتظار جنت میں نہ ہو گا کیونکہ جنت دار السلام ہے وہاں کسی

تکلیف کا کام نہیں اور ایسا انتظار تکلیف ہے اور تکلیف بھی کیسی جس کو کہا جاتا ہے الانتظار اشد من الموت تو ایسا انتظار تو وہاں کیسے ہو سکتا ہے جو انتظار وہاں ہو گا وہ زیادتی لذت کے لئے ہو گا وصال بھی ہو گا اور انتظار وصال بھی ہو گا اس طرح کہ ایک تجلی خاص ہو گی اس سے جو کچھ لذت حاصل ہو گی اس کو کون بیان کر سکتا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر تجلی کی خواہش ہو گی پھر اس سے بڑھ کر تجلی ہو گی پھر اس سے بھی بڑھ کر تجلی کی خواہش ہو گی اور پھر وہ تجلی ہو گی وہلم جراً کہیں یہ ترقی ختم نہ ہو گی کیونکہ وہاں تناہی نہیں ہے۔ اس بیان کو طول اس شعر کی تحقیق کی وجہ سے ہو گیا جو مزا انتظار میں دیکھا الخ۔ اصل مضمون یہ تھا کہ ہر چیز کی راحت اس کے مناسب چیز سے ہوا کرتی ہے اور قلب کے موافق اور مناسب چیز محبت ہے تو قلب کو محبت سے راحت پہنچتی ہے گو وصل بھی نہ ہو چہ جائیکہ وصل بھی ہو اور یہ محبت اس قدر لذت کی چیز ہے کہ بعض وقت اس محبت میں آدمی اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ وصل کی بھی خبر نہیں رہتی مجنوں کا قصہ ہے کہ ایک دفعہ لیلیٰ سامنے آگئی تو وہ کہتا ہے من انت تو کون ہے یہاں تعجب ہوتا ہے کہ اس نے لیلیٰ کو پہچانا نہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ غایت شوق میں ایسی محویت ہو گئی کہ کچھ بھی خبر نہ رہی حتیٰ کہ محبوب کا بھی ادراک نہ ہوا مگر اس قصہ سے مقصود محض محبت کے لذیذ ہونے پر استدلال کرنا ہے باقی اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ وہ وصل سے افضل ہے یہ تو ظاہر ہے کہ محبت خود اس فصل ہی کی خواہش کا نام ہے تو جس کی خواہش کا نام محبت ہے یعنی وصل محبت محض اس سے کیسے افضل ہو گی البتہ دنیا میں کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس وصل پر محض محبت غالب آجاتی ہے جیسا کہ لیلیٰ کے قصہ میں ہوا کہ محبت میں ایسی لذت آئی کہ محویت ہو گئی حتیٰ کہ محبوب کو بھی نہ پہچانا مگر وہاں ایسا نہ ہو گا کیونکہ وہاں مذاق صحیح ہو گا اس لئے وہ حالت نہ ہو گی جو مجنوں کی ہوئی کہ محبوب تک کو نہ پہچانا۔ یہ ایک غلطی کا دفع تھا۔ اصل مضمون یہ بیان کر رہا تھا کہ محبت ہی ہر راحت کی بنا ہے جس چیز میں لطف آتا ہے محبت ہی سے آتا ہے محبت نہ ہو تو کسی چیز میں لطف ہی نہیں آسکتا دیکھئے سب سے بڑی اور ضروری چیز جس پر تمام کارخانہ دنیا کا وجود و بقاء موقوف ہے وہ کھانا ہے اس میں بھی اگر محبت نہ ہو یعنی کھانے کی خواہش نہ ہو تو لطف نہیں آسکتا اس وقت کھانا مٹی کی برابر معلوم ہوتا ہے اور یوں کوئی فاسد المذاق ہو کہ پیٹ بھی بھرا ہوا ہے اور

طبیعت قبول نہیں کرتی مگر زبردستی کھائے چلا جارہا ہے بلکہ قے کرتا جاتا ہے اور کھائے چلا جاتا ہے تو ایسے مذاق والے کا تو ذکر ہی نہیں مذاق صحیح کا ذکر ہے کہ بلا خواہش اور رغبت کے کھانے میں بھی لطف نہیں آتا خواہش رغبت محبت سب ایک ہی چیز ہے غرض ہر راحت کی اصل محبت ہی ہوئی اب میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ ایک راحت ہی کی کیا تخصیص ہے ہر چیز کی اصل اور بنا محبت ہی ہے حتیٰ کہ ایجاد عالم کی بنا بھی یہی محبت ہے صوفیہ کے روایات میں ایک الہام ہے کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں اس واسطے میں نے عالم کو پیدا کیا۔ لفظ احببت محبت سے مشتق ہے اس میں اسناد محبت کی حق تعالیٰ کی طرف ہوئی ہے تو صاف یہی معنی ہوئے کہ خدا تعالیٰ کو اس امر سے محبت ہوئی کہ پہچانا جاؤں۔ لفظ محبت اس میں صریح مذکور ہے اس سے ثابت ہوا کہ ایجاد عالم کی اصل بنا بھی محبت ہی ہوئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ محبت کا اطلاق ذات حق تعالیٰ میں اس معنی پر اس معنی میں نہیں ہو سکتا جس معنی پر مخلوقات میں اطلاق ہوتا ہے کیونکہ مخلوقات میں تو محبت کے معنی میلان و کشش کے ہیں جس سے محب بالاضطرار محبوب کی طرف کھنچتا ہے اور ذات خداوندی میں اضطرار کا کچھ کام نہیں وہاں تو اختیار مطلق ہے محبت بھی اختیاری ہے وہاں محبت کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنے اختیار سے بلا کسی قسم کی کشش اور اضطرار کے ایک بات کو پسند کرنا۔

لفظ محبت کی ضروری تحقیق

محبت کے حکم کرنے میں آج کل لوگ سخت غلطی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ پر اس کا حمل ایسی بیہودگی کے ساتھ کرتے ہیں کہ اس کے تصور سے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے عوام کو ان باریک باتوں کی تمیز کہاں خدا تعالیٰ کو عاشق اور شیدا وغیرہ کہہ ڈالتے ہیں جس میں یہی معنی ادا ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کے ساتھ محبت کشش اور اضطرار اور بے چینی کے ساتھ ہے جس طرح مخلوق میں ہوتی ہے خوب سمجھ لیجئے کہ اس قسم کے الفاظ حق تعالیٰ کی شان میں کہنا ہرگز جائز نہیں اس میں حق تعالیٰ کو مخلوق کے برابر کر دینا ہے۔ اور سخت بے ادبی ہے یہ لفظ محبت کی ضروری تحقیق تھی جو رفع غلطی کے لئے بیان کر دی گئی۔ باقی محبت کا اطلاق بمعنی ارادۃ الخیر حق تعالیٰ

کے لئے بھی آتا ہے چنانچہ لفظ احببت میں موجود ہے اور اس قسم کے لفظ قرآن شریف میں بھی بہت جگہ موجود ہیں جس میں محبت کا اطلاق حق تعالیٰ کے لئے آیا ہے مثلا واللہ یحب الصابرین واللہ یحب المحسنین یحببکم اللہ وغیرہ وغیرہ غرض جس طرح کہ محبت خدا تعالیٰ کے لائق ہے وہی محبت ایجاد عالم کا سبب ہوئی تو ثابت ہوا کہ محبت ہی بنا ہوئی ہے ایجاد کی جس کا میں نے دعویٰ کیا تھا۔

محبت کی بناء

اور ایک بات اس سے اور بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ محبت کی ابتداء ادھر سے ہوئی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود
تانہ سوزد شمع کے پروانہ شیدا میشود

پھر اس کا عکس ادھر پڑا پھر جانبین میں تعلق ہوا مگر رنگ دونوں طرف مختلف ہیں جیسا کہ سورج کی شعاع صاف اور نورانی ہوتی ہے لیکن سرخ رنگ کے شیشے میں پار ہو جانے سے سرخ دکھائی دیتی ہے اس سے سورج کا اور شعاع کا رنگین ہونا لازم نہیں آتا یہ وہی شعاع نورانی اور صاف ہے مگر سرخ شیشے سے تعلق ہو جانے سے اس میں رنگ پیدا ہو گیا ہے بلا تشبیہ یہی حالت محبت کی ہے کہ ادھر سے صاف اور بے کیف اور ادھر سے بے چینی کے ساتھ اور سوز کے ساتھ اور درد کے ساتھ اور جو جو کچھ عاشق کی گتیں بنتی ہیں سب جانتے ہیں ادھر تو یہ رنگ اور ادھر سکون کے ساتھ اور بلا اضطرار اور بلا بے چینی کے اور بلا سوز و گداز اور ہے دونوں طرف محبت اسی کو عارف رومی کہتے ہیں۔

عشق عاشق با دوصد طبل و نفیر — عشق معشوقاں نہانست و ستیر
عشق معشوقان خوش و فربہ کند — لیک عشق عاشقاں تن رہ کند

وجہ یہ کہ اضطرار ایک صفت نقص ہے جس سے ذات حق جل جلالہ منزہ و مبرا ہے گو محبت اس طرف کی مخلوق کی محبت سے بہت زیادہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ محبت کی بنا ہے معرفت اور معرفت ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ ہی کو زیادہ ہے ہم کو خود اپنی بھی معرفت اتنی نہیں ہو سکتی جتنی کہ حق تعالیٰ کو ہے لہذا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ حق

تعالیٰ ہم کو ہم سے زیادہ چاہتے ہیں اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ کو ہم سے ماں سے بھی زیادہ محبت ہے اور یہ بات بہت ظاہر ہے کیونکہ ماں میں محبت کہاں سے آئی یہ حق تعالیٰ ہی کی محبت کا پرتو ہے اور یہ مضمون حدیث قدسی میں بھی ہے من تقرب الی شبراتقربت الیه ذرا عاومن تقرب الی ذرا ماتقربت الیه باعاومن اتانی یمشی اتیته هرولة حق تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص کہ میری طرف ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ آتا ہوں اور جو کوئی میری طرف ایک ہاتھ آتا ہے تو میں اس کی طرف کھلے ہوئے دو ہاتھ آتا ہوں اور جو کوئی میری طرف قدم قدم آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں دیکھئے ادھر سے جتنا ظہور محبت کا ہوتا ہے اس سے زیادہ ادھر سے ہوتا ہے اس میں صریح دلالت ہے کہ ادھر ہی سے محبت زائد ہے وہ تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں کہ ذرا کسی نے ارادہ کیا ان کی طرف آنے کا اور وہ خود اس سے ہزارہا درجہ زیادہ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ غرض محبت کی شان اور اس کا ہر راحت و لذت کے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے اصل الاصول ہونا ثابت ہو گیا اسی دولت کا ذکر ہے جملہ وھو ولیھم میں پس یہ جملہ جامع ہوا تمام راحات حصول کا اور پہلا جملہ جامع تھا تمام مضار کے زوال کا اور یہی حاصل ہوتا ہے تمام ثمرات کا تو اسلام پر ثمرات کاملہ کا مرتب ہونا ثابت ہو گیا یہ بیان ہوا لھم دارالسلام عندربھم وھو ولیھم کا۔

بغیر اعمال صالحہ کے صرف محبت کافی نہیں

اس کے بعد بما کانوا یعملون میں ایک اور بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ یہ کہ بعض لوگ ایسے ہوس ناک ہوتے ہیں کہ محبت کو مقصود بالذات سمجھ کر اس میں ایک غلطی کر بیٹھتے ہیں اور یوں سمجھتے ہیں کہ بس کامیابی یہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ سے ہم کو محبت ہے اور ہم سے ان کو محبت ہے اور یہ سمجھ کر عمل کا اہتمام مطلق نہیں کرتے اور جاہل صوفی اس غلطی میں بکثرت مبتلا ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ مراقبات وغیرہ میں مشغول رہیں گے وظیفے بہت پڑھیں گے کیفیات کی تحصیل میں سرگرم رہیں گے اگر کشف یا سلب مرض یا اور کوئی کیفیت حاصل ہو گئی تو اس میں مست ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کمال حاصل ہو گیا دن رات انہی دھندوں میں لگے ہوئے ہیں اور

اعمال سے غافل ہیں اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم کو محبت حاصل ہے اور محبت ہی ہے جو کچھ ہے۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ محبت کونسی درکار ہے۔

محبت کیلئے محض میلان قلب کافی نہیں

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ محبت بمعنی میلان قلب کافی نہیں یہ محبت تو ایسی ہے جیسے کوئی یہ خیال کرے کہ مجھے کھانے کی طرف تو رغبت ہے نہ کھانا پکائے اور نہ کھائے تو اس سے کیا ہو سکتا ہے پیٹ نہیں بھر سکتا اور زندہ نہیں رہ سکتا تو اس کھانے کی رغبت نے تو کچھ بھی کام نہ دیا ایسے ہی حق تعالیٰ کی طرف محض میلان قلب کام نہیں دے سکتا کیونکہ جب عمل نہیں اور رضا اسی پر موقوف ہے تو رضا حاصل نہیں اور وہی بڑا مقصود ہے تو اس محبت کا حاصل یہ ہوا کہ تم کو تو خدا تعالیٰ سے محبت ہوئی مگر خدا تعالیٰ کو تم سے نہ ہوئی تو یہ مطلوب نہیں بعض لوگ اسی کو نسبت مطلوبہ سمجھتے ہیں۔

نسبت مطلوبہ

خوب سمجھ لو کہ نسبت مطلوبہ وہ ہے جو دو طرف سے تعلق ہو اور یہ موقوف ہے عمل پر نہ کہ صرف ایک طرف سے اس کی مثال تو اس طالب علم کے قصہ کی سی ہے کہ ایک طالب علم تھے دل لگی باز ان سے ان کے ایک دوست نے پوچھا آج کل کس شغل میں ہو کہا شہزادی سے نکاح کی فکر میں ہوں کہا مبارک ہو بڑا کام مارا کیا اس کی کوئی صورت ہو گئی ہے کہا جی ہاں آدھا کام بھی تو ہو گیا آدھا باقی ہے پوچھا کیونکر کہا ہم تو راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں تو آدھا کام ہو گیا اور آدھا باقی ہے تو بھلا اس سے کیا کام چلا کہ ہم راضی ہیں مگر وہ راضی نہیں اور کیا اس نیم رضا سے شہزادی مل گئی اسی طرح یہ عاشق ہونے کے مدعی ہیں کہ وہ تو اللہ سے راضی ہیں مگر اللہ ان سے راضی نہیں بہت سے پڑھے لکھے بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں۔

نسبت باطنی کو بلا اعمال کے کافی سمجھنا غلط ہے

کہ یہ لوگ نسبت باطنی کے معنی یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ سے لگاؤ پیدا کر لو اور لگاؤ کے معنی یہ لئے ہوئے ہیں کہ ہر وقت یاد رکھو زبان سے یا خیال سے

بس یہی کافی ہے اور اعمال کو مقصود نہیں سمجھتے خود اعمال کو بھی صرف یاد کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو جب یاد پیدا ہو گئی خواہ اعمال سے یا اور کسی ذریعہ سے تو اعمال کی ضرورت نہ رہی چنانچہ یہ لوگ کثرت سے ذکر کرتے ہیں اور اعمال کی مطلق پرواہ نہیں نہ نماز نہ روزہ نہ زکوۃ اور دوسرے اجزاء دین کا تو کیا ذکر اگر کسی نے نماز پڑھی بھی تو ولایتی نماز جس کا نہ رکوع صحیح نہ سجدہ درست نہایت ہی بے توجہی کے ساتھ کیونکہ کوئی ضروری چیز تو ہے ہی نہیں یہ بھی ان کی عنایت ہے کہ ایسی بھی پڑھ لیں البتہ تسبیحیں بڑی بڑی رکھتے ہیں ایک مٹرو شاہ تھے۔ ان کے نام بھی عجیب عجیب ہوتے ہیں جو بعضے خاندانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں شیطان شاہ لعنت شاہ وہ مٹرو شاہ کہا کرتے تھے کہ تسبیح ایسی بڑی اور بھاری ہونی چاہئے کہ ضرورت کے وقت ہتھیار کا بھی کام دے جائے اور کسی سے لڑائی بھڑائی ہو جائے تو سر پر ماردیں تو ایک دفعہ سر تو پھٹ جائے۔ کپڑے گیروا ہوتے ہیں غرض ہر بات میں تصنعات اور رسوم رہ گئے ہیں اسی کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں نسبت صوفیہ غنیمتے است کبری اما رسوم شان ہیچ نیرزد۔ مگر اب درویشی ان ہی رسوم کا نام رہ گیا ہے جس میں رسوم نہ ہوں اس کو کہتے ہیں فلانے بزرگ مشہور تو بہت ہیں مگر ہم نے تو کوئی بات درویشی کی ان میں دیکھی نہیں واقعی گیروا کپڑے نہیں دیکھے بڑی سی ٹوپی سر پر نہیں دیکھی بڑی سی تسبیح گلے میں پڑی نہیں دیکھی موٹا سا سونٹا ہاتھ میں نہیں دیکھا واہی تباہی الفاظ زبان سے بکتے نہیں دیکھا ان سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ شریعت کے پابند ہیں وضع میں قطع میں بول چال میں معاشرات میں معاملات میں اور رسوم کو فضول سمجھتے ہیں اس واسطے درویش کہے جانے کے مستحق نہیں رہے غرض اس خیال میں بہت لوگ پڑے ہوئے ہیں کہ وظیفے پڑھ پڑھ کر حق تعالیٰ سے تصور کا لگاؤ پیدا کر لینا کافی ہے نماز روزے کی ضرورت نہیں اسی پر بھولے بیٹھے ہیں اور اسی کو کمال اور وصول سمجھتے ہیں خیر یہ تو جہلاء کی باتیں ہیں اور بعضے یہ تو نہیں کہتے کہ نماز روزے کی ضرورت نہیں مگر ایک غلطی میں وہ بھی مبتلا ہیں اور یہ بات اچھے اچھے سمجھ داروں اور ذاکرین میں بھی پائی جاتی ہے کہ اعمال کے ساتھ قلب اہتمام ہے جس اہتمام کے ساتھ وظیفے اور اشغال وغیرہ کرتے ہیں اہتمام کے ساتھ اعمال نہیں کرتے اس کی وجہ وہی ہے کہ صرف لگاؤ اور نسبت کو گویک طرفہ ہی ہو مقصود سمجھتے ہیں اسی غلطی کو میں بیان کر رہا ہوں۔

نسبت کی بے نظیر تحقیق

جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ نسبت کہتے ہیں لگاؤ اور تعلق کو اور اس نسبت کی دو قسمیں ہیں (لاکھوں روپے کی بات ہے جو میں بتلا رہا ہوں) ایک قسم تو یہ ہے کہ بندہ کو خدا سے نسبت ہو اور خدا کو بندہ سے نہ ہو اور دوسری قسم یہ کہ بندہ کو خدا سے نسبت ہو اور خدا تعالیٰ کو بندہ سے ہو۔ نسبت کا لفظ تو لغۃً دونوں قسموں پر بولا جا سکتا ہے مگر مطلوب نسبت کی صرف یہ دوسری قسم ہے نہ کہ پہلی قسم ورنہ ایسا تو کوئی بھی آدمی نہ نکلے گا جو پہلی قسم کی نسبت نہ رکھتا ہو ایسا کون شخص دنیا میں ہو گا جو خدا کا قائل ہو اور بزعم خود خدا سے تعلق نہ رکھے اور اس کی تدبیر نہ کرے اس کی دلیل قرآن میں موجود ہے حق تعالیٰ نے مشرکین کا قول نقل کیا ہے ماتعبدھم الالیقربونا الی اللہ زلفی یعنی مشرکین جو بتوں کو پوجتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اس واسطے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو حق تعالیٰ کے قرب میں پہنچا دیں تو اس غرض حصول قرب الی اللہ سے مشرکین بھی خالی نہ ہوئے اور یہود اور نصاریٰ تو اہل کتاب ہی ہیں وہ تو کتاب کو حکم الٰہی سمجھ کر اس کو ذریعہ رضاء و قرب کیوں نہ بناتے تو پہلی قسم نسبت کی تو ان کو بھی حاصل ہے اگر یہ کافی ہوتی تو پھر خود اسلام ہی کی کچھ ضرورت نہ ہوتی اور نماز روزہ کا تو کیا ذکر دیکھئے کیسی صاف غلطی ہے پس یہ لفظ کہ فلانے صاحب نسبت ہیں خوش کن تو بہت ہے لیکن جب تک کہ یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ کون سی قسم کے صاحب نسبت ہیں اس وقت تک اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہی نسبت رکھتے ہوں جو کفار کو بھی حاصل ہے جو کسی درجہ میں بھی مطلوب اور محمود نہیں۔

نسبت محمود

نسبت اگر قابل شمار اور مطلوب ہے تو دوسری قسم کی ہے یعنی یہ کہ بندہ کو خدا سے ہو اور خدا کو بندہ سے ہو اس میں رضا ہوتی ہے یہ ہے تحقیق نسبت کی۔ اور یہ نسبت اعمال میں اہتمام کرنے سے حاصل ہوتی ہے اسی واسطے آگے فرماتے ہیں وھو ولیھم بماکانوا یعملون یعنی جو کچھ یہ عطا ہو گا وہ اس کی بدولت ہو گا کہ جو وہ عمل کرتے ہیں۔ یعنی آفات سے حفاظت اور راحتوں کا نصیب ہونا اور ہمارا قرب یہ سب

اعمال سے ہو گا کوئی خالی محبت میں مغرور نہ ہو جائے خوب سمجھ لے کہ ہم بلا عمل نہیں مل سکتے اور ان کی تو بڑی شان ہے کبھی کسی کو دنیا میں بھی کوئی محبوب بلا عمل ملا ہے ذرا سا طبیعت کا لگاؤ کسی سے ہو جاتا ہے تو اس کی کتنی نازبرداریاں کرنی پڑتی ہیں اور کتنی مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں روپیہ مٹی کر دیا جاتا ہے جان خاک میں مل جاتی ہے مدتوں حیران رہنا پڑتا ہے نہ دن کو چین نہ رات کو نیند مال دولت سب برباد ہو جاتا ہے تب کہیں منہ لگاتے ہیں عاشق کی جو گت بنتی ہے دنیا جہان کو معلوم ہے کچھ شرح کی ضرورت نہیں عشق کا نام آتا تھا اور جان اور مال سے ہلاک اور برباد ہوتا۔ جب دنیا کا ادنیٰ سا محبوب لڑکا یا عورت بھی بلا محنت نہیں ملتا تو حیرت کی بات ہے کہ خدا کی نسبت یوں خیال رکھا جائے کہ بلا محنت مل سکتا ہے عمل اس محنت ہی کو تو کہتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی تلاش میں کچھ بھی محنتیں نہیں رکھیں وہ طریقے بتلائے ہیں جن کو اگر ان مشقتوں کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھا جائے جو ادنیٰ سے ادنیٰ اور گندے ایک دنیاوی محبوب کے لئے کرنی پڑتی ہیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی مشقت نہیں ہے دنیا کا محبوب روپیہ بھی مانگتا ہے اور اس کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں کرتا نہ کوئی نصاب ہے نہ کوئی وقت ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ سارا ہی روپیہ چاہئے اور جان بھی مانگتا ہے اس کے لئے بھی کوئی قاعدہ یا کوئی وقت مقرر نہیں اس کا بھی مطلب یہی ہوا کہ جان بھی بلا عذر ہمارے اوپر قربان کر دو خواہ تمہارا کوئی کام دنیا یا دین بگڑے یا بنے ہم کو اس سے بحث نہیں۔

محبوب حقیقی کے مالی مطالبہ کی کیفیت

اس کے مقابلہ میں محبوب حقیقی کو دیکھئے کہ روپیہ ہی مانگتے ہیں تو کتنا چالیس میں سے ایک اور پھر اس کے لئے بھی شرائط ہیں مثلاً حولان حول یعنی سال بھر گذر جائے تب چالیس میں سے ایک دینا ہوتا ہے اور مثلاً نصاب یعنی مقدار خاص مال کی بھی جیسے ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا چنانچہ جس کے پاس اتنی مقدار نہ ہو اس کو ذرا بھی نہیں چھیڑتے یعنی اس پر بلا اس مطالبہ کے ہی عنایت فرماتے ہیں۔ اگر مقدار بھی ہو اور سال بھی گذر چکا ہو لیکن قرض اس کے ذمہ ہو تب

بھی اس سے مطالبہ نہیں کرتے یہ تو مالی مطالبہ کی کیفیت ہے اب جانی مطالبہ کو لیجئے اس میں بھی کوئی کام ایسا سر نہیں ڈالتے جس میں ناقابل تحمل مشقت ہو مثلاً پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے اس کے بھی قواعد اور شرائط ایسے نرم ہیں جس کی نظیر ادنیٰ سے ادنیٰ حاکم کے یہاں بھی نہیں پائی جاتی اور محبوبوں کا برتاؤ تو الگ رہا۔ مثلاً نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کا حکم ہے اگر نہ ہو سکے بیٹھ کر پڑھ لو اگر بیٹھ کر بھی نہ ہو سکے لیٹ کر پڑھ لو وضو نہ ہو سکے تو ایک بہت آسان بدل اس کا تیمم مقرر کر دیا ہے۔ سفر میں دو ہی رکعت پڑھ لو غرض تمام جانی اعمال کو اور مالی اعمال کو ان اعمال سے موازنہ کر کے دیکھو جن کا مطالبہ محبوبان دنیا کرتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ حق تعالیٰ کے مطالبات عشر عشیر بھی نہیں حالانکہ اگر اس کے برعکس ہوتا یعنی حق تعالیٰ کے مطالبات عشاق سے بہ نسبت مطالبات محبوبان دنیا کے دس حصے اور دس حصے بھی زیادہ ہوتے تو حق تھا لیکن یہ رحمت اور رافت ہی تو ہے کہ اپنے بندوں کو دق کرنا نہیں چاہتے بلکہ برائے نام حیلہ رکھ کر کچھ دینا اور کرم کرنا چاہتے ہیں مگر ہم کو بھی تو کچھ انصاف کرنا چاہیے اس کی قدر ہم کو یہ کرنا چاہیے تھی کہ دل و جان سے فدا ہو جاتے اور اس سے زیادہ کر کے دکھاتے جو محبوبان دنیا کے ساتھ کرتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود

گوی گشتن بہر او اولیٰ بود

عشاق نے کیسی کیسی مشقتیں اٹھائی ہیں مجنوں کا قصہ سنا ہو گا کہ ایک دفعہ لیلیٰ کے گھر کی طرف چلے اونٹنی پر سوار ہوئے اونٹنی کے بچہ بھی تھا وہ اونٹنی چلتی اور بار بار پیچھے کو دیکھتی اور ذرا باگ سست دیکھتی تو پیچھے کو لوٹ پڑتی جب مجنوں کو کچھ افاقہ ہوتا تو پھر آگے کو چلاتا مگر اس طرح چلنے سے راستہ کچھ بھی قطع نہ ہوا آخر سمجھا کہ بچہ کی محبت اس کو روک رہی ہے تو کہتا ہے۔

هوى ناقتى خلفى و قدامى الهوى

فانى واياها لمختلفان

یعنی میری اونٹنی کا محبوب پیچھے ہے اور میرا محبوب آگے ہے میں آگے جانا چاہتا ہوں اور وہ پیچھے جانا چاہتی ہے میری اور اس کے ارادہ میں ضدین کا تقابل ہے یہ ساتھ نبھ نہیں سکتا لہذا چھوڑ دو اسے۔ اب چھوڑنے کی ترکیب یہ بھی تھی کہ اونٹنی کو

ٹھا کر اتر کر اس کو چھوڑ کر پیادہ چل دیتا مگر عشق میں اتنا صبر کہاں بس فوراً دھڑام سے اوپر سے گر پڑا (عاشق کو فرصت مصالح کے سوچنے کی کہاں ہوتی ہے) تمام بدن چھت گیا اور خونا خون ہو گیا سر پھوٹ گیا ہاتھ پیر زخمی ہو گئے۔ اب اٹھ نہیں سکتا جس غرض کے لئے کودا تھا کہ لیلیٰ کی طرف جلدی سے چل دے وہ بھی حاصل نہ ہوئی تو پڑے پڑے، کہتا ہے کہ پیروں سے نہیں چل سکتا تو لڑھک کر تو چل سکتا ہوں بس لڑھکنا شروع کیا اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود
گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

یہ مشقتیں اور محنتیں اٹھائی ہیں عشاق نے جب یہاں کا ایک معشوق بلا محنت نہیں ملتا تو اللہ کیسے مل جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل نہ کرو محض یہ خیال دل میں جما کر فرصت سے بیٹھ رہو کہ ہم کو اللہ سے محبت ہے بس کمال بھی ہو گیا اور وصال بھی ہو گیا اور سبھی کچھ ہو گیا۔ حضرت بڑی مشقتیں بڑی محنتیں اٹھانی چاہئیں۔ ایک عاشق کہتا ہے۔

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اور بے عمل تو کیا ہوتا عاشق تو عمل کر کے بھی چین نہیں پاتا اس کو تو ہر وقت یہ خیال رہتا ہے کہ خدا جانے یہ عمل میرا محبوب کی نظر میں آیا یا نہیں اس کو تو اس بیم ورجا میں ہر وقت موت اور زندگی کا مزا آتا ہے۔

کشتگاں خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

ہر وقت مرنا ہے اور ہر وقت جینا ہے۔ فارغ کسی وقت نہیں بیٹھ سکتا اس کا تو یہ شغل رہتا ہے۔

اندریں رہ میتراش ومیخراش تادم آخر دمے فارغ مباش
تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

محبت میں چین کہاں

بھلا محبت اور چین استغفراللہ وظیفے گھونٹ کر عاشق کیا چین پاتا جان و مال

کھپا کر بھی اس کو چین نہیں آتا اس کے وظیفے تو یہ ہیں۔

افروختن و سوختن و جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

عاشق یہ وظیفے گھوٹتا ہے اور ایسے گھوٹتا ہے کہ دوسرا کوئی گھوٹ ہی نہیں سکتا ساری دنیا اس میں اسی کی شاگرد ہے جو کوئی بھی ان اشغال میں دم بھرتا ہے تو اسی کی نقل کرتا ہے ان محنتوں سے آدمی محب کہا جا سکتا ہے۔ کہ بلا عمل صرف خیال باندھ لینے سے اسی کو فرمایا ہے بما کانوا یعملون اب اس غلطی کا پورا دفعیہ ہو گیا کہ بدحواسی میں آکر محبت کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں اور عمل کی ضرورت کا انکار یا عمل کے اہتمام میں تساہل کرتے ہیں صاف فرما دیا کہ یہ سب نتائج ہیں عمل کے۔ اب میں ختم کرتا ہوں اور خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ اس روز اسلام کامل کی فضیلت بیان ہوئی تھی آج اسلام کامل کے ثمرات کا بیان ہوا اسلام کامل کی حقیقت کو بھی اس وقت مختصراً اعادہ کئے دیتا ہوں تاکہ اس کے حاصل کرنے میں سہولت ہو اور اس پر یہ ثمرات مرتب ہوں جو آج بیان ہوئے اسلام کامل کا خلاصہ انقیاد ہے یعنی سپرد کر دینا اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے تکوینی احکام اور حوادث میں بھی اور تشریعی احکام اور اعمال میں بھی اور سپرد کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ ان سب باتوں میں یہ پیش نظر رکھے کہ کوئی بات حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مجھ سے نہ ہونے پائے تکوینی احکام میں تو اس طرح کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے اس کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور ہر حال میں راضی رہے اور حق تعالیٰ کو راضی رکھے کہ نہ خوشی میں کوئی کام حق تعالیٰ کے خلاف کرے نہ رنج میں بس اپنے آپ کو بندہ سمجھے جس طرف کو وہ چلائیں اس طرف کو چلے۔ حق تعالیٰ کو اپنی جان میں مال میں ہر قسم کے تصرفات کا مختار سمجھے۔ اور تشریعی احکام میں اس طرح کہ شریعت کو ہر وقت پیش نظر رکھے ہوائے نفسانی اور اغراض کو امام نہ بناوے بلکہ شریعت کو امام بناوے خواہ وہ حکم اپنی طبیعت کے موافق ہو یا مخالف کسی قسم کی تاویل و تحریف و قطع برید نہ کرے جس طرف شریعت چلاوے اس طرف چلے۔ اور دین کے تمام اجزا کو کامل کرے صرف نماز پڑھ لینے سے اور روزہ رکھنے سے دین کا کمال نہیں ہوتا دین کے اجزاء پانچ ہیں عقائد عبادات معاملات معاشرات اخلاق ان سب کی تکمیل کر لینے سے کہا جائے گا کہ

اسلام کامل ہو اور ان سب کی تکمیل کے لئے کچھ محنت بھی اٹھائے نرے وعظ سننے اور ثمرات کی تمنا کرنے سے کچھ نہیں ہوتا- ایک شاعر کہتا ہے۔

عرفی اگر بگریہ میسر شدے وصال　　صد سال میتواں بتمنا گریستن

اگر آدمی کھانا نہ پکائے فقط کھانوں کا تصور دل میں کرتا رہے اور مزے لیتا رہے تو اس سے پیٹ نہیں بھر سکتا۔

اجزائے دین کا طریق تکمیل

نیز ان اجزاء کی تکمیل کے لئے ضرورت ہوگی علم کی اس کو بھی حاصل کیجئے اور اس کے یہ معنی نہیں کہ سب باقاعدہ مولوی بن جائیں بلکہ علم کے معنی ہیں جاننا- اجزاء دین کو معلوم کر لیجئے جس سے جس طرح ہو سکے جس کو فرصت ہو باقاعدہ مولوی بنے اور جو باقاعدہ مولوی نہ بن سکے تو اردو فارسی کی کتابوں ہی سے دین کی واقفیت پیدا کرے- اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو مولویوں کے پاس نشست برخاست رکھے جو کام کرے ان سے پوچھ کر کرے اگر کوئی مولوی بھی اس طرح کا قریب میں نہ ہو تو آج کل تو ڈاک کا راستہ کھلا ہوا ہے دو چار پیسے میں جو چاہو معلوم کر لو یہ بھی ایک طریقہ ہے علم حاصل کرنے کا- غرض غافل نہ رہو ہر وقت خیال رکھو کہ کوئی بات حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور مسئلے مسائل کا بھی مشغلہ رکھو جہاں اور بہت سے کام ہیں ایک یہ کام بھی اپنے ذمہ سمجھو اور اسکے واسطے کچھ اپنا حرج اور مشقت بھی گوارا کرو نری تمناؤں پر اکتفا نہ کرو حضرت علی فرماتے ہیں۔

لوکان هذا العلم يدرك بلمنى　　ماكان يبقى فى البرية جاهل

فاجهد ولا تكسل ولاتك غافلا　　فندامة العقبى لمن يتكاسد

یعنی اگر یہ علم نری تمناؤں سے حاصل ہو جایا کرتا تو دنیا میں کوئی بھی جاہل نہ رہتا کوشش کرو اور سستی مت کرو اور غافل مت رہو کیونکہ آخرت کی ندامت اسی شخص کو ہوگی جو سستی کرے گا۔

بیداری اور ہمت کی ضرورت

اگر محض تمنا سے کچھ ہو جایا کرتا تو ساری دنیا کامل ہو جاتی ہے اس کے ساتھ دو چیزونکی ضرورت ہے بیداری اور ہمت یعنی ہر وقت ہوشیار بھی رہو کہ تمہارے

پیچھے نفس و شیطان بڑے دشمن لگے ہوئے ہیں ان سے دھوکا مت کھانا جو کام کروان کے کہنے کے موافق مت کرنا حق تعالیٰ کے کہنے کے موافق کرنا یہ تو بیداری ہے اور احکام الٰہی کی پابندی میں طبیعت سستی کرے تو بتکلف کام لو یہ ہمت ہے ہر وقت اسی میں رہو تب بھی محبوب مل جاوے تو غنیمت ہے- اسلام کامل کا تو یہ حاصل ہوا اور ثمرات کا بیان آپ نے آج سن ہی لیا پس اسلام کامل حاصل کیجئے حق تعالیٰ اس پر ثمرات ضرور مترتب فرماویں گے اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ فہم اور ہمت عطا فرماویں-

دعاتم بحمدالله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات وصلی الله تعالی علی سید الکائنات صلوۃ تسبق الغایات

التماس کاتب

احقر نے بمعاونت اپنے ایک مخلص دوست منشی ولی محمد صاحب پنجابی حال مقیم میرٹھ کے یہ وعظ از جانب اپنے والد ماجد مرحوم کے لکھا ہے ناظرین ان کے واسطے دعا فرماویں اور جب وعظ ہذا کا مطالعہ ختم کریں یہ دعا پڑھیں ربنا اغفرلی ولوالدّی وللمومنین یوم یقوم الحساب رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً رب اغفرلی ولوالدّی ولمن دخل بیتی مؤمنا وللمومنین یوم یقوم الحساب ربنا اغفرلنا ولا خواننا الذین سبقونا بالا یمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انك رؤف رحیم اور ناظرین حضرت مولانا کے واسطے بھی دعا کریں کہ یہ جو کچھ ہے سب حضرت ہی کی برکت ہے- اور اخیر میں احقر اور منشی ولی محمد صاحب کے لئے بھی دعا کریں- والسلام

فضائل العلم والخشیة

علم کی فضیلت اور خشیت الٰہی

یہ وعظ مدرسہ اشاعت العلوم میں ۲۶ شوال ۱۳۴۹ ہجری کو [illegible] کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ موضوع "فضائل علم دین و خشیت حق" تھا۔ تقریباً [illegible] سامعین تھے۔ مولوی سعید احمد صاحب تھانوی نے اسے قلمبند کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله نحمده و نستعينه و نستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهدان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهدان سيدنا مولانا محمد اعبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم-

امابعد- فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم قال الله تعالى انما يخشى الله من عباده العلمؤا ان الله عزيز غفور

(خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں واقعی اللہ زبردست بڑا بخشنے والا ہے)

غایت شفقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے جس مضمون کو اس وقت بیان کرنا مقصود ہے اس کے لئے چونکہ یہ ٹکڑا کافی تھا اس لئے اس پر اکتفا کیا گیا مضمون کی تعین آیت کے ترجمے سے معلوم ہو جائے گی اور اس کا ضروری ہونا بھی اجمالاً ساتھ کے ساتھ ہی معلوم ہو جائے گا اس جملہ کے قبل آیت میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے مضامین ہیں اس جملے سے بھی ان ہی مضامین کی تقویت مقصود ہے بوجہ اس کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کی مخالفت سے حزن و غم غالب رہتا تھا اور اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غایت شفقت وصفت تراحم کی ثامت ہوتی ہے یعنی آپ ان لوگوں کے راہ راست پر نہ آنے سے بہت ہی بے چین ہوتے تھے اور سوچا کرتے تھے کہ کون سی تدابیر ایسی ہوں کہ یہ لوگ اس کفر و ضلالت سے باز آکر سیدھے راستہ پر آجائیں اور عذاب دائمی سے نجات پائیں آپ کی وہ حالت تھی جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنے نافرمان بیٹے کی حرکات پر کڑتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی تدبیر میں لگا رہتا ہے کبھی مصلحین سے مشورہ کرتا ہے

کبھی کسی سے دعا کراتا ہے کبھی تعویذ لکھواتا ہے کہ کسی طرح یہ ٹھیک رستہ پر آجائے غرض اس کو بیٹے کی نافرمانیوں پر اس سے عداوت نہیں ہوتی بلکہ اس پر رحم آتا ہے اور کڑھتا ہے اگر کبھی اس کو اپنے گھر سے نکالنے کا قصد بھی کرتا ہے تو یہ نیت اوخال کے کرتا ہے۔ اس کو چھوڑ دینے یا اس سے قطع تعلق کر لینے کی نیت کبھی نہیں ہوتی اسی طرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفار سے یہ حالت تھی کہ تمام عمر آپ کو یہی غم لگا رہا۔

آیات تسلی

حتی کہ آپ کے غلبہ غم کی وجہ سے آپ کو تسلی دینے کے لئے خاص اس مضمون کی بار بار آیتیں نازل فرمائیں چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے لعلك باخع نفسك ان لا يكونوا مؤمنين جس کا حاصل یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی حالت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کے غم میں اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے لا تسئل عن اصحاب الجحيم کہ آپ سے ان لوگوں کی حالت کا سوال نہ کیا جائے گا یعنی پھر آپ کیوں غم کرتے ہیں اگر یہ ایمان نہیں لاتے نہ لائیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے لست عليهم بمصيطر کہ آپ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ آپ ضرور ہی ان سے تعمیل کرالیں آپ کا کام صرف تبلیغ ہے کیونکہ آپ مبلغ ہیں رہا عمل کرانا یہ کام مصیطر کا ہے اور آپ مصیطر مقرر نہیں ہوئے۔ پھر اگر یہ لوگ عمل نہیں کرتے اور تبلیغ کو نہیں مانتے تو آپ کو کیا غم ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں وان كان كبر عليك اعراضهم فان استطعت ان تبتغي نفقاً في الارض اوسلما في السماء فتاتيهم باية (اور اگر آپ کو ان کا اعراض گراں گزرتا ہے تو اگر آپ کو یہ قدرت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ لو۔ پھر کوئی معجزہ لے آؤ) ایک جگہ فرماتے ہیں ولو شاء ربك لامن من في الارض كلهم جميعاً افانت تكره الناس حتى يكونوا مؤمنين کہ آپ زبردستی تو ان کو ایمان دار نہیں بنا سکتے گو ان کی قسمت میں دولت ایمان نہ ہو ایک اور جگہ ارشاد ہے ولا تحزن عليهم ولا تك في ضيق مما يمكرون کہ آپ ان کی حالت پر غم نہ کیجئے اور ان کے مکروں سے تنگدل نہ ہو جئے۔ ایک جگہ ارشاد ہے ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون فسبح بحمد ربك وكن من السـ[illegible]ين کہ ہم جانتے ہیں ان لوگوں کے اقوال سے جو تنگدلی آپ کو ہوتی ہے

سو آپ تسبیح و تحمید میں لگئے اور عبادت کو اپنا مشغلہ بنا لیجئے۔ کہ اس سے یہ تنگدلی دفع ہو جائے گی اور یہ غم ہلکا ہو جائے گا۔

رسول اکرمؐ کے غم و حزن کا منشاء

غرض بہت سی آیتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کفار کی حالت پر بہت ہی حزن و غم تھا نیز ان آیات سے اس کے مبنیٰ کا بھی پتہ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ ایمان لے آئیں اور اپنے کفر و ضلالت سے باز آجائیں تو معلوم ہوا کہ آپ کو ان لوگوں سے نفسانی عداوت اور بغض نہ تھا بلکہ ان کی اس ردی حالت پر رحم آتا تھا اور دیکھ دیکھ کر کڑھتے تھے کیونکہ اگر آپ کو ان کے ساتھ اس قسم کی عداوت اور بغض ہوتا تو آپ ہرگز ان کے ایمان لانے اور راہ راست پر آجانے کی تمنا نہ کرتے بلکہ یوں چاہتے کہ یہ لوگ ساری عمر اس کفر و گمراہی کے تیرہ و تاریک غار میں پڑے رہیں اور کبھی ان کو اس سے نکلنا نصیب نہ ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ اپنے دشمن کے لئے انسان خیر خواہی نہیں کیا کرتا بلکہ عادۃً اس کی بد خواہی کے درپے ہوتا ہے اور اگر بد خواہی کے درپے بھی نہ ہو تو خیر خواہی کی تو گنجائش نہیں ہوتی اور آپ کی یہ حالت تھی کہ یوں چاہتے تھے گو مجھے تکلیف ہو لیکن ان لوگوں کو تکلیف نہ ہونے پائے حتیٰ کہ جس معجزے کے وہ طالب ہوتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ معجزہ ہو ہی جائے تاکہ اسی کو دیکھ کر یہ لوگ سنبھل جائیں اور اپنی حالت درست کر لیں ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ رؤساء مکہ نے یہ درخواست کی کہ آپ ان غریب لوگوں کو جو کہ آپ کے پاس میں ہمارے آنے کے وقت علیحدہ کر دیا کریں تو ہم ایمان لے آئیں جیسا آج کل کے رؤسا کہ وہ بھی اس قسم کی فرمائش علماء سے کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ اگر ان جلاہے تیلیوں کو مساجد وغیرہ میں آنے سے روک دیا جائے تو ہم مساجد میں آنے لگیں اور جماعت سے نماز پڑھنے لگیں یہ تو ہم سے نہ ہو گا کہ کسی ستے یا جلاہے کے پیچھے مقتدی بن کر کھڑے ہوں حالانکہ ان کو غیرت کرنی چاہئے اس لئے یہ کہنا کہ ہم ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے درحقیقت اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے کہ یہ خود اس قابل نہ ہو سکے کہ امامت کا منصب ان کو عطا ہوتا اور یہ دوسروں کے امام بنتے غریب لوگ تو بیچارے خود ہی دب جاتے ہیں اگر ان میں لیاقت اور قابلیت ہوتی تو یہ نوبت کیوں آتی اگرچہ یہ لوگ سمجھتے نہیں کہ ہم میں لیاقت نہیں ہے کیونکہ آج کل روشن دماغی کے زمانے میں ذرا سا دنیاوی عزو جاہ بھی

لیاقت اور قابلیت سمجھا جاتا ہے۔ دنیادار لوگ کچھ ایسے مغرور و مست ہوتے ہیں کہ گو وضو کے فرائض و سنن سے بھی واقفیت نہ رکھتے ہوں لیکن اپنے کو علوم دین و دنیا دونوں کا محقق سمجھتے ہیں حالانکہ واقفیت یہ ہے کہ۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے   حاصل خواجہ بجز پندار نیست

(بعض عقلمند سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ رتبہ حاصل کر لیا ہے حالانکہ اس نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سوائے تکبر اور بڑائی کے کچھ بھی حاصل نہیں کیا)

کفار روسا کی درخواست

میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک رئیس صاحب کو عید کی امامت کا شوق پیدا ہوا اور وہ امامت کو چلے اس کے قبل کبھی کیوں امامت کی تھی بلکہ شاید نماز کا بھی کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہو اور وہ بھی کسی مجبوری ہی کی وجہ سے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تکبیرات بھول گئے اب کھڑے سوچ رہے ہیں کہ کیا کروں آخر میں نے تکبیرات بتلائیں تو انہوں نے پوری کی جب یہ حالت ہے تو اب بتلایئے اگر یہ امامت نہ کریں تو کون کرے اور وہ بیچارے بھی آگے نہ بڑھیں تو کون بڑھے تو جیسے ان کی حالت ہے اسی طرح اوس زمانہ میں بھی رئیسوں کی یہی حالت تھی اس لئے ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے آنے کے وقت ان لوگوں کو ہٹادیا کیجئے تو ہم آپ کے پاس آیا کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ شفقت کہ شاید اسی سے یہ لوگ کچھ مانوس ہوں اور رفتہ رفتہ راہ راست پر آجائیں ان کی درخواست کو منظور فرمانے سے منع فرمایا اور درخواست کو مسترد کر دیا چنانچہ ارشاد ہے تطرد الذین یدعون ربهم بالغدوة والعشی یریدون وجهه ماعلیك من حسابهم من شیء وما من حسابك علیهم من شیءٍ فتطردهم فتكون من الظلمین کہ آپ بھی ان لوگوں کو نہ ہٹایئے ان کا کچھ لین دین آپ سے نہیں ہے اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ بے موقع کام کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

یہ بات طالب علموں کے یاد رکھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کو جو خدا تعالیٰ نے ظلم فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز ناجائز کیونکہ لفظ ظلم کلی مشکک ہے جس کے افراد مختلف مراتب کے ہیں جیسا کہ امر ممنوع کو ظلم کہا جاتا ہے اسی طرح اس امر جائز حسن کو بھی کہ اس کے مقابلے میں کوئی امر اس سے احسن

ہو ظلم سے تعبیر کر دیا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تجویز فرمائی تھی وہ حسن تھی جیسا ابھی آتا ہے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی تجویز اس سے احسن تھی اس لئے اس کے اعتبار سے اس کو نامناسب کہہ دیا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کا حسن ہونا ظاہر ہے کہ اس تجویز سے یہ نیت تھی کہ کفار ہدایت پا جائیں اور اپنی حالت موجودہ سے نکل جائیں اور ظاہر ہے کہ اہتمام ہدایت حسن ہی ہو گا اس کے حسن ہونے میں شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرات صحابہ کرامؓ کی رسول اکرمؐ سے محبت کا حال

رہا یہ شبہ کہ تجویز اگرچہ کفار کے لئے ہدایت کا سامان تھی لیکن اس سے مسلمانوں کی تو دل شکنی ہوتی تو سمجھ لو کہ صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت تھی اگر آپ ان کی دھجیاں بھی اڑا دیتے تو ان لوگوں کے دل پر ذرا میل نہیں آسکتا تھا وہ بزبان حال یوں کہتے تھے کہ

ہرچہ آں شیریں کند خسرو بود

(جو کچھ وہ شیریں کر دیتا ہے وہی پسندیدہ ہوتا ہے) اور ان کی آپ کے ساتھ یہ حالت تھی۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
جاں شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(اگر تو زندہ کرتا ہے تو یہ تیری عطاء و مہربانی ہے اور تو موت دے تو میں تیرا ہوں میری جان تجھ پر قربان ہے تو جو بھی کچھ کرے تیری رضا پر راضی ہوں) جن کی یہ حالت تھی کہ اگر آپ تھوکتے تو اس کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہرے پر مل لیتے اور اگر ہاتھ میں نہ آتا تو دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ پھیر کر چہرے کو مل لیتے اور بزبان حال یوں کہتے کہ۔

مرا از زلف تو موئے بسند ست ہوس را رہ مدہ بوئے بسند ست

(تیرے بال میری زلفوں کے چند پسندیدہ بال ہیں ہوس کے لئے راستہ مت کھولو کہ بہت ہی پسندیدہ خوشبو ہے)

تو جن عشاق کا یہ مذہب ہو کہ۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(اللہ تعالی دشمنوں کی خواہش پوری نہ کرے کہ تیری تلوار ہی ٹوٹ جائے دوستوں کا سر سلامت رہے اور تو اپنے خنجر کی روانی کی آزمائش کرتا رہے)

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ضیع مبارک کیونکر ناگوار ہو سکتا تھا تو یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلشکنی ہوتی- بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل اپنی ذات میں حسن تھا- مگر احسن کے مقابلہ میں اس کو نامناسب کہہ دینا کچھ مضائقہ نہیں-

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود   لیک بس عالیست پیش خاک تود

(عرش الہی کے مقابلہ آسمان نیچے درجہ میں ہے لیکن تیری زمین کے مقابلہ میں ہزاروں درجہ بلندی پر ہے)

تجویز خداوندی

پس چونکہ خدا تعالی کی تجویز احسن تھی اس لئے اس کے سامنے اس تجویز نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو بے موقع فرمادیا- باقی اس تجویز خداوندی کا احسن ہونا غور کرنے سے معلوم ہو گا کیونکہ یہ بہت زیادہ نظری ہے اس لئے کہ سب سے زیادہ نظری وہ ہے کہ اس کے حل کرنے کے لئے وحی کی ضرورت ہو اور عقول قدسیہ بھی اس تک بلا وحی نہ پہنچ سکیں- مجھے اس موقع پر ایک بڑی بات یاد آئی- ہمارے زمانہ کے عقلاء بڑی غلطی میں ہیں کہ وہ تمام نظریات کو عقل سے دریافت کرنا چاہتے ہیں حالانکہ نظریات کی دو قسم ہیں ایک وہ نظریات کہ محض نظر اور فکر ان کے ادراک کے لئے کافی ہو جائے سماع اور نقل پر موقوف نہ ہو دوسرے وہ نظریات کہ اس میں عقل کے ساتھ نقل کی بھی ضرورت ہو سو ایسی نظریات بغیر انضمام نقل شرعی عقل وفکر سے حل نہیں ہو سکتی اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہمارے بعض دنیاوی معاملات بھی ایسے ہیں کہ ان کی نسبت جب تک کہ خود صاحب واقعہ بیان نہ کرے اس وقت تک دوسرے کو کچھ بھی پتہ نہیں چل سکتا- مثلاً فریمسن زونا کہ اس کے رازوں کو کوئی دریافت نہیں کر سکتا خواہ کتنا ہی علامہ ہو اس لئے کہ وہ راز معقول محض نہیں کہ عقل سے دریافت ہو سکیں بلکہ ان میں نقل کو بھی دخل ہے تو جب تک کہ نقل کی بھی آمیزش نہ

ہو ان کا پتہ نہیں چل سکتا اور نقل مفقود ہے اس لئے کسی کو معلوم نہیں کہ وہاں کیا کیا معاملات ہوتے ہیں اور قبر میں ہونے والے کے ساتھ کیا کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہم ہر چیز کو اپنی عقل نارسا سے دریافت نہیں کر سکتے۔

قوت بصر کا حال

اور اس میں راز یہ ہے کہ ہر قوت کی ایک حد ہوتی ہے کہ وہ قوت اس حد تک کام دیتی ہے اس کے بعد معطل ہو جاتی ہے مثلاً آنکھ کہ اس کا کام دیکھنا ہے مگر وہ ایک خاص حد تک دیکھتی ہے جو لوگ آسمان کے منکر ہیں وہ بھی اس مسئلے کو مانتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ نیلگوں سطح جو جانب فوق میں ہم کو نظر آتی ہے یہ حد بصر ہے یعنی آنکھ کی قوت اس حد تک جا کر ختم ہو جاتی ہے آگے کام نہیں دیتی اس لئے یہ رنگ محسوس ہوتا ہے تو قوت بصر کا محدود ہونا تسلیم کیا۔

انکار سمٰوت محض باطل ہے

اور اس سے یہ بھی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اس حالت میں انکار سمٰوت محض باطل ہے کیونکہ اس حد سے آگے ہونے کا احتمال باقی ہے یا مثلاً آپ کے کان کہ ان میں سننے کی قوت ہے لیکن وہ ایک مقررہ حد تک کی آواز کو سن سکتے ہیں کبھی کسی نے بریلی میں بیٹھ کر کلکتہ کی توپ کی آواز نہ سنی ہوگی حالانکہ یہاں ایک ذریعہ بھی موجود ہے کیونکہ جرم ہوا کہ جس کے ذریعہ سے کان میں آواز پہنچتی ہے یہاں سے وہاں تک متصل واحد ہے کیونکہ خلا منتفی ہے اب خواہ انتفاء امتناع عقلی ہو یا عدم عادی لیکن واقع یوں ہے کہ خلا کا وجود نہیں اور لیجئے آپ کی ناک کہ جس میں قوت شامہ مودع ہے کبھی یہاں بیٹھے ہوئے لکھنو کے عطر خانہ کی خوشبو محسوس نہیں کرتی پس جب تمام قویٰ ایک حد تک کام کر سکتے ہیں۔

عقل کے غیر محدود ہونے کا حال

اور اس سے آگے عاجز ہیں تو عقل کہاں سے غیر محدود ہو گئی کہ اس کی قوت کا سلسلہ غیر متناہی چلا جائے اور کہیں ختم ہی نہ ہو بلکہ جیسے اور قویٰ ایک مقام تک جا کر معطل ہو جاتے ہیں اسی طرح عقل بھی اس حد تک پہنچ کر کہ وہ نقل ہے عاجز ہو گی خواہ نقل خدا کی ہو یا انسان کی۔ صاحبو! اگر عقل سے ہر بات دریافت کی جا سکتی ہے تو کیا وجہ کہ جب کوئی دیوانی یا

فوجداری کا مقدمہ پیش آتا ہے اس میں وکلاء سے رائے لیا کرتے ہو کیونکہ اس کے ہر پہلو کو اپنی عقل سے دریافت نہیں کر لیتے اور کیا وجہ کہ عقل سے ایک قانون تجویز کر کے حاکم کے سامنے پیش نہیں کر دیتے کیا وجہ کہ ہائی کورٹ کے نظائر کی تلاش کی جاتی ہے کیا کسی صاحب کے پاس اس کا جواب ہے اور اگر کبھی کسی شخص کی سمجھ میں بھی کوئی بات آجائے تو کیا وہ یہ جرات کر سکتا ہے کہ خود یا بذریعہ وکیل خلاف قانون ہائی کورٹ کے ججوں کے سامنے پیش کر دے ہرگز نہیں کیونکہ جانتا ہے کہ خلاف قانون کوئی بات پیش کرنے سے حاکم کان پکڑ کر اجلاس سے باہر کر دے گا۔

نظری عقل محتاج وحی ہے

افسوس مسلمانو! اگر ایک جج اس بنا پر کہ قانون کے خلاف کو قابل سماعت نہ سمجھے اور قانون کی دلیل پوچھنے کو گستاخی قرار دیکر کان پکڑ کر نکال دے تو اس کو متعصب نہ کہا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں اگر کوئی عالم یہی بات کہے کہ خلاف قانون شرعی قابل سماعت نہیں نہ حکمت پوچھنے کا ہر شخص کو منصب ہے تو اس عالم کو متعصب کہا جائے حیف صد حیف کہ ہائی کورٹ کے جج کی تجاویز میں چون وچرا کی جرات کی جائے۔ غرض جہاں تک عقل نہیں پہنچ سکتی وہ نظر یہ وحی کی محتاج ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر وہاں تک نہ پہنچ سکی اب میں یہ بتلاتا ہوں کہ وہ کونسا جز تھا جس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی تھی وہ جز یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان لے آنے کا احتمال تھا خدا تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے بتلا دیا کہ یہ ایمان تو لائیں گے نہیں پھر ان کے لئے کسی اہتمام کی کیا ضرورت ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے لئے صرف تبلیغ واجب ہے مگر اہتمام فضول ہے اسی کو فرمایا ہے انا اعتدنا للظالمین نارا (ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔)

غرض آپ کی اس تجویز کی وجہ یہ تھی اور اگر آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تو کبھی آپ مسلمانوں کو علیحدہ کرنا گوارا نہ فرماتے۔ اب جبکہ معلوم ہو گیا تو یہی تجویز احسن تھی کہ خواہ آئیں یا نہ آئیں ان کو علیحدہ نہ کیا جائے گا۔ یہ شرح اس آیت کی کہ میرا مقصود اس آیت کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کی

یہ حالت تھی کہ جو لوگ کبھی آپ کی جدائی گوارا نہ کرتے تھے کفار کے ایمان لے آنے کی امید پر ان کی جدائی کو بھی گوارا فرمالیا۔

ایک صحابیؓ کی محبت نبویؐ کا عجیب عالم

اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ حالت تھی کہ ایک صحابی نے ایک مرتبہ آکر عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ یہ تو امید ہے کہ ہم جنت میں جائیں گے لیکن یہ بھی یقینی ہے کہ آپ کا درجہ جنت میں ہم سے بہت اعلیٰ ہو گا تو جب ہم کو آپ کا دیدار نصیب نہ ہو سکے گا تو ہم جنت کو لے کر کیا کریں گے خوب کہا ہے ؎

باتو دوزخ جنت ست اے جانفزا

بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(اے محبوب دوزخ بھی تیرے ساتھ رہ کر تو گویا جنت ہے اور اے میرے دل کے لینے والے تیرے بغیر تو جنت ہی گویا دوزخ ہی ہے)

اس پر یہ آیت نازل ہوئی من يطع الله والرسول فاولٰئك مع الذين انعم الله عليهم من النبيين والصديقين واشهدآء الآیته (جس کسی نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی وہ ان لوگوں کے ساتھ رہے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء) کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اعلیٰ ہو گا لیکن تم لوگ دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم نہ رہو گے بلکہ تم لوگ بھی اس مقام تک پہنچ جایا کرو گے جیسے دنیا میں گو مکان الگ الگ ہوتا ہے لیکن ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے اس کے گھر چلے جاتے ہو تو اسی طرح وہاں بھی گو مکان الگ الگ ہوں گے مگر ملاقات ہو سکے گی ارشاد ہے ولكم فيهاما تشتهي انفسكم کہ جو تمہارا جی چاہے گا وہاں تم کو ملے گا تو اگر کسی کا یہ جی چاہے کہ میں ہر وقت زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف رہوں تو ضرور اس کو زیارت ہو سکے گی۔ رہی یہ بات کہ ایسی خواہش کسی کو پیدا ہو گی یا نہیں یہ ہم کو معلوم نہیں ہے یہ وحی کے متعلق ہے ممکن ہے کہ بعض کو یہ دولت نصیب ہو بعض کو نہ ہو رہی یہ بات کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو گی کیا وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے گھر پر پڑا رہے گا سو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اپنے گھر ہی بیٹھے بیٹھے ہر وقت زیارت سے مشرف ہوتا رہے جس کی صورت یہ ہو کہ خدا تعالیٰ

نظروں میں ایسی قوت پیدا کر دیں کہ وہ درمیان کی حائل چیزوں کو پار کر کے وہاں تک پہنچ جائیں اس زمانے میں بھی ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ ان کے ذریعے سے بہت دور دور کی چیزیں دکھلا دیتے ہیں اور درمیان کے پردے سب دور ہو جاتے ہیں تو خدا تعالیٰ اگر نظروں میں ایسی قوت پیدا کر دے تو کیا بعید ہے اور نظیر اس لئے بیان کی گئی کہ آج کل کے روشن دماغ لوگ جب تک کہ ولایت کی کوئی نظیر نہ ہو اس وقت تک منصوصات کو نہیں مانتے ورنہ ہم کو تو شرم آتی ہے کہ خدائی خبریں منوانے کے لئے یورپ کے صنائع پیش کریں غرض صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ جنت میں جانا بھی اس وقت تک ان کو پسند نہ تھا جب تک کہ دیدار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہ ہو۔

دیدہ از دیدنش نہ گشتے سیر   ہمچناں کز فرات مستسقی

(اس کے دیکھنے سے آنکھ کا جی نہیں بھرتا ایسے ہی جیسے دریائے فرات پر بھی پیاس کی بیماری والے کی پیاس نہیں بجھتی)

حضرات صحابہؓ کا معنوی حضور

توباوجود اس کے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گوارا کر لیا کہ تھوڑی مدت کے لئے یہ لوگ نظر سے غائب رہیں اور حقیقت میں یہ غیبت ظاہری تھی ورنہ اصل غیبت نہ تھی صحابہؓ کی تو حالت یہ تھی کہ ۔

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار   جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

گو اس حضور اور ظاہری حضور میں فرق بھی ہے اور یہی معنوی حضور ہے کہ جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو سب سے بڑے محب تھے وہ سب سے زیادہ مضبوط اور مستقل رہے یعنی صدیق اکبرؓ ورنہ کیا ممکن ہے کہ ایسے سانحہ عظیم کی حالت میں اتنی محبت مضبوط رہنے دے یہ اسی معائنہ کی بدولت ہے ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہم خود ہی اس سے بے بہرہ ہیں۔ تو صحابہؓ کو گو پوری غیبت نہ ہوتی مگر یہ ظاہری غیبت بھی کب گوارا تھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض ان لوگوں کے ایمان لانے کے احتمال پر اس غیبت کو گوارا فرمالیا۔ یہاں سے بطور تفریع کے کہتا ہوں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شفقت تھی تو ورثۃ الانبیاء کو بلکہ ہر فرد امت کو کیونکہ ہر فرد امت من وجہ وارث ہے کیونکہ منشاء وراثت علم دین ہے کیا کوئی فرد بشر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

دین سے بالکل بے بہرہ ہے ہرگز نہیں خواہ وہ علم لا الہ الا اللہ ہی کا ہو اور جب ہر فرد امت کو یہ علم ہے تو کوئی مسلمان وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے خارج نہیں تو جب آپ وارث ہوئے تو آپ کے ذمہ بھی وہی حق ہوگا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یعنی آپ اپنے مخالفین سے وہی برتاؤ کریں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا یعنی شفقت۔

اھل دل کا ستانا اچھا نہیں

آج کل یہ حالت ہے کہ ذرا سے اختلاف میں عداوت اور تنفر ہو جاتا ہے بلکہ بعض لوگ تو اپنے مخالف کے اس قدر در پے ہوتے ہیں کہ اس کو دنیاوی نقصان بھی پہنچانے کے در پے ہو جاتے ہیں اور اگر اتفاق سے اس کو کوئی دنیاوی نقصان پہنچ جائے تو اس کو اپنی کرامت اور اپنی بد دعا کا نتیجہ سمجھتے ہیں یہ سچ ہے کہ اہل دل کا ستانا اچھا نہیں اس سے طرح طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

جب تک کسی صاحب دل کے دل کو درد نہیں پہنچتا رسوائی نہیں ہوتی۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دردکشاں ہر کہ در آویخت بر آویخت

(یہ دنیا ادلے بدلے کی ہے ہم نے اس دنیا میں بہت تجربہ کیا ہے کہ جو شرابیوں کے ساتھ لپٹ گیا وہ لپٹ ہی گیا۔)

مصیبت زدوں کے لئے دعا کرنا چاہیے

تو یہ بات بالکل سچ ہے مگر یہ کسی کو کب جائز ہے کہ وہ اپنے کو ایسا سمجھے ہاں البتہ اگر کوئی دوسروں کی نسبت یہ گمان کرے تو بجا نہیں اور اس وقت بھی بجا نہ ہونے کے یہ معنے نہیں کہ مصیبت زدوں کی مصیبت کو دیکھ کر خوش ہو بلکہ غمگین ہونا چاہیے اور ان کے لئے دعا کرنا چاہیے اور یہ حالت ہونی چاہیے کہ جیسے کسی کا لڑکا کہ وہ جوا کھیلتا تھا اور اس میں پکڑا گیا تو دیکھئے کہ اس کے باپ کی کیا حالت ہوگی اگرچہ اس خبر کو سنکر زبان سے یہ کہہ دے گا کہ اچھا ہوا پکڑا گیا لیکن دل کی یہ حالت ہوگی کہ بیقرار ہو جائے گا تدبیریں کرے گا دعائیں کرائے گا اور جگہ جگہ کہتا پھرے گا بلکہ اگر کوئی اس کے سامنے یہ تذکرہ کرے گا تو اس کو ناگوار ہوگا لوگ اگر

عیادت کو آئیں گے تو ان کی عیادت لے گا تو صاحبو کیا وجہ ہے کہ اگر اپنے بیٹے پر کوئی مصیبت آجائے تو قلب کی یہ حالت ہو جائے اور کسی دوسرے مسلمان پر کوئی مصیبت آئے تو دل کو اثر بھی نہ ہو میں اس کی شکایت کرتا ہوں ہاں اگر شفقت کی وجہ سے غصہ ہو تو وہ برا نہیں معلوم ہوتا۔ حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی کے غصے کا یہ عالم تھا کہ شاید ہی کوئی شخص ان کے غصے سے بچتا ہو لیکن باوجود اس کے کبھی کسی کو ناگوار نہ ہوتا تھا اس لئے کہ وہ خلوص سے ہوتا تھا خوب کہا ہے ؂

محبت ہو کسی سے یا عداوت مزا دیجائے گی جو دل سے ہوگی

صاحبو! تمہارے پاس دل نہیں تمہاری ہمدردی محض لفاظی ہے اور کچھ بھی نہیں

لفظی ہمدردی

میں آج کل کے مدعیان ہمدردی کے لئے ایک مثال پیش کیا کرتا ہوں کہ اگر ایک ایسے شخص نے ڈپٹی کلکٹری کی درخواست دی جو کہ اپنے گھر سے خوشحال ہے ایسا کہ اگر نوکری نہ بھی کرے تو اس کے ضروریات پوری طور سے چل سکتے ہیں اور اسی کے ساتھ ایک دوسرا ایسا شخص درخواست دے کہ وہ بالکل مفلوک الحال ہے ایسا کہ اگر اس کو یہ ملازمت نہ ملے تو کھانے پینے کی ضروریات بھی اس کی مشکل سے پوری ہوں اور یہ خوش حال صاحب درخواست دینے میں مقدم ہو گئے اور وہ غریب دوسرے نمبر پر ہو گیا تو ہم نے آج تک کسی مدعی ہمدردی کو نہیں سنا کہ اس نے اس غریب آدمی کی غربت پر خیال کر کے اپنی درخواست کو واپس لے لیا ہو اور میں اہل اللہ میں ہزاروں نظیریں اس سے زیادہ دکھلا دوں جو کہ دنیا داروں میں کبھی نہیں ہو سکتی ہاں دنیاداروں میں ایک وضعداری ہے کہ دنیا کی لاج کے مارے اس کو نباہتے ہیں۔ ان لوگوں میں ایک تو ہمدردی نہیں ہوتی اور دوسرا فرق ان میں اور اہل اللہ میں یہ ہے کہ اللہ والے کریں گے بہت کچھ اور کہیں گے کچھ نہیں اور یہ لوگ کریں گے خاک نہیں اور دنیا بھر میں غل مچاتے پھریں گے وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ جو کچھ بھی کرتے ہیں خدا کے خوش کرنے کے لئے کرتے ہیں دنیاوی غرض ان کی نہیں ہوتی اور یہ جو کچھ کم و پیش کرتے بھی ہیں تو محض دنیاوی اغراض کے لئے اور اسی سے یہ بھی سمجھ لو کہ ان دنیاداروں کی ہمدردی کو بقاء و دوام نہیں ہوتا کیونکہ دنیا جس کے لئے یہ ہمدردی کرتے ہیں خود فانی اور متغیر ہے اس کے حالات اغراض و مصالح بھی بدلتے رہتے ہیں صبح کچھ ہے تو شام کچھ ہے تو

جب مصالح دنیا متغیر ہیں تو ان کی ہمدردی باقی کیونکر ہو سکتی ہے ضروری ہے کہ اس میں بھی تغیر پیش آئے ممکن ہے کہ کل سچ بولنے میں دنیوی مصلحت تھی اور آج جھوٹ بولنے میں دنیوی مصلحت ہے۔

اہل اللہ کی ہمدردی

اور اہل اللہ کی ہمدردی قائم ودائم ہے کیونکہ جس ذات کے خوش کرنے کے لئے وہ ہمدردی کرتے ہیں وہ خود غیر فانی ہے پھر غرض ان کی ایک متعین ہے خدا تعالیٰ کو خوش کرنا اور وہ جس امر سے آج خوش ہیں قیامت تک اسی سے خوش ہیں نیز دنیاداروں کی ہمدردی تو محض قومی ہمدردی ہے یعنی وہ جو کچھ کم زیادہ ہمدردی کرتے ہیں اپنی قوم سے من حیث القوم کرتے ہیں اور اہل اللہ کی ہمدردی عام ہمدردی ہے کہ وہ ہر شخص سے وہی برتاؤ شفقت کا کرتے ہیں جو اپنوں سے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جانوروں تک سے ہمدردی ہوتی ہے ان کی وہ شان ہوتی ہے جس کو فرمایا ہے وما ارسلنٰک الا رحمتہ للعالمین کہ تمام جہان کے لئے ان کی ذات بابرکات رحمت خداوندی ہوتی ہے چنانچہ ملا دو پیازہ نے اپنے آل نامہ میں لکھا ہے الرسول خیر خواہ دشمناں۔

حکایت حضرت جنیدؒ و حضرت شبلیؒ

حضرت جنیدؒ کو ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے کسی بات پر برہم ہو کر بلا بھیجا حضرت شبلی بھی ساتھ تھے جب روبرو ہوئے تو خلیفہ نے برا بھلا کہنا شروع کیا۔ حضرت شبلیؒ چونکہ نوجوان تھے نیز ان کے پیر کو برا بھلا کہا جا رہا تھا آپ کو جوش آیا قالین پر ایک شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی آپ نے اس پر نظر ڈالی تو وہ شیر مجسم ہو کر خلیفہ کی طرف مجسم آنکھیں نظر سے دیکھنے لگا حضرت جنیدؒ کی جو اس پر نظر پڑی تو آپ نے حضرت شبلیؒ کو گھور کر دیکھا اور اس شیر کو تھپک دیا وہ مثل سابق شیر قالیں ہو گیا تھوڑی دیر میں حضرت شبلیؒ نے پھر اسے اشارہ کیا اور وہ پھر مجسم ہو کر سامنے ہوا اس مرتبہ خلیفہ وقت کی نگاہ بھی اس پر پڑی خوف کے مارے تھرا گیا اور دست بستہ اپنی جرات کی معافی چاہی حضرت جنیدؒ نے اس شیر کو تو فوراً مثل سابق کر دیا اور خلیفہ وقت سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کچھ اندیشہ نہ کیجئے آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا آپ خلیفہ وقت ہیں آپ کی اطاعت اور ادب ہم پر واجب ہے یہ لڑکا ہے آداب شاہی سے واقف نہیں ہے آپ کا جو دل چاہے کہیے۔

اہل اللہ کی عجیب شان

صاحبو! آپ نے سنا یہ ہوتی ہے ان حضرات کی شان۔ دنیادار اگر اطاعت کرتے بھی ہیں تو اسی وقت تک اطاعت کرتے ہیں کہ اطاعت میں اپنا فائدہ نظر آتا ہے ورنہ اطاعت اور فرماں برداری سب ختم ہو جاتی ہے ان حضرات کی یہ حالت ہے کہ گو سب کچھ کر سکتے ہوں مگر کچھ نہیں کرتے کیونکہ جانتے ہیں کہ امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اطیعوا اذا امر کم ان حضرات کی جوبات بھی ہوگی پائدار ہوگی اس لئے کہ یہ پورے شفیق اور سچے رفیق ہیں اس سے زیادہ کیا شفقت ہوگی کہ شیر کو مار رہے ہیں اور بادشاہ کو خبر بھی نہیں کرتے اس لئے کہ مقصود اس کے ساتھ ہمدردی کرنے سے خدا کو خوش کرنا ہے۔ حضرت مجدد صاحبؒ کی حکایت لکھی ہے آپ کے زمانہ میں ایک شیخ تھے آپ کو مکشوف ہوا کہ ان کا نام خدا تعالیٰ کے یہاں اشقیا میں لکھا ہوا ہے تو باوجودیکہ ہم عصری میں ایک قسم کی منافست ہوتی ہے لیکن آپ نے ان کو اطلاع کئے بغیر برابر ان کے لئے دعا کی کہ اے خدا ان کا نام اشقیاء سے محو کر کے سعداء کی فہرست میں لکھ دیجئے دیکھئے ان بزرگ کے ساتھ کتنی بڑی ہمدردی کی لیکن ان کو خبر بھی نہیں ہونے دی نہ ہمعصری کی وجہ سے آپ کے قلب میں کسی قسم کی منافست کی شان پیدا ہوئی بعض لوگ شیخ نہیں ہوتے مگر وہ دعویٰ شیخیت کا کرتے ہیں اور ان کو اہل حق سے کشیدگی ہوتی ہے اور ہونا عجب بھی نہیں کیونکہ یہ حضرات خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل باطل کو عداوت ہوتی رہی ان کے ساتھ بھی اہل باطل کو پرخاش ہونی چاہئے محققین نے اس کو علامات کمال میں سے لکھا ہے۔

بزرگی کی علامت

حضرت سلطان جی کے زمانے میں ایک بزرگ تھے ان پر اتفاق سے ایسا افلاس آیا کہ تمام مال و متاع ختم ہو کر صرف ایک لونڈی رہ گئی جب اس لونڈی نے دیکھا کہ اب کچھ نہیں تو ان سے عرض کیا کہ اب مجھے بیچ دیجئے آخر میں کس کام کی ہوں گو یہ ضرور ہے کہ۔

ترا ہندہ چوں من بسیند بسے
مراچوں تو خواجہ نباشد کسے

مگر کسی دیندار کے ہاتھ بیچئے گا آپ نے کہا کہ میں تجھے ایسے شخص کے ہاتھ بیچوں گا کہ اس سے زیادہ اس وقت کوئی دیندار نہیں یعنی حضرت نظام الدین سلطانؒ جی کے ہاتھ اس

نے عرض کیا کہ حضور بے تو گستاخی لیکن ان بزرگ کی بزرگی میں تو مجھے شبہ ہے کیونکہ بزرگی کی علامت سے یہ بات بھی ہے کہ کوئی نہ کوئی تو اس کو برا کہے اور میں دیکھتی ہوں کہ ان کو کوئی بھی برا نہیں کہتا افسوس آج کل یہ علامت بزرگی سے سمجھا جاتا ہے کہ جہاں گئے اس رنگ کے ہو گئے کہ ساری دنیا خوش رہے گنگا پر گئے گنگارام جمنا پر گئے جمنارام - نیز حضرت سلطان جی کے در پر بڑے بڑے اکابر دنیا سلاطین و وزرا تک دست بستہ آتے تھے اس لئے بھی اس کو شبہ ہوا اس موقعہ پر ایک حکایت یاد آگئی کہ ایک مرتبہ آپ کے ہاں ایک وزیر حاضر تھا کھانے کا وقت آیا خادم نے کھانا لانے کی اجازت چاہی وزیر کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ اگر آج مچھلی کے کباب ہوں تو خوب ہو حضرت سلطان جی اس کے خطرے پر مطلع ہو گئے خادم سے فرمایا ذرا ٹھہرو تھوڑی دیر میں اس نے پھر دریافت کیا آپ نے پھر یہی جواب دیا حتی کہ کچھ دیر کے بعد ایک شخص ایک خوان میں مچھلی کے کباب لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ مچھلی کے کباب آپ کے لئے لایا ہوں آپ نے دستر خوان لگانے کا حکم دیا وزیر یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا آپ نے وزیر سے فرمایا لیجئے مچھلی کے کباب حاضر ہیں مگر ذرا وقت کی گنجائش رکھ کر فرمائش کیا کیجئے غرض آپ کے اندر ایک محبوبیت کی شان تھی - ایک حضرت علاء الدینؒ تھے کہ گوُر کھا کر بسر کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ بھی نہ ہوتے تھے اصل یہ ہے کہ ۔

بجوش گل چہ سخن گفتہ کہ خندان است

بہ عندلیب چہ فرمودہ کہ نالان ست

(پھول کے کان میں جو بات تو کہے کہ وہ تیرا ثنا خواں رہے اور عندلیب سے جو کچھ بھی آوے کہتے ہیں وہ شکوہ کرتا ہے)

ہر ایک کا رنگ و بو الگ ہے کوئی کسی شان کا ہے کوئی کسی شان کا ہے تو حضرت سلطان جی کی یہ حالت تھی کہ آپ کے در پر سب سر نیاز خم کرتے تھے اس لئے اس لونڈی کو آپ کی بزرگی میں شبہ ہوا ان بزرگ نے اس سے کہا کہ میں تجھے بیع خیار کے طور پر بیچوں گا دو تین دن کے اندر تو ان کی حالت دیکھ لینا پھر اگر تیری مرضی ہو گی تو رہنا ورنہ میں تجھے واپس لے لوں گا - غرض اپنے حضرت سلطان جی کے ہاتھ اس کو فروخت کر دیا وہ چونکہ آپ کی پورے طور پر معتقد نہ تھی اس فکر میں لگی رہی حضرت سلطان جی کو کشف کے ذریعے سے اس کے وسوسہ پر اطلاع ہو گئی آپ نے اس سے فرمایا جا کر پڑوس سے آگ لے آ وہ پڑوسن کے ہاں گئی اور کہا کہ حضرت جی کے ہاں تھوڑی آگ کی ضرورت ہے پڑوسن نے حضرت کا لفظ

سنکر آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا اور کہا کہ ڈاکو کو حضرت کہتے ہیں لونڈی یہ سنکر بہت خفا ہوئی اور بگڑ کر واپس چلی آئی حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ اب تو معلوم ہو گیا کہ مجھے سب اچھا نہیں سمجھتے دیکھ میری پڑوسن ہی مجھ کو کیسا برا سمجھتی ہے اس نے کہا کہ حضرت یہ میری جہالت تھی واقعی آپ صاحب کمال ہیں۔ پھر مدت خیار گذرنے کے بعد اس کے پہلے مالک آئے اور آکر اس سے پوچھا اس نے عرض کیا کہ حضور واقعی یہ بزرگ ہیں اب آپ کو واپس لینے کی ضرورت نہیں۔

کاملین کی حالت

غرض مقبول عام ہونا کوئی بزرگی کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ عدم کمال کی علامت ہے۔ کاملین کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ان کو اگر سب بھی برا کہیں تب بھی یہ کسی کو کچھ نہ کہیں میں یہ نہیں کہتا کہ ان حضرات کو غصہ نہیں آتا غصہ ضرور آتا ہے مگر وہ غصہ خدا کے لئے ہوتا ہے اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتا اپنے نفس کے لئے ان کی وہی حالت ہوتی ہے جس کو حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں جو کہ دس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کہ ماقال لی قط لما فعلت کہ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام تو نے اس طرح کیوں کر لیا اس طرح کیوں نہیں کیا حتی کہ بوجہ بچپن کے یہ اس قدر بے تکلف تھے کہ ایک مرتبہ آپ نے کسی جگہ ان کو جانے کو فرمایا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں تو نہیں جاتا مگر دل میں یہ تھا کہ ضرور جاؤں گا چنانچہ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار پر خفا نہیں ہوئے اگر کوئی کام ان سے بگڑ جاتا تو آپ فرماتے کہ تقدیر میں یوں ہی تھا مگر ان پر خفا نہ ہوتے تھے۔

معتقد تقدیر کا حال

آج کل کے روشن خیال لوگوں نے مسئلہ تقدیر کو بالکل ہی چھوڑ دیا کہتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر ہی سے مسلمانوں کو تنزل ہو رہا ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ تقدیر ہی کے مسئلے کی بدولت ترقی ہوئی ہے اس سے تنزل ہرگز نہیں ہوا کیونکہ مدار ترقی کا ہمت پر ہے اور ہمت قائل تقدیر کی برابر کسی کو نہیں ہو سکتی منکر تقدیر تو فقدان اسباب کے وقت جی چھوڑ دیتا ہے اور معتقد تقدیر اس وقت بھی خدا تعالی پر نظر کر کے ہمت نہیں ہارتا اس کا مسلک

یہ ہے کہ۔

عقل در اسباب میدارد نظر عشق میگوید مسبب رانگر

(عقل اسباب اور وسائل پر نظر رکھتی ہے مگر عشق و محبت یہ کہتی ہے کہ اسباب کے پیدا کرنے والے کو دیکھ)

اسی طرح اس شخص کو کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ اپنے دل کو یہ سمجھ کر تسلی دے لے گا کہ لن یصیبنا الا ماکتب اللّٰہ لنا (ہم کو ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے کہ جس خدا تعالیٰ نے ہمارے واسطے لکھ دیا ہے) غرض پوری راحت تقدیر ہی کے ماننے سے ہے فرض کیجئے کہ اگر دو شخص ایسے ہوں کہ تمول میں بھی برابر ہوں دنیاوی عیش بھی دونوں کو برابر حاصل ہو عقل اور مزاج اور قوت وغیرہ سب میں یکساں ہوں دونوں کے ایک بیٹا بھی ہو غرض ہر طرح کے سامان دونوں میں برابر ہوں کسی وجہ سے ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ ہو مگر اتنا فرق ہو کہ ایک مسئلہ تقدیر کا قائل اور دوسرا منکر ہو اور اتفاق سے ایک ہی تاریخ میں ان دونوں کی اولاد مر جائے اور فرض کیجئے کہ ان کے مرنے کا ظاہری سبب یہ ہوا ہو کہ دونوں کی بیماری کی تشخیص ہونے میں اور علاج میں غلطی ہو گئی تھی تو اب بتلایئے کہ ان میں سے کس کا صدمہ جلدی ختم ہو گا اور کس کا صدمہ دیرپا ہو گا ظاہر ہے کہ جو تقدیر کا قائل ہے اس کو بہت جلد راحت نصیب ہو جائے گی کیونکہ صدمہ پڑتے ہی اس کو یہ خیال ہو گا کہ ما اصابکم من مصیبۃ فباذن اللّٰہ (جو کچھ بھی پہنچی تم کو مصیبت میں سے بس وہ خدا کی اجازت سے پہنچی ہے) کہ خدا کو یہی منظور تھا نیز اس کو فوراً خیال ہو گا کہ ممکن ہے اس کی موت ہی میں کوئی مصلحت ہو ان خیالات کے آتے ہی اس کا صدمہ ختم ہو جائے گا برخلاف منکرین تقدیر کے کہ اس کو ساری عمر یہ غم لگا رہے گا کبھی سوچے گا کہ افسوس میں نے فلاں تدبیر نہ کی ورنہ ضرور میں کامیاب ہوتا اور لڑکا بچ جاتا کبھی کہے گا کہ فلاں بد پرہیزی نہ کی جاتی تو ہرگز نہ مرتا غرض اسی طرح کے پریشان کن خیالات میں تمام عمر غلطاں وپیچاں رہے گا۔ اب میں پوچھتا ہوں عقلاء زمان بتلایئے کہ اس موقعہ پر پریشانی کا دفعہ کرنا اور راحت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں اگر ضروری ہے تو ذرا مہربانی کر کے بتلا دیجئے کہ سوائے مسئلہ تقدیر کے ماننے کے اور کونسی ایسی صورت ہے کہ اس شخص کی پریشانیاں دور کر دی جائیں اور اسے راحت نصیب ہو جائے افسوس شریعت نے کتنا پاکیزہ مسئلہ ہم کو دیا اور ہم نے اس کی یہ قدر کی ہماری وہ حالت ہے کہ گدھے کو دیا تھا نمک

اس نے کہا میری آنکھیں پھوڑ دیں۔

شدت وحی کا عالم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ برس تک وحی کا بوجھ اٹھا کر اس کی سختیاں برداشت کر کے ہم کو زر و جواہر دیئے اور ہم نے سنگریزوں کی طرح ان کی ناقدری کی وحی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ حضرت زید بن ثابت کی ران پر زانوں رکھے بیٹھے تھے اس وقت وحی نازل ہوئی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کادان ترضی فخذی یعنی کہ مجھ کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری ران پاش پاش ہو جائے گی۔ ایک مرتبہ آپ اونٹنی کے اوپر سوار تھے اسی حالت میں وحی نازل ہوئی اس قدر شدت تھی کہ اونٹنی سہار نہ سکی اور بیٹھ گئی غرض کتنی تکالیف برداشت کر کے عالم غیب سے فیوض لئے اور آپ کو مفت دیئے گویا تخم ریزی کا کھیت کاٹا آٹا بنایا پکایا اور لقمہ تیار کر کے آپ کے منہ میں رکھ دیا مگر آپ ہیں کہ اس کو منہ سے باہر پھینکے دیتے ہیں صاحبو! اگر قیامت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا ہی دریافت فرمالیا کہ میرے احکام کی تم نے کیا قدر کی تو بتلاؤ تم کیا جواب دو گے۔ یہ سب بیچ کے مضامین استطرادی تھے بمناسبت مضمون شفقت کے ان کا ذکر آگیا۔

اصل مقصود

اصل مقصود یہ بیان کرنا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ کفار بہت ستاتے تھے (اور جب آج کل مدعیان موافقت ہی طرح طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو صدمہ دیتے ہیں تو وہ لوگ تو کافر تھے آپ کو مانتے بھی نہ تھے جتنا ستاتے کم تھا) اور آپ غایت شفقت رکھتے تھے تو آپ کو ان کی مخالفتوں سے بہت غم ہوتا تھا اور ان کے مآل کو سوچ کر بہت کڑھتے تھے اور چونکہ واقعات بہت زیادہ تھے جن کی وجہ سے غم بھی بہت زیادہ ہو گیا تھا اس لئے خدا تعالیٰ نے جابجا آپ کی تسلی فرمائی ان میں سے ایک مقام یہ بھی ہے جس کو تلاوت کیا گیا چنانچہ اسی کی تمہید و تائید میں اس آیت سے پہلے فرماتے ہیں انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب واقاموا الصلوۃ (آپ ان لوگوں کو ڈراتے ہیں جو اپنے پروردگار سے غائبانہ طور پر ڈرتے ہیں اور نماز کو پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں) یعنی آپ کے انذار سے منتفع ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ قلب میں خشیت ہو اور خدا کی اطاعت ہو اور یہ اس سے معرا ہیں اور آگے فرماتے ہیں وما یستوی الاعمی والبصیر (اور نہیں

برابر ہو سکتے اندھے اور دیکھنے والے) کہ اندھے اور بینا تاریکی اور نور سایہ اور دھوپ برابر نہیں ہو سکتی تو یہ لوگ تو اندھے ہیں اور ان کے قلب تاریک محض ہیں پھر یہ کیونکر منتفع ہو سکتے پھر آپ ان کے حالات سے غمگین کیوں ہوتے ہیں آگے ارشاد ہے ان اللہ یسمع من یشآء وما انت بمسمع من فی القبور ان انت الا نذیرہ (بیشک خدا تعالیٰ سناتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور نہیں سنا سکتے ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں نہیں آپ مگر ڈرانے والے) کہ خدا جس کو چاہیں سناویں آپ ان لوگوں کو جو کہ بے حسی میں مثل مردوں کے ہیں نہیں سنا سکتے۔ (آپ اس غم میں نہ پڑیں) آپ تو ایک نذیر ہیں آگے فرماتے ہیں الم تر ان اللہ انزل من السمآء مآء فاخرجنابہ ثمرات مختلفا الوانھا ومن الجبال جدد بیض وحمر مختلف الوانھا و غرابیب سود (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پس نکالا ہم نے اس کے ذریعہ سے رنگ برنگ کے پھل اور پہاڑوں سے چکنے سفید اور سرخ پتھر جن کے رنگ ہیں اور انوکھے نایاب سیاہ پتھر) حاصل یہ کہ جس طرح ثمرات مختلف ہوتے ہیں اسی طرح اعیان بھی مختلف ہیں آگے ارشاد ہے ومن الناس والدوآب والانعام مختلف الوانہ کذالک (لوگوں میں سے (انسان) چوپاؤں اور جانوروں میں سے ان کا رنگ بھی اسی طرح مختلف ہوتا ہے) کہ انسانوں میں چوپاؤں میں سب میں مختلف طرح کے ہوتے ہیں پھر اگر یہ لوگ بھی اسی طرح طور کے ہو گئے تو تعجب کیا ہے آگے فرماتے ہیں انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا (بیشک اس کے بندوں میں سب سے زیادہ ڈرنے والے علماء ہیں) یعنی اوپر معلوم ہوا ہے انما تنذر الذین یخشون الخ کہ انذار سے انتفاع موقوف ہے خشیت پر اور یہاں فرماتے ہیں کہ خشیت ان لوگوں میں ہو گی کہ جن لوگوں میں علم ہو کہ

غم کی حد

خلاصہ یہ ہوا آپ کے انذار سے وہ منتفع ہو سکتا ہے جس میں خشیت ہو اور خشیت ان میں ہو گی کہ جن میں علم ہو تو آپ کے انذار سے منتفع ہو سکتا ہے جس میں منتفع وہ لوگ ہوں گے جن میں علم ہو کیسی کامل تسلی فرمائی اور منتہا کیسی اچھی چیز پر رکھا کہ وہ محسوس ہے تاکہ آپ کی پوری پوری تسلی ہو جائے کہ جہاں آپ علم دیکھیں وہاں اہتمام بھی کریں اور جہاں یہ نہ ہو وہاں غم نہ اٹھائیں اور اس آیت سے کئی فائدے معلوم ہوئے ایک تو یہ کہ علماء

کو چاہیئے کہ وہ ایسوں پر بھی شفقت کیا کریں دوسرے یہ کہ غم کی بھی ایک حد ہونا چاہیئے کہ اس حد سے آگے نہ بڑھ جائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو قوی تھے ہم ضعیف ہیں اگر غم کا زیادہ بار ہم پر پڑے گا تو اندیشہ ہے کہ ہم کو مالیخولیا نہ ہو جائے تو ایسے لوگوں کے لئے زیادہ اہتمام کے بھی درپے نہ ہوں۔ یہ شریعت کی خوبی ہے کہ اس نے افعال حسنہ اور اخلاق حسنہ کی بھی حدود مقرر کر دیں کہ ان سے آگے نہ بڑھ جائے میں اس کی کچھ تفصیل کرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اسئلك من خشيتك ماتحول به بيننا وبين معاصيك (میں آپ سے درخواست کرتا ہوں آپ کے ایسے خوف کی جو ہمارے اور آپ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے) اور یہ اس لئے بیان کرتا ہوں کہ آج کل کے عقلاء معلوم کر لیں کہ تعلیم محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر غامض ہے کہ کوئی پہلو اس میں چھوڑا نہیں گیا اگر کوئی صاحب کہیں کہ ہم تو اس کے قائل ہیں اگر منکر ہوتے تو ہمارے سامنے اس کا بیان کرنا ضروری تھا تو میں کہوں گا کہ حضور اگر قائل ہو اور واقعی دل سے یہ کہتے ہو تو پھر احکام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دخل کیوں دیتے ہو اور اگر تم کو کسی حکم کی حکمت نہیں معلوم ہوتی تو اس کو خاموشی کے ساتھ مان کیوں نہیں لیتے آج کل ایسے تو کم ہیں کہ وہ یوں کہہ دیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں مانتے مگر ایک اور غلطی میں مبتلا ہیں کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم پر حکمت ہے اور فلاں حکم میں کوئی حکمت معلوم نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں بلکہ مولویوں کا بنایا ہوا ہے اور یہ مرض اس زمانے میں بھی تھا کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہا کرتے تھے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ آپ کا تراشا ہوا ہے چونکہ یہ تکذیب آیات کی تھی آپ کو اس سے حزن ہوتا تھا۔

سبب محزن سرکار دو عالمؐ

جس پر یہ آیت تسلی کے لئے نازل ہوئی قد نعلم انه ليحزنك الذين يقولون فانهم لايكذبونك ولكن الظالمين بايت الله يجحدون (تحقیق کہ ہم جانتے ہیں کہ بیشک وہ آپ کو رنجیدہ کرے گا وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں پس بیشک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے لیکن بیشک (یہ) ظالم ہیں خدائے تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں) اس کی مشہور تفسیر یہ ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ آپ ان کے اقوال سے مغموم ہوتے ہیں سو آپ کیوں

غم کرتے ہیں یہ لوگ آپ کو تو نہیں جھٹلاتے یہ تو خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں مگر میرے نزدیک اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ ہم کو معلوم ہے کہ آپ کو ان کے اقوال سے رنج ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے کہ آپ اس پر صبر کر لیں بلکہ ظالم خدا کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں جس پر آپ کو صبر ہو ہی نہیں سکتا اور اس کو کوئی تفسیر بالرائے نہ سمجھے کیونکہ تفسیر بالرائے وہ ہے کہ جو قاعدہ شرعیہ و قواعد عربیہ کے خلاف ہو اور یہ تفسیر نہ قواعد عربیہ کے خلاف نہ شرعیہ کے یہ مضمون کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی برائی سننا اتنا ناگوار نہ ہوتا تھا جتنا خدا کی برائی سننا خود حدیث سے ثابت ہے۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذمم رکھا تھا اور یہی نام لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی ناگوار نہیں ہوا بلکہ ایک مرتبہ آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ انظروا کیف صرف اللہ عنی شتم قریش یشتمون مذمما ویلعنون مذمما وانا محمد (دیکھو کس طرح پھیر دیا خدا تعالیٰ نے قریش کی گالیوں کو جو گالیاں دیتے برائی کئے ہوئے کو اور لعنت بھیجتے برائی کئے ہوئے (مذمم) کو حالانکہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں کفار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بجائے محمد (تعریف کئے ہوئے) مذمم (برائی کیے ہوئے) کہا کرتے تھے) اور خدا کو برا کہنے میں کبھی آپ نے اس قسم کی توجیہ نہیں کی بلکہ آپ کو سخت ناگوار گذرتا تھا چاہے جس انداز سے بھی وہ برا کہتے۔

مثال تفسیر بالروائے

تفسیر بالروائے کی مثال میں آپ کو بتلاتا ہوں آج کل کے روشن دماغوں میں سے ایک صاحب نے ربوا کو حلال لکھا اور فرمایا کہ احل اللہ البیع وحرم الربوا (اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا اور سود کو حرام کر دیا ہے) میں یہ لفظ ربوا نہیں بلکہ ربا بضم الراء ہے جس کے معنی ہیں اچکنے کے۔ گویا یہ فارسی کے مصدر ربودن سے ہے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اعراب تو قرآن پر تھے نہیں بعد میں مولویوں نے جو چاہا اعراب لگا دیا۔ غرض قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج اس واسطے ہوا تھا کہ وہ لوگ خدا کو برا بھلا کہتے تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہتے تو آپ کو اس قدر ناگوار نہ ہوتا اسی طرح ہم لوگ بھی خوش ہیں کہ آج کل کے روشن دماغ جو کچھ الزام لگاتے ہیں ہمیں پر لگاتے ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں کہتے مگر ان پر اتنا افسوس

ہے کہ انہوں نے محض اس وجہ سے کہ کسی قول میں ان کو کوئی حکمت معلوم نہیں ہوئی اس قول کو قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا انکار کر دیا میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ صاحبو! کیا تمہاری عقل تمام حکم کو حاوی ہو گئی ہے ہر گز نہیں۔ جب یہ ہے تو بس تمہاری یہ حالت ہونی چاہئے کہ۔

زباں تازہ کردن باقرار تو   نینگیختن علت از کار تو

(زباں تیرے اقرار سے تروتازہ کرنا)

علماء کو وصیت

اور اگر عقل سے کام لو تو صاف طور سے معلوم ہو جائے کہ علماء سے جو یہ پوچھا جاتا ہے کہ فلاں حکم میں کیا حکمت ہے یہ سراسر غلطی ہے اور علماء کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ خواہ مخواہ شفقت کر کے جواب کی مصیبت میں نہ پڑیں اس کو یوں سمجھے کہ اگر کسی جج کے یہاں آپ کا کوئی مقدمہ ہو اور وہ کسی قانون کی رو سے اس مقدمہ کو خارج کر دے تو کیا آپ اس کے بنگلے پر پہنچ کر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ اس قانون کے تقرر میں کیا حکمت ہے اور اگر آپ دریافت کریں تو کیا جج کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کو اس قانون کی حکمت بتلائے اور سمجھادے کہ یہ وجہ ہے اگر کہئے کہ ضروری ہے تو میں آپ کو قوانین کے متعلق چند سوالات دیتا ہوں ذرا مہربانی فرما کر ان کی حکمت جج صاحب سے لکھوا لائیے اور اگر کہئے کہ اس کے ذمہ ضروری نہیں کیونکہ وہ عالم قانون ہے واضع قانون نہیں اور حکمت بتلانا واضع قانون کا منصب ہے تو میں کہتا ہوں کہ علماء بھی تو عالم قانون ہیں واضع قانون نہیں پھر ان سے کیوں قوانین شرعیہ کی حکمتیں دریافت کی جاتی ہیں اور ان کا انکار زبردستی کا جواب کیوں سمجھا جاتا ہے اور اگر ان کا انکار زبردستی کا جواب ہے تو کیا وجہ ہے جج صاحب کا انکار زبردستی کا جواب نہیں سمجھا جاتا ایک جج کے جواب کی وقعت کے برابر علمائے امت کے جوابوں کی قدر نہیں۔

بانی اسلام صرف خدا ہے

اور علماء تو کیا واضع قانون ہوتے خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی واضع و بانی قانون نہیں ہیں صرف عالم و حاکم بالقانون ہیں اور یہیں سے مسلمانوں کی ایک اور غلطی بتلاتا ہوں کہ اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بانی اسلام کے لقب سے ملقب کرتے ہیں حالانکہ یہ سخت غلطی ہے یہ لقب عیسائیوں نے تجویز کیا تھا کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کے احکام کو آپ کا تجویز کردہ کہتے ہیں مگر مسلمانوں نے محض تقلیداً یہ لفظ اختیار کر لیا صاحبو! یاد رکھو بانی اسلام صرف خدا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت ہے کہ ۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　　انچہ استاد ازل گفت بگو میگویم

شان رسول اکرمؐ

مولانا فرماتے ہیں کہ ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(ان کا کہا ہوا خدا کا کہا ہوا ہے اگرچہ عبداللہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے زبان مبارک سے نکلے) تو آپ کا ارشاد خدا کا ارشاد ہے وماینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی (وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے وہ تو وحی من جانب اللہ ہے جو ان کی طرف بھیجی گئی) اور اس سے اجتہاد کی نفی نہیں ہوتی آپ اجتہاد فرماتے تھے مگر وہ بھی جب کہ وحی اس کی تائید کرتی یا وحی اس پر سکوت کرتی حکم میں وحی کے ہو جاتا تھا کہ اس کا منکر بھی ویسا ہی کافر تھا جیسے وحی صریح کا منکر آپ کی شان بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص کے ہاتھ میں بانسلی ہو اور وہ اس کو بجا رہا ہو تو ظاہر میں جو کچھ آواز نکلتی ہے بانسلی سے نکلتی ہے ناواقف یہی سمجھتا ہے کہ یہ بانسلی بول رہی ہے لیکن جو جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ بانسلی کے ایک دوسرا منہ بھی ہے جو بجانے والے کے منہ سے ملا ہے یہ بجانے والے کی آواز ہے جو کہ اس منہ سے ہو کر بانسلی میں آ رہی ہے اور بانسلی سے ظاہر ہو رہی ہے اسی شان کو مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے　　　یک دہاں پنہانست درلبہائے وے

یک دہاں نالاں شدہ سوئے شما　　　ہائے وہوئے در فگندہ درسما

اور لیجئے شجرہ وادی ایمن نے انی انا اللہ کہا تھا لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ آواز شجرہ کی تھی ہرگز نہیں بولنے والا کوئی دوسرا ہی تھا شجرہ محض مظہر تھا تو جب شجرہ سے کلام خداوندی نے ظہور کیا تو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے کلام خداوندی کا ظہور ہو تو کیا تعجب ہے اور جب یہ بات ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بانی اسلام کہاں سے ہوئے مگر ہمارا مذاق کچھ ایسا بگڑا ہے کہ ہم نے اپنے گھر کی سب چیزوں کو چھوڑ دیا ہے اور غیر

قوموں کی ہر چیز کو اختیار کر لیا اگرچہ وہ ہم کو اور ہمارے مذہب کو مضر ہی ہو چنانچہ بانی اسلام کا لقب عیسائیوں نے اپنے انکار کی وجہ سے دیا تو ہم نے بھی اس کو اختیار کر لیا علی ھذا معاشرت، کہ اس کا ہر ہر پہلو ہم نے غیروں سے لے رکھا ہے وہی بات جو کل علماء کہتے تھے اور اس کو خاطر میں نہ لایا جاتا تھا اگر دوسری قومیں کرنے لگیں اس کی ضرورت ان کو بھی محسوس ہونے لگی۔

حضرات علماء کا نان و نفقہ

چنانچہ علماء نے مدت تک نہایت شدومد کے ساتھ کہا کہ علماء کی ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے کہ وہ صرف خدمت دین کا کام کریں دوسرا کوئی کام ان کے سپرد نہ ہو تو علماء پر اعتراض کیا جاتا تھا۔ اور سوال کیا جاتا تھا آخر یہ لوگ کھائیں گے کہاں سے حالانکہ یہ اعتراض واقع میں اپنے اوپر تھا نہ کہ علماء پر۔

حملہ بر خود میکنی اے سادہ مرد ہمچو آں شیرے کہ بر خود حملہ کرد

(اپنے اوپر حملہ کرتا ہے اے بھولے مرد اس شیر کی طرح جو اپنے اوپر حملہ کرتا ہے)

اس کو آپ ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور نکاح کرنے کے بعد بیوی کے پاس جا کر کہنے لگا کہ تم نے نکاح تو کیا لیکن یہ تو بتلاؤ کہ تم کھاؤ گی کہاں سے اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ وہ بیوی اس کو کیا جواب دے گی میاں جب میں تمہارے نکاح میں آگئی تو میری تمام ضروریات کا متکفل خود بخود تمہارے ذمہ ہو گیا اب میں تم سے لیکر کھاؤنگی خلاصہ اس جواب کا یہ ہوا کہ میں چونکہ تمہارے کام میں محبوس ہوں اور محبوس کا نفقہ من له الحبس پر ہوتا ہے اس لئے میرا نفقہ تم پر ہے تو حضرات مدت تک تو مولوی خاموش رہے مگر اب آپ صاف صاف کہلاتے ہیں تو سنئے کہ مولوی آپ کی خدمات میں محبوس ہیں تو بقاعدہ مذکورہ ان کا نفقہ آپ کے ذمہ ہے اور یہ قاعدہ تمدنی بھی ہے شرعی بھی اول شرعی پہلو کو بیان کرتا ہوں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں للفقرآء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربا فی الارض یحسبهم الجاهل اغنیآء من التعفف (اس میں حق ہے ان فقرا کا جو کہ اللہ کے راستے میں کھڑے ہوئے ہیں زمین میں چلنے کی طاقت نہیں رکھتے جاھل ان کو غنی گمان کرتے ہیں ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے) دیکھو! لام للفقرآء میں استحقاق کا ہے یعنی یہ لوگ اس کا استحقاق رکھتے ہیں کہ اگر نہ دو تو نالش کر سکتے

سکتے ہیں گو دنیا میں نالش نہ ہو سکے لیکن خدا تعالیٰ کے ہاں قیامت میں دیکھئے گا کتنی ڈگریاں آپ پر ہوتی ہیں خدا تعالیٰ نے آیت میں ان لوگوں کو بلفظ فقراذ کر فرمایا ہے فقیر آج کل کے عرف میں ایک ذلیل لفظ ہے مگر یہ ذلت اگر ذلت ہے جیسا کہ تمہارے نامعقول عرف نے سمجھ لیا ہے تو صرف انہیں لوگوں کو نہیں ساری دنیا کے لئے فرماتے ہیں یایھا الناس انتم الفقرآء الی اللہ (اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو) تو ہم کو تو فخر ہے کہ ہم خدا کے فقیر ہیں۔

ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم　　　مست آں ساقی وآں پیانہ ایم

(ہم اگر مفلس اور دیوانہ ہیں لیکن پھر اس ساقی اور اس پیانہ میں مست ہیں)

علماء امور دین میں وقف ہیں

غرض جو لوگ دین کے کاموں میں وقف ہیں ان کا حق آپ کے ذمہ ہے اور علامت وقف ہونے کی یہ ہے کہ لایستطیعون ضربا فی الارض یہ وہی بات ہے جس کو آپ بروئے طعن مولویوں سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ اپاہج ہو جاتے ہیں صاحبو! بیشک اپاہج ہیں اور کیوں نہ ہوں جب خدا تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان میں طاقت ہی نہیں کہ دوسرے کام کریں اگر طاقت سے مراد شرعی طاقت ہے کہ ان کو اجازت نہیں کہ یہ دوسرے کام میں لگیں اس مسئلے کو میں ایک مثال دیکر زیادہ واضح کرتا ہوں ہمارے اطراف میں ایک صاحب نے جو کہ سرکاری ملازم تھے ایک مطبع کر لیا شدہ شدہ حکام کو اس کی خبر ہوئی تو ان کے نام ایک پروانا آیا کہ یا تو نوکری سے استعفیٰ دیدو ورنہ مطبع بند کردو۔ آخر اس حکم کی کیا وجہ یہی ہے کہ مطبع کرنے کی صورت میں وہ نوکری کا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے تھے اب تو غالباً تسکین ہو گئی ہوگی کیونکہ سفید رنگ والوں کا بھی اس پر اتفاق ہے یہ تو شرعی طور پر تھا اب میں تمدنی طور پر اس مسئلے کو بیان کرتا ہوں کہ۔

حقیقت تنخواہ

بادشاہ اور پارلیمنٹ کو جو تنخواہ ملتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام قوم کا ایک ایک پیسہ دو دو پیسہ جمع کر کے جس کو خزانہ کہا جاتا ہے کیونکہ خزانہ واقع میں اسی مجموعے کا نام ہے جو کہ تمام قوم سے چن چن کر جمع کیا جاتا ہے۔ کسی بھولے نے پوچھا تھا عورت سے فوج کس کو کہتے ہیں اس نے کہا کہ میرا میاں تیرا میاں بس یہی فوج ہے تو آپ کا پیسہ ان کا

پیسہ اسی کے مجموعے کا نام خزانہ ہے تو واقع میں خزانہ قوم کی چیز ہے اب سمجھئے کہ اس خزانہ سے جو تنخواہ دی جاتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ بادشاہ اور پارلیمنٹ ایسے قومی کاموں میں مصروف ہے کہ وہ دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتی اس لئے قوم کے مجموعہ مال میں سے اس کو نفقہ دیا جاتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو قومی کام میں مشغول ہو اس کا حصہ قوم کے اموال میں ہے اگر کہا جائے کہ خزانہ تو سلطنت کی ملک ہو گیا تو سمجھو کہ وہ سلطنت مجموعہ افراد قوم کی نائب ہے تو سلطان کے ہاتھ سے جو کچھ پہنچ رہا ہے وہ واقع میں قوم ہی کے ہاتھ سے پہنچ رہا ہے اگرچہ قوم کا ہاتھ ایک حجاب میں دست سلطان کی آڑ میں آگیا ہے اب تو غالباً آپ پورے طور پر اس کو سمجھ گئے ہوں گے۔ اسی کو علماء مدت تک کہتے رہے مگر چونکہ دوسری قوموں نے اس کو شروع نہ کیا تھا جیسے عیسائیوں کی مشن کہ ان کا خلاصہ یہی ہے تو ہمارے مسلمانوں کو خبر نہ تھی اور سمجھ میں نہ آیا تھا کہ اس کی کیا حقیقت ہے اب جب کہ ایک دوسری ہمسایہ قوم اٹھی اور اس نے جا بجا گروکل قائم کئے اور ایک جماعت کی جماعت کو اپنے مذہب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تو اب بعض بعض مسلمانوں کو جنبش ہوئی کہ جب ہندوؤں نے اس کام کو کیا تو یہ کام بیشک ضروری ہے افسوس ہے تعلیم قرآن محرک نہ ہوئی تعلیم حدیث سے جنبش نہ ہوئی اقوال علماء سے ہوش نہ آیا حرکت ہوئی تو برادران وطن کی مثال دیکھ کر۔

خوف میں اعتدال

بات بھی دور پہنچ گئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب صاحب جج کے اس جواب سے کہ ہم عالم قانون ہیں ہم سے حکمت کا سوال نہیں ہو سکتا تسلی ہو جاتی تو کیا وجہ کہ اقوال علماء سے تسلی نہیں ہوتی اور ان کو زبردستی کا جواب کہا جاتا ہے اور ان کو عاجز سمجھا جاتا ہے کیا ایسے منہ سے نکلی ہوئی بات کہ وہ لا الہ الا اللہ سے بھی آشنا نہ ہو باوقعت سمجھی جائے اور وارثان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کو عجز پر محمول کرنا فساد مذاق نہیں ہے۔ اب علماء کو بھی چاہیے کہ وہ ضابطہ پر رہیں اور کہہ دیں کہ خدا سے پوچھو وہی واضع قانون ہیں بس سنار کی کھٹ کھٹ سے یہ لوہار کی ایک بہت اچھی ہے۔ غرض یہ معلوم ہو گیا کہ گو قانون کی حکمت نہ بتلائی جائے مگر کوئی قانون ایسا نہیں کہ وہ پر حکمت نہ ہو اسی لئے میں یہ نظیریں بتلاتا ہوں کہ جہاں حکمت معلوم نہ ہو وہاں یہ نہ سمجھو کہ حکمت نہیں ہے سو وہ نظیر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں اسئلك من خشيتك ماتحول به بيننا وبين معاصيك (میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ سے ڈرتے رہنے کا اس چیز سے جو حائل ہے ہمارے اور تیری نافرمانی کے درمیان) صاحبو! غور کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا سے خوف مانگتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ قید لگا دی ہے کہ خوف اس قدر ہو کہ گناہ نہ ہونے دے اس میں حکمت یہ ہے کہ خوف جب حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے تو موجب تعطل ہو جاتا ہے اور انسان کسی قابل نہیں رہتا دیکھیے ہم لوگ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں مگر سمجھتے وہی لوگ جن کی شان یہ ہے کہ ۔

بینی اندر خود علوم انبیا

بے کتاب وبے معید و استا

(اپنے اندر انبیاء علیہم السلام کے علوم دیکھتا ہے)

کہ ان کے اندر وراثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے علوم انبیا بھرے ہیں چنانچہ الحمدللہ میں بھی انہی کی تقلید کر کے کہتا ہوں کہ شدت خوف سے امور معاش اور امور دین سب معطل ہو جاتے ہیں اس میں راز یہ ہے کہ جب کوئی چیز حد اعتدال سے بڑھتی ہے تو اول اس کا اثر مباحات پر ہوتا ہے کہ ان کو ترک کراتی ہے پھر جب اور غلبہ ہوتا ہے تو واجبات تک نوبت آتی ہے پھر جب بالکل ہی انتہا ہو جاتی ہے تو مایوسی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے خیال ہوتا ہے کہ میں اس قدر گنہگار ایسا شریر ہوں تو میری مغفرت کس طرح ہو سکتی ہے اور جب مغفرت نہیں ہو سکتی تو کیوں بلاوجہ مصیبت بھروں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کہتے تھے کہ دوزخ تو میرے لئے ضرور ہی لکھی ہے پھر نفس کے حظوظ میں کیوں کسر رکھوں چنانچہ انہوں نے اس قدر ظلم کیے کہ کچھ انتہا ہی نہیں چھوڑی پس جب اس مقام کا خاصہ تعطل ہے اور وہ غیر محدود ہے تو اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے خدا مجھے اتنا خوف دے کہ وہ گناہوں سے بچائے۔

اخلاق حسنہ کی حد

صاحبو! کیا کوئی بتلا سکتا ہے کہ کسی نے اخلاق حسنہ کی حد بتلائی ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھے شوق دے لیکن من غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلته (بغیر کسی نقصان پہنچانے والے کے نقصان کے اور نہ کسی گمراہ کرنے والے فتنے سے) کہ وہ شوق اتنا نہ ہو کہ میرے جسم کو ضرر دے یا میرے لئے موجب فتنہ ہو جائے کیونکہ شوق کا خاصہ یہ ہے کہ

اول جب اس کی شدت ہوتی ہے تو اس کا اثر جسم پر ہوتا ہے کہ سوزش قلب پیدا ہوتی ہے اور اس سے انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور قویٰ مختل ہونے لگتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات ضروری عبادات ترک ہونے لگتی ہیں۔ دوسرا ضرر اس سے یہ ہوتا ہے کہ جب شوق بہت بڑھتا ہے تو اس سے ناز کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور ہیبت خداوندی کم ہو جاتی ہے اور گستاخانہ کلمات زبان سے نکلنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ناز کرنا ہر ایک کا کام نہیں ؂

ناز را روئے بباید ہمچو ورد
چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا علاج کیا کہ نہ مجھے اس سے ضرر ظاہری ہو اور نہ ضرر باطنی۔

حد شکن لوگ

جب معلوم ہوا کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے تو شفقت کی بھی ایک حد ہونی چاہئے آج کل حد شکن دو قسم کے لوگ ہیں ایک اہل دنیا کہ وہ بھی حد شکنی کرتے ہیں اور دوسرے اہل دین کہ وہ بھی حد سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ اہل دنیا کی حد شکنی تو یہ ہے کہ وہ قوم پر ایسی شفقت کرتے ہیں کہ اس میں دین کا بھی ضرر ہو جاتا ہے بلکہ اکثروں کا تو نصب محض قوم ہو گئی ہے وہ اگر ہمدردی بھی کرتے ہیں تو اس لئے کہ یہ ہماری قوم ہے اس سے ہمدردی کرنا ضروری ہے اور مذہب پر بھی قائم ہیں تو محض اس لئے کہ دنیا کی اقوام ترقی کر رہی ہیں تو ہم کو بھی ترقی کرنی چاہئے اور ترقی بدوں اتفاق کے ممکن نہیں اور اتفاق بدوں اتحاد مذہب کے ہو نہیں سکتا تو ہم کو مجبوراً ایک مذہب پر رہنا چاہئے بلکہ دوسروں کو اگر تبلیغ اسلام کرتے ہیں تو وہ بھی اس لئے کہ اگر یہ ہمارے مذہب میں آجائیں گے تو گویا ان کے نزدیک اسلام مطلوب لغیرہ ہے فی نفسہ وہ کوئی قابل طلب چیز نہیں اگر اس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ ترقی کا ممکن الحصول ہو تو ان کے نزدیک مذہب کوئی قابل وقعت چیز ہے تو کیا وجہ کہ اس کے ایک جز کو تو لیا اور دوسرے اجزا کو چھوڑ دیا گیا مطلوب کا ہر جز مطلوب نہیں ہوتا؟ جب ہوتا ہے تو کیا وجہ کہ حرمت سود کو چھوڑا نماز کو چھوڑا صرف ایک اتفاق اور ہمدردی کو لے لیا اکثر دیکھا گیا ہے کہ قومی چندوں میں ایک ایک روپیہ کو نیلام کیا جاتا ہے اور وہ چار سو پانچ سو کا فروخت ہوتا ہے

حالانکہ یہ کھلا ہوا سود ہے صرف ایک قوم کا لفظ یاد کر لیا ہے۔ بس صاحبو غور تو کرو قوم کی خدمت جو محمود ہے آخر کس لئے اس لئے کہ خدا کا حکم ہے کہ قوم کی خدمت کرو تو جب خدا کو ناراض کر کے تم نے قوم کی خدمت کی تو وہ خدمت محمود کہاں رہی جب خدا ہی سے سلسلہ توڑ دیا تو قوم سے جوڑ کر کیا فلاح ہو گی۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

جب خدا سے بیگانگی ہو گئی تو کس کی قوم صاحبو! حضرت نوح علیہ السلام سے زیادہ تو خیر خواہ قوم نہیں بن سکتے پھر دیکھ لیجئے انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ جو خدا کی نافرمان تھی کیا کیا پھر مرغ پر مرغ یہ ہے کہ ان کی فلاح کی صورتیں جو سوچی جاتی ہیں ان کے مدار کے متعلق آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرت رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے کیا ان عوام کالانعام کی اگر ان ہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف آخر انہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا اسی لئے کہ وہ قوم جاہل تھی اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی آج کل علماء پر بھی یہی الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے قوم میں پھوٹ ڈال دی یہ اتفاق نہیں ہونے دیتے۔

اتفاق کی دو صورتیں

صاحبو! علماء کب اتفاق سے روکتے ہیں لیکن اتفاق کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ علماء اپنے مرکز سے ہٹیں اور آپ کے مرکز پر آجائیں سو یہ اتفاق تو یقیناً محمود نہیں ہاں دوسری صورت اتفاق کی کہ علماء اپنے مرکز پر رہیں اور قوم اپنی وہمی ترقیوں اور مضر خیالوں کو چھوڑ کر ان کے مرکز پر آجائیں بیشک محمود ہے اور اس طرح اتفاق ہونا چاہیے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قوم کو جو متفق بنایا جائے گا تو اس اتفاق کے لئے آخر کوئی معیار بھی ہو گا یا نہیں کہ قوم کو اس معیار کی طرف بلایا جائے گا ظاہر ہے کہ ضرور ہو گا اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ معیار کیا ہے سو سب جانتے ہیں کہ وہ معیار حق ہے یعنی حق کی طرف قوم کو بلایا جائے گا کہ یہی ایک مامون اور صاف و ہموار شاہراہ ہے جس میں نشیب و فراز کا نام نہیں اس معیار سے الگ جتنا اتفاق پکارتے ہو اسی قدر نفاق بڑھتا ہے اور جب معیار متعین ہو گیا تو دیکھو کہ کون اس معیار

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو گیا تو تمہارا ہی گھاٹا (نقصان) ہے)

تو ان روشن خیال صاحب نے یہ کہا کہ یہ تو اس کے سامنے کہیئے کہ جس کو کچھ احتمال ہو مجھے تو یقین ہے کہ قیامت کوئی چیز نہیں نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا حضرات ایسے بہت سے لوگ اس وقت ہم مسلمانوں میں اس نئی تعلیم کی بدولت پیدا ہو گئے گو وہ زبان سے صاف نہیں انکار کرتے مگر دل میں محض انکار ہے میرٹھ میں ایک عہدہ دار مسلمان کے پاس عید کے دن بہت سے مسلمان ملنے گئے تو وہ عہدہ دار صاحب ان لوگوں سے کہتے ہیں آج آپ لوگوں کا عید ہے افسوس ان کو اسلامی عید کا اپنی طرف منسوب ہونا بھی ناگوار ہوا اور لیجئے ایک مسلمان کلکٹر ہو گئے تھے ان کو اسلام سے اس قدر وحشت ہوئی کہ اپنے اصلی نام کو بھی باقی نہ رکھا اس کو کاٹ چھانٹ کر کے انگریزی ناموں کے طرز پر بنایا اور لطف یہ ہے کہ پھر اپنے کو مسلمان بھی کہتے تھے۔

اسلام کا مفہوم

صاحبو! یہ ترقی اسلام کی ترقی تو ہرگز نہیں۔ اسلام ایسی ترقیوں سے غنی اور بیزار ہے بلکہ سچ پوچھو تو اسلام کی ترقی تو تمہارے صوفی وضع بننے سے بھی نہیں ہوتی۔ جب تک ایمان دل میں پیوست نہ ہو جائے کیونکہ اسلام کے معنی ہیں شهادة ان لا اله الا اللّٰه و ان محمد ارسول اللّٰه (گواہی دینا اس بات کی کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں) اور شہادت میں بشہادت آیہ اذا جآك المنفقون الخ (جبکہ آتے ہیں آپ کے پاس منافقین) توافق قلب ولسان ضروری ہے تو ترقی شہادتیں کی یہ ہوئی کہ وہ دل میں رچ جائے اور یہ حال ہو جائے۔

قال رابگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

(قیل قال (اعتراض وجواب) کو چھوڑ صاحب حال (بزرگ) بنجا اور بزرگ کامل کے سامنے پامال (اپنے کو عاجز کردے) ہو جا۔)

دوسرے حکیم کہتے ہیں۔

علم رسمی سربسر قیل است وقال نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

(رسمی علم سراسر قیل وقال ہے اس سے نہ تو کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ کسی قسم کا حال پیدا ہوتا ہے)

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت زنگ گمراہی زدل بز دایدت

(علم وہ ہے جو تجھے راستہ دکھلائے اور تیرے دل سے گمراہی کے زنگ کو دور کر دے)

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند خوف وخشیت دردلت افزوں کند

(یہ علم تمام خواہشات نفسانی کو باہر نکالدیتا ہے اور خوف وعاجزی کو تیرے دل کے اندر زیادہ کردے)

تو ندانی جز یجوز لایجوز خود نہ دانی توکہ حوری یا عجوز

توسوائے جائز اور ناجائز کے کچھ نہیں جانتا اور تو نہیں جانتا کہ دوشیزہ ہے یا بوڑھی عورت)

ایها القوم الذی فے المدرسه

کل ماحصلتموه وسوسه

(اے وہ لوگو جو مدرسہ میں علم حاصل کرتے ہو جو کچھ بھی تم نے حاصل کیا ہے وہ محض وسوسہ ہے)

علم نبود غیر علم عاشقی

مابقی تلبیس ابلیس شقی

(سوائے علم عاشقی کے اور کوئی علم کارآمد نہیں باقی تمام علوم ابلیس کی تلبیس ہے)

یہ ہے وہ علم جو قلب کے اندر پہنچ جائے پس ترقی اسلام کی یہ ہے نہ کہ مال ودولت کی ترقی بلکہ اگر ساری دنیا کے مسلمان نادار ہو جائیں اور لنگٹے زیر لنگٹے بالا کی حالت ہو جائے تب بھی اسلام کی ترقی باقی ہے کیونکہ اسلام فٹن اور چوکڑی کا نام نہیں تو یہ جتنی ترقی ہو رہی ہے اسلام کی ترقی نہیں ہے البتہ اہل اللہ کا اسلام اب بھی ترقی پر ہے گو ان کے پاس ظاہری سامان نہ ہو اس بے سروسامانی میں بھی ان کی یہ حالت ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں

کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

(شراب خانے کا مجاور ہوں لیکن مستی کے وقت دیکھ کہ فلک پر ناز کرتا ہوں اور سیاروں پر حکومت کرتا ہوں)

اور کہتے ہیں کہ۔

میں حقیر گدایان عشق راکیں قوم
شہان بے کمر وخسروان بے کلہ اند
(عشق حقیقی کے پر چلنے کو خیریت جانو کیونکہ یہ قوم بادشاہ ہیں بغیر کسی سہارا کے ہوں اور بغیر تاج کے بادشاہ ہیں)

حضرات صحابہؓ کا حال

آخر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کیابات تھی حالانکہ وہ حضرات ٹوٹی ہوئی چٹائیوں پر بلکہ کنکریوں پر بیٹھے ہوئے سلطنت فارس وروم کا فیصلہ فرماتے تھے مگر کوئی مال ودولت ان کے پاس نہ تھی اور نہ اس کی ہوس تھی اسی لئے ان حضرات کو ثروت کے ملنے سے ذرا بھی خوشی نہیں ہوتی تھی حتیٰ کہ حضرت حباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ روتے تھے لوگ نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس کا افسوس ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں پلہ داری کرتے تھے اور آج اس قدر مال ودولت جمع ہے کہ بجز مٹی میں دفن کرنے کے اور کہیں رکھنے کی جگہ نہیں۔ حضرات! اگر وہ اصلی ترقی آپ کو نصیب ہو جائے تو واللہ اس ظاہری نمود کو آپ ہیچ در ہیچ سمجھنے لگیں آپ کو معلوم ہوا کہ ان حضرات کے دل میں دنیا کی کیا قدر تھی آپ کی ساری عمر دنیا پرستی میں گذری ہے اس لئے آپ کو کچھ خبر نہیں۔

تو نہ دیدی کہے سلیمان را
چہ شناسی زبان مرغاں را
(تو نے کبھی حضرت سلیمان علیہ السلام کو نہیں دیکھا۔ تو پرندوں کی بولی کو کیسے پہچانے گا)

سلطنت کی قیمت

ایک بزرگ نے ایک بادشاہ سے پوچھا کہ اگر اتفاقاً تم شکار میں نکل جاؤ اور تن تنہارہ جاؤ اور اس وقت تم کو شدت سے پیاس لگے کہ تمہارا دم نکلنے لگے اس وقت اگر کوئی شخص تمہارے پاس ایک پیالہ پانی لائے اور نصف سلطنت اس کی قیمت بتلائے تو تم اس کو خرید لو گے کہ نہیں اس نے کہا میں ضرور خرید لوں گا پھر ان بزرگ نے کہا کہ اور اگر اتفاق سے تمہارا پیشاب بند ہو جائے اور کسی طرح اور ارنہ ہو اور ایک شخص اس شرط پر کہ بقیہ نصف سلطنت

اس کو دیدو پیشاب اتار دینے کا وعدہ کرے تو تم کیا کرو گے اس نے کہا کہ میں بقیہ نصف بھی اس کو دیدوں گا توان بزرگ نے کہا کہ آپ کی سلطنت کی یہ قیمت ہے ایک پیالہ پانی اور ایک پیالہ پیشاب جس کے لئے آپ اس قدر منہمک ہیں توان حضرات کو دنیا کا یہ نرخ معلوم ہے اسی لئے صحابہؓ نے توسیع سلطنت پر بھی دنیا کا کام نہیں کیا وہ کام کیا جس کی خبر حق تعالیٰ نے دی ہے الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوالزکوٰۃ وامرو بالمعروف ونھوا عن المنکر (وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکومت دیدیں تو نماز قائم کریں گے زکوۃ ادا کریں گے اور نیک کام کرنے کا حکم دیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے۔ اور نیک کام کریں)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ وقت تھے مگر کھانا کپڑا جو تھا معمولی سے بھی کم تھا کیونکہ وہ حضرات جانتے تھے کہ اصل چیز دوسری ہے ہمارے بعضے بھولے بھالے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے لڑتے ہیں کہ شیخینؓ نے خلافت لے لی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ دی میں کہتا ہوں کہ شیخین رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کیجئے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اول ہی سے خلافت دیدی جاتی اور اتنی مدت تک یہ خلیفہ رہتے اور ان حضرات کی مشقت و تعب دین کے لئے اور قلت دنیا کے لئے معلوم ہو چکی تو ان کو کس قدر مزید کلفت ہوتی جو اٹھائے نہ اٹھتی ان حضرات نے یہ بڑا سلوک کیا کہ اس مصیبت کو خود بانٹ لیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تکلیف نہ پہنچنے دی اور جو کچھ ان حضرات میں شکر رنجی ہوئی اول تو بہت واقعے غلط مشہور ہیں دوسرے جب اتحاد و دوستی ہوتی ہے تو شکر رنجی بھی ہو ہی جاتی ہے۔ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دو خادموں سے جو کہ آپس میں نہایت درجہ اتحاد رکھتے تھے پوچھا کہ تم دونوں میں کبھی لڑائی بھی ہوتی ہے کہ نہیں انہوں نے عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی ہو جاتی ہے مگر پھر اتحاد ہو جاتا ہے فرمایا کہ تمہارا اتحاد پائدار ہے ذوق کہتا ہے نا۔

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی عجیب شان

ایک عربی حکیم لکھتا ہے ویبقی الود مابقی العتاب (اور باقی رہے گی محبت

جب تک عتاب باقی رہے گا) اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دوستی جب باقی رہتی ہے کہ دل میں غبار باقی نہ رہے اور اگر عتاب نہ کیا جائے اور بات کو دل میں رکھا جائے تو تمام عمر بھی دل سے کدورت نہ نکلے گی اور اگر دل کی بھڑاس نکال لی جائے تو پھر دل صاف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو کہ سب سے زیادہ محبّ اور محبوب تھیں وہ بھی کبھی کبھی ناز کے طور پر روٹھ جاتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تمہارے خوشی اور ناراضی کے وقت کو پہچانتا ہوں جب تم ناراض ہوتی ہو تو قسم میں لا ورب ابراہیم (نہیں ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم) کہتی ہو اور جب خوش ہوتی ہو تو لا ورب محمد (نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی قسم) کہتی ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عرض کرتی ہیں وھل اھجر الاسمك (نہیں چھوڑتی میں لیکن آپ کے نام کو) کہ حضور اس وقت صرف آپ کا نام نہیں لیتی ورنہ دل میں تو آپ ہی لیے ہوتے ہیں تو اگر آپس میں ان حضرات میں کوئی بات ہوئی بھی ہو تو باہم ایک کا دوسرے پر ناز ہے ہمارا منہ نہیں کہ ہم اعتراض کریں۔

حضرات صحابہؓ کی عجیب شان

کانپور میں ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے ایک مرتبہ اتفاق سے میں ان سے ملا انہوں نے وہی تذکرہ چھیڑا اور حدیث پڑھی من سب اصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب الله (جس نے صحابہ کو گالی دی پس تحقیق کہ اس نے مجھ کو گالی دی اور جس نے مجھے گالی دی پس تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی) اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہہ دیتے تھے تو وہ اس حدیث کے مصداق ہو گئے میں نے کہا کہ صاحب آپ نے غور نہیں کیا اس حدیث کے یہ معنی نہیں جو آپ نے سمجھے بلکہ اس کے معنے دوسرے ہیں ان کے سمجھنے کے لئے اول آپ ایک محاورہ سمجھئے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جو شخص میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا تو اب بتلائیے کہ یہ وعید کس شخص کے لئے ہے آیا اپنی دوسری اولاد کے لئے بھی کہ اگر وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کے ساتھ بھی یہی کیا جائے گا یا غیروں اور اجانب کے لئے ہے ظاہر ہے کہ اجانب کے لئے یہ وعید ہے پس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر اصحاب میں

سے جو شخص میرے اصحاب کو برا کہے اس کے لئے یہ حکم ہے اس کو سن کر وہ کہنے لگے کہ یہ زبانت کی باتیں ہیں میں نے کہا کہ صاحب پھر کیا عبادت کی باتیں کہوں اس پر وہ شرمندہ سے ہو گئے تو مجھے بہت تعجب ہوا اسی لئے میں نے اپنا یہ معمول کر لیا ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی مجھے بلاتا ہے تو اول یہ شرط کر لیتا ہوں کہ خلوت میں گفتگو کروں گا کیونکہ جلوت میں گفتگو کرنے سے اکثر مخاطب لاجواب ہو کر شرمندہ ہو جاتا ہے اور میں اس کو باوجاہت لوگوں کے لئے پسند نہیں کرتا آخر میں نے ان کی شرم یوں اتاری کہ میں نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے آپ عامل ہیں مجھ کو نیند کم آتی ہے اگر آپ پانی پڑھ کر بھیج دیا کریں تو بہت اچھا ہو چنانچہ وہ اس سے خوش ہوئے اور تشتری لکھ دینے کا وعدہ کیا غرض حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف داری کر کے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا نہ کہنا چاہیے اور صاحبو! اس وقت کی سلطنت ہی کیا تھی جس پر کوئی لالچ کرتا اس وقت کی سلطنت یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کے وقت گرمی میں چلے جا رہے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا پوچھا کہ امیر المومنین کہاں چلے آپ نے فرمایا کہ بیت المال کا ایک اونٹ غائب ہو گیا ہے اس کی تلاش کو جا رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے اس گرمی میں کیوں تکلیف کی کسی کو حکم دیا ہوتا کہ وہ تلاش کر لیتا آپ نے فرمایا کہ اے عثمان میدان قیامت کی گرمی اس گرمی سے اشد ہے۔

غرض کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ ترقی پر نہ تھے یہ حضرات اس ترقی پر تھے کہ ساری دنیا جانتی ہے بلکہ مانتی ہے حالانکہ نہ ان کے پاس فن تھی نہ سامان آرائش اور فن تو کیا ہوتی واقعہ یرموک میں جو کہ ایک عظیم الشان جنگ تھی جب ایک شخص اونٹنی پر سوار فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو کہ روزانہ انتظار خبر میں باہر جا کر گھنٹوں کھڑے رہتے تھے جنگل میں ملاقات ہوئی آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے معلوم ہوا یرموک سے آپ نے جنگ کا حال پوچھا وہ چونکہ پہچانتا نہ تھا اس لئے کہ کوئی نشان خلافت نہ تھا کوئی تاج نہ تھا اس نے ان کی طرف التفات نہیں کیا اور اونٹنی دوڑائے ہوئے چلا جاتا تھا اور یہ اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے جب آبادی کی طرف قریب آئے تو لوگوں نے پہچانا اور امیر المومنین کو سلام کیا اس وقت اس کو معلوم ہوا تو اس نے بہت معذرت کی آپ نے فرمایا کہ میں نے جو قدم بھی اٹھایا ہے ثواب کے لئے اٹھایا ہے تجھے عذر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت تھی ایک ہماری حالت ہے کہ

جو قدم اٹھتا ہے خود بینی اور خوداری کے لئے۔

غیر قوموں کی تقلید

ایک صاحب معزز مجھ سے فرمانے لگے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا لڑکا ایسا ہو جائے کہ پندرہ روپے میں گذر کر لیا کرے اور حالت لڑکے کی یہ تھی کہ پندرہ سے زیادہ کا اس کا ایک کوٹ ہی تھا افسوس ہے کہ ہم کو دوسری قوموں کی تقلید نے برباد کیا ہم تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی بری باتوں کی انہوں نے ہماری تقلید کر کے اپنا گھر آباد کر لیا اور ہم ان کی تقلید کر کے اپنی رہی سہی حالت بھی برباد کئے دیتے ہیں دعوی ہے قومی ہمدردی کا اور اجنبیت یہ ہے کہ شہر میں رہنا بھی گوارا نہیں الگ جنگل میں جا کر رہتے ہیں صاحبو! کیا ترقی اس پر موقوف ہے کہ قوم کا قرب بھی چھوڑ دیا جائے۔ دیکھئے رئیسہ بھوپال والی سلطنت ہیں آجکل کے ترقی یافتہ لوگوں سے تو بہر صورت بہت زیادہ ترقی پر ہیں مگر معتبر طور پر معلوم ہوا ہے کہ اگر کوئی غریب رعایا میں سے شادی وغیرہ میں ان کی دعوت کرتا ہے تو قبول کرتی ہیں اب یہ حالت ہے کہ ہمارے روشن خیال سب سے زیادہ دعوت کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ مجھے ایک لکھنو کی حکایت یاد آئی ایک مولوی صاحب کی دعوت ایک سقے نے کی مولوی صاحب اس کے گھر جا رہے تھے کہ ایک رئیس صاحب ملے پوچھا کہ مولوی صاحب کہاں جا رہے ہو مولوی صاحب نے بیان کیا کہ اس سقے نے دعوت کی ہے اس کے ہاں جا رہا ہوں تو رئیس صاحب فرمانے لگے کہ مولوی صاحب آپ نے تو لٹیا ہی ڈبو دی کیا سقوں کی دعوت بھی کھانے لگے مولوی صاحب نے یہ سنکر سقے سے فرمایا کہ بھائی میں تو دعوت میں نہیں جاتا یہ رئیس صاحب اس کو ذلت سمجھتے ہیں البتہ اس شرط سے چلتا ہوں کہ ان رئیس صاحب کو بھی لے چل چنانچہ اس سقے نے ان کی منت کرنی شروع کی اب تو رئیس صاحب بہت گھبرائے اول تو عذر کیا مگر جب اس نے بہت ہی لجاجت کی اور دو چار ہم رتبہ آدمیوں نے بھی جو کہ اتفاقاً جمع ہو گئے تھے ملامت کی کہ ایک غریب آدمی اس قدر لجاجت کرتا ہے اور تم مانتے نہیں عجب سنگدل ہو تو مجبوراً ان رئیس صاحب کو ماننا پڑا آخر اس کے گھر گئے وہاں جا کر دیکھا کہ تمام گھر میں فرش لگا ہوا ہے اور سقے دست بستہ کھڑے ہوئے ہیں کوئی ہاتھ چومتا ہے کوئی پاؤں پکڑتا ہے آخر کھانا کھلایا اور خود غلاموں کی طرح کھڑے رہے جب وہاں سے فارغ ہو کر آئے تو کہا کہ حضرت واقعی میں غلطی پر تھا آج مجھے معلوم ہوا کہ عزت و حرمت غرباء کے ساتھ رہنے میں ہے میں

نے آج تک یہ تعظیم نہیں دیکھی تھی جو ان لوگوں نے کی سچ یہ ہے کہ محبت کے لوگ یہی ہیں روسا کو جو کچھ عزت نصیب ہوتی ہے اپنے نوکروں یا ماتحتوں میں حق یہ ہے کہ ان لوگوں کی تعظیم صرف ظاہری تعظیم خوف کی وجہ سے ہوتی ہے جیسے بھیڑیئے کی تعظیم کی جاتی ہے۔

غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ معاشرت تھی اور وہی حقیقی ترقی تھی اگر دنیا میں اس کی ترقی ہو تو اسلام کو بیشک ترقی ہے لیکن اگر ساری دنیا کے پاس مال وجاہ ہو جائے تو اسلام کی کچھ بھی ترقی نہیں یہ تو اہل دنیا کی شفقت کے متعلق بیان تھا۔

اہل دین کا شفقت میں غلو

اب ایک شفقت اہل دین کی ہے کہ ان لوگوں کو جوش اٹھتا ہے کہ جس طرح ہو سکے قوم کی اصلاح ہو جائے اس کوشش میں مختلف طرح کی مشکلات ان کو پیش آتی ہیں اور ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جو کچھ مدارس یا انجمنیں قائم کرتے ہیں ان سے مقصود صرف اپنا نفع ہوتا ہے کہ ہم کو خوب روپیہ ملے یا ہمارا خوب نام ہو یہ لوگ تو مصلحین کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل ہی نہیں دوسرے وہ لوگ ہیں کہ واقعی وہ اصلاح چاہتے ہیں اور ان کی سچی تمنا یہ ہے کہ قوم کی حالت درست ہو جائے مگر ان کو شفقت میں غلو ہو گیا ہے اس میں اول تو جسمانی تکلیف ہوتی ہے دوسرے بعض اوقات دین کی بھی خرابی ہو جاتی ہے کہ اس کے اہتمام میں بعض ناجائز طریقوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تیسرے بہت پیچھے پڑتے سے عداوت ہو جاتی ہے یاد رکھو لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا خدا تعالیٰ کے دربار میں وسعت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی مجھے تو حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آتا ہے اگر ان کے پاس کوئی فہرست مسجد کے چندہ وغیرہ کی لے کر آتا اور دستخط کرنے کی درخواست کرتا تو فرماتے کہ یہاں کیوں لوگوں کے پیچھے پڑے ہو مسجد یا مدرسہ بنانا ہی ہے تو کچی دیواریں اٹھا کر بنالو اگر وہ کہتا کہ حضرت کچی دیواریں گر جائیں گی تو فرماتے کہ میاں پکی بھی آخر گریں گی تو جب گر جائیں گی کوئی دوسرا بنا دے گا تم قیامت تک کا بندوبست کرنے کی فکر میں کیوں پڑے بات یہ ہے کہ ؂

آرزو میخواہ لیک اندازہ خواہ　　برنتابد کوہ را یک برگ کاہ

چار پارا قدر طاقت بار نہ　　بر ضعیفاں قدر ہمت کار نہ

(تمنا کر لیکن اپنے مرتبہ کے موافق کر اس لئے کہ پہاڑ کو ایک گھاس کا پتہ نہیں

اٹھا سکتا- چوپایوں پر ان کی طاقت کے بقدر بوجھ رکھ- کمزوروں پر ان کی ہمت کے بقدر کام رکھ یعنی کام سپرد کر)

تو بوجھ اسی قدر اٹھاؤ کہ تم سے اٹھ سکے ترمذی شریف میں حدیث ہے لا ینبغی للمؤمن ان یذل نفسه (کسی مومن کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے) کہ مومن کو چاہئے کہ اپنے کو ذلیل نہ کرے اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ فرمالیتے تو آج کل کے مدعیان اجتہاد اس کے یہ معنی سمجھتے کہ مومن کو پھٹا کپڑا نہ پہننا چاہئے بلکہ خوب بن سنور کر عمدہ پوشاک میں رہنا چاہئے و مثل ذلك لیکن صحابہؓ نے پوچھ کر حل کر دیا قالوا یا رسول الله وما یذل نفسه (انہوں (صحابہؓ) نے کہا اور اپنے نفس کی ذلت کیا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر میں فرمایا ان یتحمل من البلاء لما لا یطیقه (ایسی مصیبت کہ جس کے برداشت کرنے کی وہ اپنے اندر طاقت نہیں رکھتا) اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ تعلیم اسلامی ذلت اختیار کرنے سے مانع ہے مگر آج کل روشن خیالوں نے ذلت کو مولویت کا اثر سمجھ لیا ہے حالانکہ مولویوں سے زیادہ یہی لوگ اس ذلت کو اختیار کرتے ہیں ہمارے اطراف میں ایک قصبہ ہے وہاں مثل دیگر قصبات کے یہ رسم ہے کہ شادی میں دلہن کے میانہ پر بکھیر ہوتی ہے اس بکھیر کو بھنگی اٹھاتے ہیں چند روز ہوئے کہ وہاں شادی ہوئی اور اس موقعہ پر ایک دلدادہ تہذیب جدید نے ان بھنگیوں کیساتھ مل کر بکھیر کے پیسے جمع کئے مشکل سے شاید تین چار آنے پیسے ان کے ہاتھ لگے کیوں صاحب جب کالجوں اور یونیورسٹی کے چندے کے واسطے یہاں تک گوارا کر لیا جاتا ہے تو اگر کوئی مولوی اسلامی مدارس کے لئے چندہ جمع کرے تو اس کو بھک منگے کیوں کہا جاتا ہے اور اس پر ذلت کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے آخر جب نماز کا وقت آیا اور وہ نماز پڑھنے کیلئے آئے تو ایک ظریف نے ان کی خبر لی کہا کہ تم ہماری جماعت سے الگ ہو جاؤ کیونکہ تم نجس ہو انہوں نے کہا کہ میرے نجس ہونے کی وجہ- ان ظریف نے جواب دیا کہ چونکہ تم بھنگیوں کیساتھ مل کر پیسے لوٹ رہے تھے اور اس وقت تم کو بھی پسینہ آرہا تھا اور ان کو بھی اور ان کے ناپاک بدن سے تمہارا بدن مس کرتا تھا مگر وہ ایسا باہمت تھا کہ اس کو اس سے کچھ بھی اثر نہ ہوا پھر جب نیگ لینے کا وقت آیا تو آپ وہاں بھی جا موجود ہوئے آپ کو بھی ملا- الحمد للہ کسی مولوی نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی مگر چونکہ ان بیچاروں کی صورت غریبانہ صورت ہے وہ ایسی حرکات نہ کرنے پر بھی بھک منگے ہیں اور ان کی صورت

چونکہ معزز ہے یہ بھیک مانگ کر بھی معزز رہے- مولویوں کے صدہا وعظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں چندہ کا نام بھی نہیں ہوتا اور ان صاحبوں کا کوئی لکچر بھی ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں چندہ کی ترغیب نہ ہو- سید اکبر حسین صاحب جج نے خوب تضمین فرمائی-

درپس ہر لکچر آخر چندہ ایست　　　مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

(ہر لکچر کے پیچھے چندہ ہے انجام کا دیکھنے والا آدمی خدا مبارک بندہ ہے)

دوسرے یہ کہ بعضے مولوی اگر چندہ لیتے بھی ہیں تو دباؤ ڈال کر نہیں لیتے کیونکہ دباؤ ڈال کر وہ لے سکتا ہے کہ جس کا کچھ اثر ہو ان بیچاروں کا اثر ہی کیا ہے کہ ان کے دباؤ کا اثر پڑے برخلاف ان حضرات کے کہ دباؤ ڈال کر ظلم کر کے وصول کرتے ہیں غرض میں دونوں جماعتوں کو کہتا ہوں کہ تم کو اس حالت تک صرف تمہاری ضرورت سے زیادہ شفقت علی القوم لائی ہے پس تم اسی قدر شفقت کرو کہ جو تم کو تمہارے دین میں مضر نہ ہو بعضے اس لئے ناجائز کوشش کرتے ہیں کہ بدون اس کے کام نہیں چلتا اسی طرح کام بند ہو جائے گا مگر میں کہتا ہوں کہ آپ کو کیا فکر قیامت میں اگر باز پرس ہو گی کہہ دینا کہ میں نے لوگوں کو ترغیب دی تھی مگر لوگوں نے نہ مانا میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس جواب کے بعد تم پر کوئی الزام نہ ہو گا- ہم نے اپنے وطن میں ایک مدرسہ کر رکھا ہے مگر اس انداز سے کہ نہ کسی سے چندہ مانگا جاتا ہے نہ کسی کو ترغیب دی جاتی ہے طلبہ سے صاف کہہ دیا ہے کہ اگر توکل کر کے رہیں تو رہیں ہم ذمہ داری نہیں کرتے خدا تعالیٰ نے دیا تو ہم دیدیں گے مگر باوجود اس استغناء کے اچھی خاصی طرح مدرسہ چل رہا ہے بلکہ یہاں تک انتظام کیا کہ طلبہ کی دعوت بھی جس میں کسی کے گھر جانا پڑے قبول نہیں کی جاتی اگر چہ دعوت کا کھانا لینا بھیک نہیں ہے مگر چونکہ آج کل طلبہ کی دعوت اکثر لوگ ان کو ذلیل سمجھ کر کرتے ہیں اس لئے ہم نے اس کو بھی قبول نہیں کیا اور میں دینے والوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ اگر وہ طلبہ کو کچھ دیں تو عزت سے دینا چاہیئے وہ آپ کے مہمان ہیں دیکھئے اگر آپ کا کوئی مہمان آکر مسجد میں ٹھہرے اور کھانے کے وقت گھر جانے سے انکار کرے تو آپ کیا کریں گے آیا اس مہمان سے کہیں گے کہ دروازے پر جا کر کھانا لے آؤ یا مسجد میں جا کر خود اس کو کھلا دیں گے پھر طلبہ کے ساتھ یہ کیوں نہیں کیا جاتا اور جب تم نے خود ان کو دروازے پر بلایا تو گویا اپنے مہمانوں کو تم نے خود ذلیل کیا پھر کس منہ سے خود ہی ان کو ذلیل کہتے ہو- غرض حمد اللہ مولویوں کی حالت تو ایسی گئی گذری نہیں ہے- بہر حال میں دونوں جماعتوں کو کہتا ہوں کہ اپنی یہ حالت چھوڑ دو اور کام کو چھوٹے پیمانے پر شروع کرو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

آسان نہیں بلکہ معنے یہ ہیں کہ کھیتی وغیرہ کا جو نتیجہ ہے یعنی اکل وہ آسان ہے ہمارے بھائیوں نے یہ معنی سمجھ لئے کہ نہ علم کی ضرورت نہ مدارس قائم کرنے کی ضرورت نہ محنت ومشقت کی ضرورت نہ اعمال وطاعات کی ضرورت کیونکہ الدین یسر غرض مقصود مختصر بھی ہے اور وقت بھی کم رہ گیا ہے اس لئے اس کو مختصر ابیان کیا جاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے ارشاد ہوتا ہے کہ آپ کیوں غم فرماتے ہیں آپ تو ان لوگوں کو ڈراسکتے ہیں جن کو خشیت ہو اور خشیت صرف علم سے ہوتی ہے اسی لئے بصیغہ حصر فرمایا اور علم ان کو ہے نہیں مگر ان کا ہونا ان کے قبضے کی بات تھی پس جب یہ خود ہی توجہ نہیں کرتے آپ بھی غم نہ فرمایئے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم میں کیا فضیلت ہے اور یہی مقصود ہے دیکھئے اس سے بڑھ کر کیا فضیلت ہوگی کہ علم موقوف علیہ ہے خشیت کا اور شرط ہے اس کی گو علت تامہ خشیت کی نہیں اس جملہ کو طلبہ یاد رکھیں آگے چل کر اس سے کام لیا جائے گا اب یہ دیکھئے کہ خشیت جو موقوف ہے علم پر کیسی چیز ہے تو علم بھی اسی درجے کی چیز ہوگی کیونکہ موقوف علیہ واجب کا واجب اور مندوب کا مندوب ہوتا ہے تو نصوص میں دیکھنے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خشیت کے برابر کوئی چیز مہتم بالشان اور اس سے زیادہ واجب نہیں کسی کسی مقام پر اس کو بلفظ تقوی بھی فرمایا گیا ہے جیسے ھدی للمتقین (ہدایت ہے متقین کے لئے) میں اس جملہ کی اگرچہ دوسری تفسیر بھی ہے لیکن سیدھی تفسیر یہ ہے کہ تقوی کے معنی خوف کے لئے جائیں اور معنی یہ ہوں کہ ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے کیونکہ جب خوف پیدا ہوگا تب ہی حق کی تلاش بھی ہوگی خوف وہ چیز ہے کہ اسلام بھی اسی کی بدولت پھیلا یہ تو نقلی طور پر خشیت کا مہتم بالشان ہونا ثابت ہوا۔ اب عقلی طور پر لیجئے ظاہر ہے کہ انتظام عالم کا بقاء خشیت ہی سے ہوتا ہے دیکھئے انسان جو قبائح سے بچتا ہے تو کیوں یا تو محض تعلیم اخلاقی سے بلا کسی خشیت کے یعنی اس لئے کہ یہ کام برا ہے اور برے کام سے بچنا چاہئے۔ مگر دنیا میں اس انداز کی طبیعتیں بہت کم ہیں کہ صرف یہ تعلیم ان کے لئے مانع ہو جائے فرض کیجئے کہ دو شخص ایک ساتھ سفر کریں اور ان میں سے ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپے کا نوٹ ہے اور دوسرا تہی دست ہے اور اتفاق سے یہ دونوں ایک پہاڑ پر پہنچ گئے جہاں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں اور تہی دست اس دوسرے کا مخالف بھی ہے مذہبا بھی اور خاندانی طور سے بھی اور پہاڑ پر پہنچ کر اس تہی دست کے دل میں روپے کا لالچ پیدا ہوا اور نفس نے رائے دی کہ اس کو قتل کر کے روپیہ اپنے قبضے میں کرلو اور یہ قادر بھی ہوا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس موقعہ پر کون چیز ہے

کہ اس کو اس کے ارادے سے باز رکھ سکے دنیاوی خوف تو اس لئے مانع نہیں ہو سکتا کہ یہ فرض کیا جا چکا ہے کہ اس مقام پر کوئی دیکھنے والا نہیں غرض دنیا بھر کے سارے اجزا تلاش کر لیجئے کوئی چیز سوائے خشیت خداوندی کے ایسی نہ ملے گی کہ اس کو اپنے ارادے سے روک سکے تو دیکھئے اس غریب کی جان بچانے کے لئے اس موقعہ پر اگر کوئی چیز مدد کو پہنچی تو وہ صرف خشیت اور مذہب ہے اس کے سوا ہزاروں صورتیں ایسی ہیں کہ اگر مذہب کی روک نہ ہو تو انسان کسی طرح نہیں رک سکتا۔ اودھ میں ایک سب جج مسلمان کے ہاں دو تعلقداروں کا مقدمہ تھا ایک فریق ایک لاکھ روپیہ اور دوسرا سوا لاکھ روپیہ رشوت لے کر پہنچے۔ اب بتلایئے کہ کس چیز نے ان کو رشوت لینے سے روکا کیا تہذیب یا تعلیم نے ہرگز نہیں سینکڑوں تہذیب اور تعلیم یافتہ عام لوگوں کا گلا دبا کر دو دو چار چار روپیہ تک وصول کر لیتے ہیں اور اگر کسی مہذب نے اس سے احتراز ہی کیا تو اسی وقت تک کہ جب تک قلیل مقدار میں ورنہ اتنی بڑی مقدار کے سامنے تہذیب میں ہرگز قوت نہیں رہ سکتی یہ صرف خدا کا خوف تھا جس کی بدولت وہ اتنے بڑے امتحان میں کامیاب ہوئے اور دونوں کی رشوت لینے سے انکار کر دیا اور ہم نے تو آج کل ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں کہ تھوڑی مقدار بھی لینے ان کو عار نہیں۔ ایک عہدہ دار کو کسی دیہاتی نے ایک روپیہ رشوت دینا چاہی اتفاق سے جیب میں ایک روپیہ اور ایک اوھنا پڑا تھا چونکہ ہاتھ بند کر کے دیا اس لئے پتہ نہ چلا اور بجائے روپیہ کے اوھنا دینے لگا اس عہدہ دار نے اول لینے سے انکار کیا مگر جب اس نے اصرار کیا تو لے لیا گھر پر جا کر جو اس دیہاتی نے جیب کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ بجائے روپیہ کے اوھنا دے دیا ہے بہت شرمایا اور شرم اتارنے کو ان کے پاس آیا اور معذرت کر کے ان کو روپیہ دیا اور اوھنا واپس مانگا ان حضرت نے روپیہ بھی لے لیا اور اوھنا واپس نہ دیا اور فرمایا واپس کیوں دیں آخر کچھ آیا ہی ہے گیا تو نہیں تو بعض کی تہذیب تو اس قدر سستی ہوتی ہے کہ دو پیسہ میں بھی بک جاتی ہے اور جن کی کچھ قیمتی ہے وہ محض تھوڑی مقدار ملنے کے وقت مانع ہوتی ہے ورنہ اگر ان کو لاکھ دو لاکھ روپیہ ملے تو ہرگز نہ چھوڑیں غرض قبائح سے روکنے والی چیز اگر کوئی ہے تو صرف مذہب اور خشیت خداوندی ہے تہذیب ہرگز نہیں روک سکتی۔

آج کل کی تہذیب

آج کل کی تہذیب کی حقیقت اور اس کا انجام اگر دیکھنا چاہیں تو کتاب مآل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہم عالم ہیں تو ہم میں خشیت بھی ہے اور جب خشیت بھی ہے تو ہم اس فضیلت میں داخل ہوئے اور مخدوم الخلائق ووارث نبی ہوئے حالانکہ یہ غلط ہے جیسا کہ تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ محض علم سے خشیت ہونا ضروری نہیں اس کے لئے تدبیر مستقل کی حاجت ہے اور عوام کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ علم سے خشیت ہوتی ہے حالانکہ ہم نے تو بہت سے عالم دیکھے ہیں کہ وہ دنیا کے بندے ہیں اور ان کو خدا کا خوف کچھ بھی نہیں ہے تو اس تقریر سے یہ شبہ بھی زائل ہو گیا۔ عوام کے اعتراض کا اکثر لوگ یوں جواب دیا کرتے ہیں کہ جس عالم کو خوف خداوندی نہ ہو اس کا علم معتدبہ نہیں ہے۔

پس جہاں علم معتدبہ ہوگا وہاں خشیت ضروری ہے۔ یہ جواب فی نفسہ تو صحیح ہے مگر اس مقام پر نہیں چلتا اس لئے کہ اس پر مفہوم آیت کا یہ ہوگا کہ خشیت علم پر ضرور مرتب ہوگی اور علم سے مراد علم مع الخشیۃ ہوگا پس خشیت مرتب ہوگی خشیت پر پس تقدم الشئی علی نفسہ لازم آئے گا اور یہ دور صریح ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ خوف کا پیدا کرنا ضروری اور اس کا موقوف علیہ ہے علم۔ اس کو حاصل کرو لیکن علم حصول خشیت کی علت تامہ نہیں بلکہ اس علت کا ایک جزو ہے۔ دوسرا جزو قرآن شریف کے دوسرے مقام سے معلوم ہوا یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ والتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا اللہ (اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور چاہئے کہ ہر نفس غور کرے کہ کل کے لئے کیا بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تقویٰ بمعنی خشیت کا حکم ہے پھر والتنظر میں اس کا طریقہ ہے کہ اپنے اعمال کو سوچا کرو اس کے بعد بطور نتیجہ کے ارشاد ہے کہ اتقوا اللہ یعنی یہ غور و فکر کروگے تو تم کو تقویٰ و خوف حاصل ہو جائے گا۔ علاوہ آیت کے تجربہ سے بھی معلوم ہے کہ نرے علم سے خشیت نہیں ہوتی بلکہ علم کے ساتھ خوض اور غور کی ضرورت ہے غرض دو چیزوں کی ضرورت ہوئی ایک تو علم دین کی کیونکہ یہ نہ ہو تو خشیت ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اذا فات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہو گئی تو مشروط بھی فوت ہو گیا) اور دوسری چیز یہ ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر خوب سوچا کرو کہ قیامت کے لئے ہم نے کیا سامان

تیار کر رکھا ہے جب وہاں پوچھ ہو گی تو ہم کیا جواب دیں گے جس کو دوسری جگہ فرماتے ہیں اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون (قریب آگیا لوگوں کے لئے ان کا حساب اور وہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے اعراض کرنے والے ہیں) اس سے ایک خاص اثر پیدا ہو گا اور جس کو اصطلاح میں حال کہتے ہیں۔

اصلاح کیلئے تین امور کی ضرورت

اصلاح میں تین امر ضرری ہوئے ایک علم دوسرا عمل تیسرا حال چونکہ جب تک حال نہ ہو نرے علم و عمل سے کام نہیں چلتا مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ زنا حرام ہے اور اس پر عمل بھی کرے کہ زنا سے بچا رہے لیکن اس عمل کو بقاء اس وقت نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ اس عمل میں صاحب حال نہ ہو جائے بغیر حال کے عمل ایسا ہے جیسے بے انجن کی گاڑی کہ اس کو ہاتھ سے دھکیل کر کچھ دور تک لے جایئے لیکن جہاں چھوڑ دیجئے رہ جائے گی کیونکہ اس میں آگ نہیں پس یا تو خود انجن بن جاؤ کہ تمہارے اندر آتش محبت الٰہی بھری ہوئی نہیں تو کسی انجن کے ساتھ ہو لو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو وہی حالت ہو گی جس کو پہلی مثال میں عرض کیا۔ حضرت عراقی کہتے ہیں۔

صنما رہ قلندر سزا وار بمن نمائی
کہ درازو دور دیدم رہ ورسم پارسائی

(اے صنم قلندر کا راستہ لائق ہے اگر تو مجھ کو دکھائے اس واسطے کہ میں پارسائی کے راہ ورسم سے دور دیکھتا ہوں)

پارسائی سے مراد عمل محض ہے کہ یہ دور دور اترتا ہے بلکہ اس رستے میں اکثر نیت بھی خراب ہو جاتی ہے اور اخلاص کے ساتھ ریا شامل ہو جاتی ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

بزمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا بر آمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدہ ریائی

(جب میں نے زمین پر سجدہ کیا زمین سے ندا آئی کہ تو نے ریا کے سجدہ سے مجھ کو خراب کیا)

اور فرماتے ہیں کہ۔

بہ طواف کعبہ رفتم بہ حرم رہم ندادند

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عاشق بدنام کو پروائے ننگ و نام کیا
اور جو خود ناکام ہو اسکو کسی سے کام کیا

غرض جب یہ محبت اور جمال محبوب تک کو متوجہ کر دیتا ہے تو آپ کو تو کیا چین سے رہنے دے گا اس یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بربندید محملہا

(مجھ کو جاناں کی منزل میں کیا امن و عیش جبکہ ہر سانس گھنٹہ فریاد رکھتا ہے کہ عمل باندھو)

کہ ہر وقت گھنٹی بج رہی ہے کہ چلو اور بیدار ہو دوسری جگہ کہتے ہیں۔

ایں قدر ہست کہ بانگے جرسے می آید

اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ واقعی گھنٹی بجتی ہو گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ گھنٹی کا کام جگا دینے کا ہے ان کے دل میں ہر وقت ایک محرک تقاضا کرتا ہے اور وہی حال ہے اسی نے بزرگوں کو بے چین کر رکھا ہے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ رات بھر روتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گو بدم من سر من پیدا مکن

(اے خدا اس بندہ کو ذلیل مت کر گرچہ میں برا ہوں میرے بھید کو ظاہر مت کر)

ایک اور بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ رات بھر پریشان رہتے جب بیوی زیادہ تقاضا کرتی تو آرام کرتے لیکن تھوڑی دیر میں پھر چونک کر اٹھ بیٹھتے اور فرماتے کہ کیا کروں یہ آیت نہیں سونے دیتی یا یہا الذین امنوا قوآ انفسکم واھلیکم نارا (اے ایمان والو! اپنے آپ اور اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ حاصل یہ کہ تقوی کے لئے فکر غد ضروری ہے کہ یوں سوچ کہ اس کے لئے ایک خاص زاد کی ضرورت ہے اور وہ ہمارے پاس نہیں ہم بالکل مفلس پراگندہ ہیں یہ ایسا افلاس ہے کہ دنیا کا افلاس اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں دنیا کا افلاس آخر ایک دن ختم ہو جائے گا اور اس افلاس کا کہیں خاتمہ نہیں وہاں یہ حالت ہو گی۔

کہ بازار چندا نکہ آگندہ تر
تہیدست را دل پراگندہ تر

(بازار کتنا ہی سامان سے زیادہ بھرا ہوا ہے خالی ہاتھ والے کا دل زیادہ پریشان ہوتا ہے)
کہ وہاں کا بازار گرم ہوگا اقسام اقسام کی عمدہ چیزیں بجی ہوں گی مگر تمہاری جیب خالی ہوگی ذرا غور کرو اس وقت تمہاری کیا حالت ہوگی

روزانہ اپنے محاسبہ کی ضرورت

صاحبو! ہنوز وقت باقی ہے اپنا علاج کرلو اور زادِ راہ جمع کرلو ولتنظر نفس ایک کلیہ ہے اللہ کے بندوں نے اس کے جزئی طریقے نکال کر بتلا دیئے ہیں ان میں ایک طریقہ یہ ہے کہ دن رات میں ایک وقت تجویز کرلو اور اس وقت بیٹھ کر سوچا کرو سب سے اول یہ سوچو کہ خدا تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں ہم پر ہیں اس کے بعد یہ سوچو کہ ہمارا خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا برتاؤ ہے ہم اس کی نعمتوں کا کس قدر شکر ادا کرتے ہیں اور کچھ بھی نہیں تو صبح سے شام تک کے گناہ ہی گن ڈالے اس کے بعد غور کرے کہ اگر ہمارا یہ برتاؤ کسی دوسرے سے خصوص حاکم یا آقا سے ہوتا تو وہ کیا کرتا اور جو کچھ ذہن میں آئے اس کی بابت سوچے کہ خدا تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ یہ کرسکتا ہے اس کے بعد سوچے کہ میدان قیامت برپا ہے آفتاب قریب آگیا ہے احکم الحاکمین کا اجلاس ہو رہا ہے نہ کوئی بیرسٹر ہے نہ کوئی وکیل ہے اور اس اثناء میں مجھے پکارا گیا ہے فرشتے آئے اور مجھ کو پکڑ کر لے گئے اور وہاں لیجا کر چھوڑ دیا اب مجھ سے میرے اعمال کی باز پرس ہو رہی ہے اور میرے پاس کوئی معقول جواب نہیں نہ کوئی ٹھکانا ہے کہ وہاں بھاگ کر پناہ لوں ہاں سامنے جہنم ہے ملائکہ گرفتار کرکے مجھکو۔

پابدستے دگرے دست بدست دگرے

جہنم کی طرف لے جارہے ہیں بس یہ سوچ کر فوراً سربسجود ہو جاؤ اور نہایت گڑگڑا کر خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور رونا نہ آئے رونے کی صورت بناؤ اور یہ دعاء کرو کہ اے خدا میرے گناہوں کو معاف کر اور مجھے ہمت دے کہ مجھ سے گناہ نہ ہوں یہ تورات کو کرے اور دن میں علماء کے رسائل لے کر ان کو پڑھے اور اپنے بچوں اور بیوی کو بھی پڑھاوے اگرچہ بچے انگریزی ہی پڑھتے ہوں افسوس تم لوگ اولاد کو کندہ جہنم بنانے کے لئے پرورش کرتے ہو صاحبو! جب ان کا مآل یہ ہوا تو ان کے پیدا ہونے سے اور پرورش ہونے سے کیا نفع ہوا اس سے تو پیدا نہ ہوتے اور بچپن میں مرجاتے تو اچھا تھا۔

مرا اے کاشکے مادر نمیزاد
وگر میزاد کس شیرم نمی داد
(مجھ کو کاش کہ میری ماں نہ جنتی اور اگر پیدا کرتی کوئی مجھ کو دودھ نہ دیتا)
اور ان رسائل میں جہاں شبہ ہو اس کو علماء سے حل کر لو۔

خشیت پیدا کرنے کا طریقہ

جب یہ دو کام شروع کر دو گے ان شاء اللہ خود بخود اعمال کی توفیق ہو گی اور یہ حالت ہو جائے گی جس کو فرماتے ہیں یآ ایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کہو سیدھی بات درست کر دے گا وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو) کہ تقویٰ سے مراد خشیت اور قولوا قولاً سدیدًا سے مراد اعمال جب یہ دو کام جمع کر لو گے تو اس سے خشیت پیدا ہو گی پھر اعمال خود بخود درست ہو جائیں گے اور یہ زندگی عمدہ زندگی ہو جائے گی پھر یوں کہہ سکو گے کہ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت ست برجریدہ عالم دوام ما
(ہرگز نہیں مرتا وہ شخص کہ اس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا دنیا کے تمام اخبارات پر ہمارا دوام ثابت ہو گیا)

تم اپنی اس زندگی موجود پر کیا ناز کرتے ہو حیات یہ ہے جس کو حیات ابدی کہتے ہیں اور اگر کسی کو شبہ ہو کہ موت تو آئے گی پھر جدیدہ عالم پر دوام کہاں ہوا۔

تو سمجھو کہ وہ موت ظاہری موت ہے وہ ایسی موت ہے کہ جس کی تم خود تمنا کرو گے کہ وہ آئے تو یہ ہیولائی حجابات کی دیوار اٹھے اور موت کے وقت یوں کہو گے ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جاں شوم
(وہ وقت آ گیا کہ میں برہنہ ہو جاؤں جسم کو چھوڑ دوں اور بالکل روح ہو جاؤں)

گویا جسم کے چھوٹنے پر خوش ہو گے اسی لئے کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم
راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے
تادر میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(میں خوش ہونگا اس دن کہ اس ویران منزل (دنیا) سے چلا جاؤں۔روح کا آرام طلب کرتا ہوں اور جاناں کے دربار میں چلا جاؤں۔ میں نے نذر کی کہ اگر یہ دن غم کے ساتھ بسر ہو جائیں تا کہ شراب خانہ کی طرف خوش خوش غزل پڑھتا ہوا جاؤں)

حکایت حضرت صاحب جیؒ

اللہ اکبر کیا خوشی ہے صاحبو وہ اس موت کو اتنا خفیف سمجھتے ہیں کہ اس کی تمنا کرتے ہیں اور اس زندگی کا ان کو ایسا یقین ہے کہ اس یقین کے بعضے آثار تک ظاہر ہونے لگتے ہیں چنانچہ ہمارے حضرت مرشدؒ نے مرض الموت میں ایک بزرگ سے یہ وصیت فرمائی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے جنازے کے ساتھ ذکر ہو دیکھئے ان کو پورا یقین تھا کہ میں اس حیات کی وجہ سے استماع ذکر سے متلذذ ہوں گا مگر اتفاق سے ان بزرگ نے کہا کہ مناسب نہیں حضرت اسی پر راضی ہوئے اور کسی کو اس وصیت کی اطلاع نہیں ہوئی اتفاق سے جس وقت جنازہ چلا اسی کے ساتھ ایک عرب تھے انہوں نے للکار کر کہا ایھا الناس اذکروا اللہ (اے لوگو! خدا تعالیٰ کو یاد کرو) چنانچہ ذکر ہونے لگا یہ کرامت ہے کہ ان حضرات کی تمنا پوری ہو کر رہتی ہے خوب کہا ہے۔ ع تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں۔ اور ایک دوسرے بزرگ نے یہ وصیت کی تھی کہ میرے جنازے کے ساتھ یہ اشعار پڑھتے چلیں۔

مفلسا نیم آمدہ در کوئے تو   شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما   آفریں بر دست و بر بازوئے تو

(مفلس ہیں ہم اور تیرے کوچہ میں آئے ہیں تیرے رخ انور کے جمال سے اللہ کے لئے کچھ مجھ کو بھی۔ہاتھ کھول ہماری بھیک کی جھولی کی طرف شاباش تیرے ہاتھ اور بازو پر)

حضرات! اگر روح میں حیات نہ تھی تو یہ وصیتیں کیوں کیں اور فقط یہ نہیں کہ یہ محض ان کا خیال ہی ہو بلکہ بعض اوقات آثار کا بھی ظہور ہوا ہے حضرت سلطان نظام الدین اولیاء قدس سرہ کی حکایت ہے کہ جب ان کا انتقال ہو گیا اور جنازہ لے چلے تو جنازے پر ان کے ایک خادم نے یہ اشعار پڑھنا شروع کئے۔

سرو سیمینا بصحرا میروی سخت بے مہری کہ بے ما میروی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو تو کجا بہر تماشا میروی

(ہمارا سرو سیمین ہمارا وہ محبوب جس کا قد سرو جیسا اور جسم چاندی جیسا ہے جنگل کی طرف جاتا ہے بڑی بے وفائی ہے کہ ہمارے بغیر جاتا ہے اے پیارے تیرا چہرہ تماشا گاہ عالم ہے تو تماشا کے لئے کہاں جاتا ہے)

لکھا ہے کہ ہاتھ کفن کے اندر بلند ہو گیا- آخر یہ کس چیز نے ہاتھ بلند کرا دیا تھا- پھر کیا یہ کہنا غلط ہے کہ ع ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما- مگر مجھے خوف ہے کہ جہلا ان کو زندہ سمجھ کر ان سے مرادیں نہ مانگنے لگیں لیکن مرادیں مانگنا زندوں سے کب جائز ہے کہ بر تقدیر ان کی زندگی کے ان سے جائز ہو دوسرے ان سے مانگو تو وہ چیز مانگو جو ان کے پاس ہو مال و دولت یا اولاد ان کے پاس کہاں ہیں کہ وہ تم کو دیدینگے ان کے پاس صرف ایک چیز ہے جس کو ساری عمر انہوں نے ڈھونڈھا اور اسی میں عمریں تمام کر دیں یعنی خدا تعالی سو اس کو اس کی مرضی کے موافق ان سے مانگو- تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ زندگی کیسی زندگی ہے اور اس کے حاصل ہونے کا طریق کیا ہے علم دین سیکھو اس پر عمل کرو اور اس عمل کو حال بنالو اس سے دین بھی درست ہو گا اور دنیا بھی دنیا اس معنی کو کہ تم کو راحت کلی نصیب ہو گی یہ نہیں کہ بہت سامال مل جائے گا-

تفسیر آیت متلوہ

آگے ارشاد فرماتے ہیں ان اللہ عزیز غفور سبحان اللہ کیا بلاغت ہے کہ اول عزیز فرمایا اس کے بعد غفور پر خاتمہ آیت کیا کیونکہ اگر اس کا عکس کرتے کہ اول غفور فرماتے اور پھر عزیز فرماتے تو چونکہ خاتمہ مضمون جلال پر ہوتا اس لئے غلبہ خوف سے مایوسی ہو جاتی کہ ہم تو اس قدر گنہگار اور خدا تعالی ایسے قہار تو ہماری مغفرت کس طرح ہو گی بر خلاف اس ترتیب کے کہ اس میں خاتمہ مضمون رحمت پر فرمایا ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اول کچھ باز پرس ہوئی بھی تو انتہا رحمت ہی پر ہو گی لہذا تم مایوس نہ ہو جاؤ- اب خدا تعالی سے دعا کیجئے کہ وہ عمل کی توفیق دے آمین-

۱۱ مِلّتِ اِبراھِیم علیہ السلام

ملت ابراہیم

سورتی جامع مسجد رنگون میں ۹ ربیع الثانی ۲ جنوری ۱۹۲۰ء کو دو گھنٹہ ۴۰ منٹ تک بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۲ ہزار سے زائد تھی۔

الحمدللّٰہ نحمدہ و نستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھدان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ونشھدان سیدنا ومولانا محمدً اعبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ واصحابہ و بارک وسلم امابعد- فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الامن سفہ نفسہ ولقد اصطفیناہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین اذقال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین

اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور ہم نے ان کو دنیا میں منتخب کیا اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں- جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انہوں نے عرض کیا میں نے اطاعت اختیار کی رب العلمین کی-

دین کے اصل الاصول

جس آیت کی میں نے اس وقت تلاوت کی ہے اس میں ایک خاص مضمون مذکور ہے جس کو با قتضائے وقت بیان کے لئے اختیار کیا گیا ہے اور وہ مقتضائے وقت یہ ہے کہ یہ تو سب حضرات کو معلوم ہے کہ رنگون میں میرے حاضر ہونے کا یہ سب سے پہلا موقع ہے اس سے قبل نہ میرا یہاں کوئی بیان ہوا نہ یہاں میرے حاضر ہونے کا کبھی اتفاق ہوا اور جب حاضری ہی کا اتفاق نہیں ہوا تو موقع بیان کا تو کیا ملتا۔ تو گویا یہ اول بیان ہے میرا اس مقام پر۔ اس لئے جی یوں چاہتا ہے کہ ایسے مضمون کے متعلق بیان کیا جائے جو سب میں اولیت کا استحقاق رکھتا ہو اور یہ تو ظاہر بات ہے کہ ہم لوگوں کی حالت کے مناسب بیان ہے تو دین ہی کا ہے تو دین کے اجزا میں جو سب سے اول مقدم جزو ہو اس کو اس وقت بیان کرنا زیادہ زیبا ہے ہر شخص جانتا ہے

کہ دین میں اجزا مختلف ہیں۔ یعنی کچھ اصول ہیں اور کچھ فروع اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ اصول ہمیشہ قابل تقدیم ہوا کرتے ہیں اور مقدم ہوا کرتے ہیں فروع پر۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ ایک تیسری بات اور بھی ہے جو سمجھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ خود اصول میں بھی دو درجے ہوا کرتے ہیں۔ ایک تو اصول اور ایک اصل الاصول تو ضرور ہوا کہ دین کے اندر بھی سب قسم کے اجزاء ہوں بعض تو فروع کہنے کے قابل اور بعض اصول کہنے کے قابل پھر حسب قاعدہ مذکورہ جو اجزاء اصول کہنے کے قابل ہوں ان میں بھی ایک نہ ایک ایسی چیز ہونی چاہئے جو ان اصول کی بھی اصل ہو اور جس کو اصل الاصول کہہ سکیں۔ اب رہی اس کی تعیین سو ہر شخص کو معلوم ہے کہ دین کے اندر اصل الاصول کیا چیز ہے ظاہر بات ہے کہ وہ ایسی چیز ہو گی جس کے مقابلہ میں نہ کوئی اصل معتدبہ درجہ رکھتی ہو نہ کوئی فرع یہ سب مقدمات بالکل ظاہر ہیں۔ اس کے بعد میں اپنے مسلمان بھائیوں کے فقط ایک اجماعی عقیدہ کو نقل کئے دیتا ہوں۔ اس سے خود تعیین اس اصل الاصول کی ہو جائے گی۔ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور منصوص ہے اور منصوص بھی بنص قطعی کہ بدون اسلام کے کوئی طاعت مقبول نہیں۔ جب طاعت پر مقبولیت ہی مرتب نہ ہوئی تو کوئی چیز معتدبہ نہ ہوئی اس کو سب مسلمان مانتے ہیں کسی سے خلاف وارد نہیں اور اگر کوئی خلاف کرے بھی تو وہ مسلمان نہیں کیونکہ نص قطعی کا انکار ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں اس کی تصریح فرما دی ہے ومن يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منه (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ دین اس سے (نزد خدا) مقبول نہ ہو گا) اس آیت میں تو صاف نفی کر دی ہے دوسرے ادیان کے مقبول ہونے کی۔

بغیر اسلام کے کوئی عمل مقبول نہیں

دوسری آیت میں گو عنوان مختلف ہے لیکن مضمون یہی ہے ارشاد ہے ان الدين عند الله الاسلام حصر کے ساتھ فرماتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک دین فقط اسلام ہے اس میں بھی نفی ہے دیگر ادیان کی صحت کی اس کے علاوہ جا بجا جہاں اعمال کے نافع ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ قیدیں بھی مذکور ہیں وهو مومن وهو محسن یہ

قیدیں تصریحاً ظاہر کرتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بدون اسلام کے کوئی عمل مقبول نہیں- کوئی کتنا ہی بڑا عمل کرے لیکن مسلمان نہ ہو تو وہ عمل کچھ بھی نہیں- کوئی لاکھ مجاہدے ریاضت کرے مگر مسلمان نہ ہو تو کوئی معتدبہ نتیجہ نہیں کیونکہ اس کی عبادت کے اندر کوئی مقبولیت نہیں چنانچہ خود حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ ایسوں کے حق میں ارشاد فرماتے ہیں اولئك الذین لیس لھم فی الآخرۃ الاالنار وحبط ماصنعوا فیھا وباطل ماکانوا یعملون (یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انہوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے) غرض یہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ اہل عقل خوب سمجھتے ہیں کہ کسی شخص میں اگر سلطنت وقتیہ کی اطاعت نہ ہو تو اس کے سارے کمالات گرد اور ہیچ ہیں- بس اسی کے درجہ میں یہ امر ہے جو میں عرض کر رہا ہوں ہر چند اس مثال کی کوئی ضرورت اور حاجت نہ تھی کیونکہ مثال توضیح کے لئے ہوا کرتی ہے سو اس مسئلہ میں کونسا خفا تھا جو اس کی توضیح کے لئے اس مثال کی ضرورت واقع ہوئی مگر ضرورت اس مثال کی یہ ہوئی کہ آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑا ہے کہ ایسی موٹی بات میں بھی شبہ پیدا ہونے لگا ہے-

عقیدہ کی اہمیت

جو عقیدے کے درجہ میں گو نہ ہو لیکن رائے کے درجہ میں ضرور ہے وہ شبہ مجھے اس وقت یاد آگیا اور وہ شبہ ہی محرک ہوا اس کا کہ اس مثال سے اس کو رفع کیا جائے بعض خطوط میرے پاس آئے ان میں یہ شبہ پیش کیا گیا تھا کہ صاحب یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو مسلمان نہ ہو اس میں سارے کمالات موجود ہوں لیکن اس کو نجات نہ ہو گی- تو بعض مدعیان عقل نے یہ شبہ پیش کیا کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص میں تمام کمالات موجود ہیں سخاوت بھی مروت بھی ایثار بھی قومی ہمدردی بھی آج کل بس یہ اخلاق شمار کئے جاتے ہیں اور آج کل بڑی تہذیب ان اخلاق ہی کو سمجھا جاتا ہے اور عقائد کو عقیدۃً تو نہیں لیکن حالاً دائرہ مفہوم تہذیب سے گویا خارج ہی کر دیا ہے بلکہ عقائد کے اندر تو اپنے آپ کو بالکل مختار ہی سمجھ لیا ہے سمجھتے ہیں کہ عقیدہ تو محض خیال کا نام ہے اور خیال کو بھلا کیا دخل نجات میں عقاید کو تو یوں بغیر

ضروری قرار دے دیا ہے اعمال سو اعمال کو کسی درجہ میں ضرور موثر سمجھتے ہیں مگر ان میں بھی سب اعمال نہیں محض چند اعمال جن کا نام اخلاق رکھ لیا ہے اور انہوں کو مدار ٹھہرا دیا ہے ترقی اور کمال کا اور انہیں اخلاق کا نام تہذیب رکھا ہے۔ اور ان کے یہ کام ہیں ترحم ایثار ہمدردی نفع رسانی حب قومی۔ بس ان چند اخلاق میں تہذیب کو منحصر سمجھ کر شبہ پیش کر دیا کہ ایک شخص سب بزرگوں کی تعظیم تکریم بھی کرتا ہے۔ کسی نبی کی اہانت بھی نہیں کرتا۔ کسی کا دل بھی نہیں دکھاتا۔ داد و دہش بھی کرتا ہے مگر فقط رسالت کا منکر ہے گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بھی نہیں کرتا۔ اور خدا کو بھی مانتا ہے یا خدا کو بھی نہیں مانتا تو یہ کہا جائے گا کہ صرف دو مفروض کمالات نہیں ہیں پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف ان دو مفروض کمالات کے نہ ہونے سے اس کے سارے کمالات پر کیسے خاک ڈال دی جائے گی اور اس کو جہنم میں ٹھونس دیا جائے گا یہ تو بڑی بے رحمی کی بات ہے اور شبہ کو اس سے قوی کرتے ہیں کہ اس کے مقابلہ میں ایک ایسا شخص ہے جو نہ حلال حرام کی پروا کرتا ہے نہ فرائض کو ادا کرتا ہے۔ نہ نماز کا نہ روزہ کا بلکہ پرلے درجہ کا فاسق و فاجر اور بدکار غرض تمام اعمال اور اخلاق اس کے خراب مگر ہے مسلمان تو کہتے ہیں کہ صاحب چونکہ مسلمان ہے اس لئے کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور جائے گا خواہ کٹ پٹ کر ہی جائے مگر جائے گا ضرور۔ تو یہ سمجھ میں نہیں آتا یوں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں لیکن بظاہر یہ معاملہ خدا کی شان کے خلاف ہے یہ تو بالکل تعصب معلوم ہوتا ہے۔ تو یہ شبہ پیش کرتے ہیں۔ بھلا غور تو کیجئے کیسے افسوس کی بات ہے۔ یہ شبہ ان لوگوں کی زبان اور قلم سے نکلتا ہے جو اپنے کو سچا اور پکا مسلمان بلکہ قوم کا لیڈر اور مصلح خیال کرتے ہیں وہ شبہات پیش کرتے ہیں۔

خود ساختہ محقق

سو حضرت میں ان شبہات کا راز بتلا دوں۔ جو جاہل ہو کر اپنے کو محقق سمجھے گا وہ ایسی ہی خرابی میں پڑے گا حضرت تحقیق کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ بہت بڑی چیز ہے۔ میں سچ عرض کرتا ہوں کہ یہ ساری خرابی ان کی دعوئے تحقیق کا نتیجہ ہے یعنی انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم محقق ہیں حالانکہ لوازم میں سے تحقیق کے یہ سمجھنا

بھی ہے کہ ہم محقق نہیں ہیں- جب علم و کمال کے ساتھ یہ اعتقاد نہ رہے کہ ہم محقق ہیں تب کہیں جا کر انسان محقق ہوتا ہے- اگر یہ لازم منفی ہے تو محقق شدن بھی منفی ہے چاہے عالم فاضل ہی کیوں نہ ہو- اور چہ جائیکہ عالم فاضل بھی نہ ہو چنانچہ آج کل جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں ان کا مبلغ علم بھی تو کچھ نہیں- بس کچھ تاریخیں پڑھ لیں کچھ فلسفہ پڑھ لیا اور سمجھنے لگے کہ ہم بہت بڑے محقق ہیں- جب اپنے نزدیک محقق ہو گئے تو پھر یہ خیال غالب ہو گیا کہ جو ہماری رائے کے خلاف ہے وہ واقع اور تحقیق کے بھی خلاف ہے چنانچہ جو چاہا شبہ پیش کر دیا-

باغی سلطنت

چنانچہ یہ بھی ایک شبہ پیش کر دیا جو میں نے عرض کیا- میں نے اس لئے اس مثال کی ضرورت سمجھی کہ یہ شبہ رفع ہو جائے ورنہ فی نفسہ یہ مسئلہ بالکل صاف تھا اور محتاج مثال نہ تھا- تقریر یہ ہے اس مثال کے انطباق کی کہ میں صاحب اعتراض اور صاحب شبہ سے گورنمنٹ کا قانون پوچھتا ہوں کہ ایک شخص ہو نہایت لائق جس کو تمام کمالات اعلیٰ درجہ کے حاصل ہوں مگر باغی ہو یعنی سلطنت کی اطاعت نہ کرتا ہو اس کی کیا سزا ہے- سب جانتے ہیں کہ اس کی سزا پھانسی ہے یا عبور دریائے شور یا حبس دوام اب ایک شخص ایسے مجرم کے مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں حاضر ہے جج صاحب نے سزائے حبس دوام کا حکم سنایا آپ نے سنا- سن کر آپ نے پوچھا- کیوں صاحب اس پر کیا الزام لگایا گیا ہے اور کون سی دفعہ قائم کی گئی ہے جو اس قدر سخت سزا تجویز کی گئی-

جج صاحب نے کہہ دیا اس نے بغاوت کا جرم کیا ہے اس لئے اس حبس دوام کی سزا دی گئی ہے یہ سن کر آپ کیا فرماتے ہیں کہ حضور کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص ایم اے ہے ایل ایل بی ہے اور بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کئے ہوئے ہے انگریزی ایسی جانتا ہے کہ انگریز بھی نہیں جانتے- جج صاحب نے کہا ہاں معلوم ہے- پھر کہا حضور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ شخص سائنس کا بھی بڑا ماہر ہے اس نے وہ وہ صنعتیں ایجاد کی ہیں کہ اہل یورپ بھی دنگ ہیں- کہا ہاں سب معلوم ہے- پھر کہا بڑے ہی غضب کی بات ہے اور بڑی بے انصافی ہے کہ اس کی ساری لیاقتیں پس پشت ڈال دی

گئیں اور ساری قابلیتیں خاک میں ملا دی گئیں فقط اتنی سی بات پر کہ باغی ہے حبس دوام کی سزا دیدی گئی۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جج کے اس حکم پر کبھی وسوسہ بھی ذہن میں نہ آئے گا کہ ایسی سخت سزا انصاف کے خلاف ہے یا ترحم کے خلاف ہے۔ کیونکہ سمجھ لو گے کہ بغاوت جرم ہی ایسا ہے جس کی یہی سزا ہونی چاہیے۔ اگر اس صاحب شبہ کو جج کے فیصلہ پر بھی وسوسہ آتا تو خیر یہ کہا جا سکتا تھا کہ بیچارہ کیا کرے اس کی سمجھ ہی موٹی ہے اس لئے جو وسوسہ خدا پر پہنچا وہی جج پر بھی پہنچا۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ جج کے فیصلے پر تو کبھی وسوسہ نہ آیا اور خدا نے جو اسی کے مثل فیصلہ فرمایا اس پر شبہ پیش کر دیا۔ پھر اے صاحبو! یہ کیسا ایمان ہے اور یہ کیسا اسلام ہے کہ اس شخص کے نزدیک جج کا فیصلہ تو عقل کے قریب اور خدا کا فیصلہ عقل سے بعید انا اللّٰہ وانا الیہ راجعون (اور ہم سب اللہ تعالیٰ کے پاس جانے والے ہیں) ایک شخص سلطنت سے بغاوت کرے تو اس کے سارے اعمال اور اس کی ساری خوبیاں ضبط ہونا تو معقول جو خدا سے بغاوت کرے اس پر شبہ اور اس شبہ کے جواب کے بعد ایک شبہ اور کیا جاتا ہے کہ یہ تو سمجھ میں آگیا کہ اگر خدا سے بغاوت کرے تو واقعی اس کے سارے اعمال حبط ہی ہو جانے چاہئیں۔

انکار رسالت کفر ہے

لیکن اگر کوئی خدا کو بھی مانتا ہو مگر صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتا ہو تب تو اعمال کے حبط ہو جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں معلوم ہوتی۔ اور اس شبہ میں بہت سے لوگ مبتلا پائے گئے کہ وہ انکار رسالت کو کفر نہیں سمجھتے میں کہتا ہوں کہ اول تو نصوص قطعیہ اس کی تکذیب کرتی ہیں اور جن نصوص سے یہ شبہ واقع ہوا ہے ان کی صحیح تفسیر ان لوگوں نے نہیں سمجھی یہ تو کلام ہے نقل، تحقیق کی حیثیت باقی عقل و الزام کی حیثیت سے یہ جواب ہے کہ جو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا وہ واقع میں خدا کو بھی نہیں مانتا۔ اور مان بھی نہیں سکتا۔ اس کو یوں سمجھے کہ خدا کے ماننے کے معنے کیا ہیں ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اسے کہتے ہیں کہ جیسا خدا ہو ویسا ہی اسے اعتقاد کرے۔ اگر کسی نے اور طرح کا مان لیا تو اس نے خدا کو نہیں مانا بلکہ اپنے خیال کو مانا مثلاً اگر کوئی کہے کہ میں بادشاہ کو مانتا ہوں۔ اور کوئی پوچھے کہ خبر بھی

ہے بادشاہ کیسا ہے اور وہ کہے کہ اس کے ایک آنکھ ہے ایک ٹانگ ہے ہاتھ دونوں کٹے ہوئے ہیں حالانکہ دراصل بادشاہ بہت حسین و جمیل ہے اور اس میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ اس نے بادشاہ کو مانا- بادشاہ کو کہاں مانا- بادشاہ تو نہایت حسین و جمیل ہے اور سب نقائص سے پاک ہے- اس نے تو اپنے خیال سے ایک نیا بادشاہ تصنیف کر لیا ہے اس کو مانا ہے تو خدا کے ماننے کے یہ معنے ہیں کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی اسے مانے یعنی تمام کمالات کے وجود کا اس میں اعتقاد رکھے اور چونکہ منجملہ کمالات کے ایک کمال سچا ہونا بھی ہے اس لئے اگر خدا کو سچا نہ مانے تو یہ بھی خدا کا نہ ماننا ہی ہوا بلکہ انکار ہی ہوا- جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب یہ دیکھئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لہذا جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تو خدا کو جھوٹا سمجھا اور اس کے ایک کمال کا انکار کیا یعنی سچے ہونے کا ان سب مقدمات سے یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ جب کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانا تو وہ خدا سے باغی ہوا اور اس کو تسلیم ہی کر لیا گیا ہے کہ جس نے خدا سے بغاوت کی وہ مستحق ہے عذاب ابدی کا- تو صاحبو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باغی ہونا مستلزم ہے خدا سے باغی ہونے کو اور اس کا جرم عظیم ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے اسی طرح غیر باغی مجرموں کی سزا میں یہ اعتراض اور وسوسہ بھی کسی کو نہیں ہوتا کہ صاحب فلاں تا مجرم تھا اس نے جوا کھیلا تھا یا ڈکیتی کی تھی یا چوری کی تھی اس کو بھی سزا تو دی مگر اس کے برابر نہیں جس نے بغاوت کی تھی دو برس کی قید بھگت کر پھر رہا ہو گیا اور پھر آ کر اپنے بیوی بچوں کی صورت دیکھ لی- تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی کھلی ہوئی بد تہذیبی کے افعال کے مجرموں کے ساتھ تو ایسی نرمی برتی گئی جن کے اعمال اور اخلاق سب نہایت ناگفتہ بہ اور ایک شخص اتنا صاحب کمال اور ذی لیاقت و وجاہت اور اس کو سزائے حبس دوام دیدی گئی اور دوسرے مجرموں کو بھی قید کی سزا تو دی گئی لیکن ان کی سزا میں ایک ایسی میعاد بھی ہے جس کے بعد رہائی ہو جائے گی لیکن یہ بیچارہ باغی کبھی رہا ہی نہ ہو گا ساری عمر جیل خانہ ہی میں گذرے گی- ہمیشہ کے لئے اپنے دوست احباب بیوی بچوں سے جدا کر دیا گیا- بھلا یہ بھی کوئی انصاف ہے سو یہ شبہ کسی کو نہیں ہوتا اگر کسی کو یہ شبہ ہو بھی اور جج سے کوئی یہ سوال بھی کرے تو وہ کیا کہے گا- یہی کہے گا کہ ان دونوں میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

یا نہیں تو آپ کہیں گے کہ ہاں یہ بھی ایک درجہ مالدار ہونے کا ہے اور اگر کسی کے پاس صرف پچاس ہی روپیہ ہوں تو اس کے متعلق بھی آپ کہہ دیں گے کہ ہاں یہ بھی کچھ درجہ کہا جاسکتا ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ والے کے بارہ میں آپ سے یہی سوال کیا جائے کہ وہ بھی مالدار کہا جاسکتا ہے یا نہیں تو آپ پوچھنے والے پر ہنسیں گے کہ آپ بھی عجب عقلمند ہیں کہیں ایک پیسہ کے مالک کو بھی مالدار کہتے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی مال میں مال ہے۔ مگر حضرت میں پوچھتا ہوں کہ مال کہتے ہیں کس کو۔

مالدار کی مثال

مال کی تعریف آخر یہی تو ہے عین ینتفع بہ یعنی جس عین سے یا یوں کہئے جس ذات سے کوئی نفع حاصل کیا جاسکے پھر میں کہتا ہوں ایک پیسہ سے بھی تو نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک پیسہ کا تیل لیکر ڈبیہ میں ڈال دو پھر دیکھو رات بھر گھر میں کیسا اجالا رہتا ہے۔ تو کیوں صاحب جب اس پیسہ پر مال کی تعریف صادق آتی ہے تو اس کے مالک کو مالدار کیوں نہ کہا جائے گا۔ آپ اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ بھائی مالدار تو اسی کو کہیں گے جس کو قابل اعتبار درجہ مال کا حاصل ہوا۔ اگر ایک پیسہ والا بھی اپنے کو مالدار کہے یا سمجھے تو شرم کی بات ہے اس کا اپنے آپ کو مالدار کہنا لغۃً صحیح ہے مگر معتدبہ مالدار تو اسی کو کہیں گے جس کے پاس معتدبہ مقدار مال کی ہو خلاصہ یہ کہ معتدبہ مقدار کے مالک کو مالدار کہتے ہیں۔ غرض یہاں تو آپ نے یہ منطق سیکھ لی کہ مطلق کو اس کے اطلاق پر نہ رکھا بلکہ اس کو مقید کیا ایک مقدار خاص کے ساتھ اس مقدار تک پہنچنے سے قبل اس کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس کو مالدار کہیں۔ سو یہاں تو آپ نے یہ منطق یاد کر رکھی ہے اور اسی کی نظیر میں آپ ہم سے الجھتے ہیں۔ بس ایک کلمہ پڑھ کر دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور کہتے ہیں کہ آخر مسلمان کہتے کس کو ہیں اسی کو نا جس کے پاس اسلام ہو۔ سو ہم کلمہ گو ہیں ہی اس لئے ہم بھی مسلمان ہیں۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ ہاں مسلمان وہی ہے جس کے پاس اسلام ہو لیکن کیسا اور کس درجہ کا اسلام ہو۔ آیا کوئی خاص درجہ اسلام کا مراد ہے یا کسی درجہ کا ہو۔ آپ کے نزدیک کافی ہے۔ کچھ خبر بھی ہے اس کے درجات کتنے ہیں حضرت اس کے بہت سے درجات ہیں جن میں سے اس وقت صرف دو کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جن کو

سب مانتے ہیں ایک ادنیٰ درجہ ایک اعلیٰ درجہ ادنیٰ درجہ اسلام کا کسے کہتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں کہ جس کے بدون مسلمان ہی نہ کہا جا سکے اور وہ کون سا ہے۔ وہ اس کا قائل ہونا اشهدان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهدان محمدا عبده ورسوله (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر کوئی اس کا بھی قائل نہ ہو تو وہ کافر ہے۔ یہ تو گویا ادنیٰ درجہ ہوا اسلام کا اب آگے اس کی تکمیل ہوتی ہے نماز سے روزہ سے کثرت ذکر سے خشیت سے معرفت سے صبر سے توکل سے اخلاص سے وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہ سب مکمل ہیں اسلام کے یہ اسلام کا اعلیٰ درجہ ہوا۔ تو یہ دونوں درجے اسلام کے وہ ہیں جن کو سب مانتے ہیں اب ہم پوچھتے ہیں کہ ہمارا آپ کا اسلام کون سے درجہ کا ہے اس پر کوئی شیخی باز کہنے لگے کہ جو کامل الاسلام کہے جاتے ہیں وہی کون سے تیر چلا رہے ہیں ان میں ہم سے زیادہ کیا چیز ہے۔ یہی نماز روزہ وہ بھی کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں پھر ہم سے کس درجہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مگر حضرت آپ ہیں کس ہوا میں ہم میں ان میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے پاس تو محض صورت ہے نماز روزہ کی معنی ہیں نہیں اور اس میں میں اپنے آپ کو بھی داخل کرتا ہوں۔ قطع نظر تواضع سے۔ کیونکہ یہ موقع تواضع کا نہیں ہے اس وقت تو بیان واقع کا کیا جا رہا ہے۔ غرض ہم لوگ ادنیٰ درجہ کے مسلمان ہیں اب میں پوچھتا ہوں کہ اس ادنیٰ درجہ کے اسلام پر آخر آپ کیوں کفایت کرتے ہیں آگے کا درجہ کیوں نہیں حاصل کرتے جیسا کہ مال کے ادنیٰ درجہ پر کوئی قناعت نہیں کرتا۔

ایک نئی منطق اور اس کا جواب

یہاں پر آ کر اپنی وہ منطق سب بھول گئے بلکہ ایک نئی منطق ایجاد کی ہے کہتے ہیں کہ صاحبو حدیث شریف میں آیا ہے من قال لا اله الا الله فدخل الجنة جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا سو اس درجہ کا اسلام ہمارے پاس ہے ہی باقی ہم سے نماز روزہ کا جھگڑا نہیں ہوتا اجی جنت میں داخل ہونا ضروری چیز ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما ہی چکے ہیں کہ من قال لا اله الا الله فدخل الجنة میں کہتا ہوں کہ صرف دخل ہی فرمایا ہے یا یہ بھی فرمادیا ہے کہ دخل دخولاً اولیا۔ یعنی فوراً جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے

کہ جنت میں جائے گا- لیکن کب جائے گا اس میں دو احتمال ہیں ایک تو یہ کہ سزا کے قبل جائے سو آپ کو کیا حق ہے اس کی تعیین کا- کیا کوئی دلیل آپ کے پاس ہے اس کی دلیل تو کیا ہوتی بلکہ الٹی اس کے خلاف پر دلیل قائم ہے حدیث میں شراب خوری پر سود لینے پر جھوٹ بولنے پر حقوق ضائع کرنے پر غیبت پر چغل خوری پر بد نظری وغیرہ پر سخت سخت وعیدیں آئی ہیں- پھر آخر یہ حدیثیں کیا بیکار ہیں یا نعوذ باللہ سچی نہیں ہیں یہ بھی سچی ہیں اور یہ حدیث بھی سچی ہے من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنة دونوں سچی ہیں کیونکہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ہیں لہذا میں دونوں کو جمع کرتا ہوں کیونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں تعارض اور تناقص ہو نہیں سکتا تو لامحلہ وہ مضمون جنت میں داخل ہونے کا بھی ٹھیک ہے اور وہ دوزخ کی وعیدیں بھی سچی ہیں- یہ دونوں قسم کی حدیثیں دو طرح سچی ہو سکتی ہیں- یعنی عقلاً دو احتمال ہیں ایک صورت یہ کہ اول اپنے معاصی کی سزا پانے کے لئے دوزخ میں داخل کیے جائیں پھر ایمان کی وجہ سے وہاں سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں اور ایک صورت یہ کہ پہلے جنت میں داخل کیے جائیں پھر دوزخ میں لیکن اس کا تو کوئی قائل ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ تو نصوص قطعیہ سے منتفی ہے کہ جنت میں پہنچا کر پھر وہاں سے نکالا جائے- ضرور دوسری شق کو متعین کیا جائے گا اور وہی نصوص کے مطابق بھی ہے یعنی پہلے دوزخ میں سزا پا کر پھر جنت میں داخل کیے جائیں گے خواہ ایک دن کے بعد یا ہزار برس کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور وہاں کا تو ایک دن بھی یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہے تو ہزار برس تو کیا کچھ ہو گا چنانچہ ارشاد ہے وان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون (اور آپ کے رب کے پاس کا ایک دن برابر ایک ہزار سال کے ہے تم لوگوں کے شمار کے موافق) یعنی ہمارے یہاں کا ایک دن تمہارے یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہے اگر وہاں ایک دن کی بھی حوالات ہو گئی تو یہاں کے ہزار برس کی قید کے برابر سمجھئے لیکن ہر حال میں کبھی نہ کبھی ختم تو ضرور ہو گا مگر قبل جنت کے جو جہنم میں سزا ہوئی ہے کیا وہ ایسی ہی سزا ہے جیسی دنیا کی جس کے متحمل ہو سکتے ہیں- اگر ایسی ہی ہوتی تو خیر یہ کہہ سکتے تھے کہ چلو دوزخ ہی میں چند روز رہ آئیں گے مگر اے صاحبو وہاں کی سزا کا کیا ٹھکانا ہے اللہ تعالیٰ بچاوے جن اعمال کو لذت کے لئے اختیار کیا تھا ان سے اس قدر لذت نہیں

پہنچی جس قدر ان کی سزا کے اندر کلفت ہو گی- میں کہتا ہوں کہ عمر پچاس ساٹھ برس کی ہوئی- پھر اس میں بھی جو انتفاع کے قابل زمانہ ہوتا ہے وہ تو چند ہی ایام ہوتے ہیں- اور گناہ سے لذت اٹھانے کی تو کچھ ساعتیں ہی ہوتی ہیں اس کے بعد کچھ بھی نہیں تو اس کے لئے ہزار برس کی قید جو کہ ادنیٰ درجہ کی ہے گوارا کرنا کون سی عقل کی بات ہے- بہر حال اس حدیث من قال لا اله الا الله دخل الجنة سے تمسک کرنا بے فکری کے لئے کافی نہیں- یہ تو ایک عقیدہ کی تعلیم ہے کہ مومن خلود فی النار سے محفوظ رہے گا کبھی نہ کبھی جنت میں ضرور داخل ہو گا- مگر یہ کہاں کہا گیا ہے کہ اس کو اس طرح گناہوں کے کرنے میں استعمال کیا جائے- اس طرح سے جان کر اس کو گناہوں کے کرنے میں استعمال کرنا یہ تو بڑی ہی ناشکری اور دلیری بلکہ گستاخی ہے خلاصہ یہ کہ یہاں وہ منطق کہ ادنیٰ درجہ پر قناعت نہیں کی جاتی بھول گئے اور ادنیٰ درجہ کے اسلام کو مسلمان بننے کے لئے کافی سمجھ لیا تو ایسے کو مسلمان کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہم ایک پیسہ کے مالک کو مالدار کہنے لگیں گو جیسے وہاں باعتبار اطلاق کے ایسے شخص پر مالدار ہونا صادق آتا ہے اسی طرح یہاں بھی ایسے شخص پر مسلمان ہونا صادق آتا ہے مگر جیسا کہ وہاں اس پر نظر ہے کہ جب معتدبہ مقدار مال کی نہ ہوئی تو وہ کیا مال ہوا ایسے ہی یہاں نظر چاہئے کہ جب معتدبہ درجہ اسلام کا نہ ہوا تو وہ کیا اسلام ہوا- یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار معتدبہ کو نفی ذات کی صورت میں تعبیر فرمایا-

تارک نماز کا حکم

چنانچہ ارشاد ہے من ترك الصلوة متعمداً فقد كفر لیجئے اب بہت صاف معنی ہو گئے اس حدیث کے- یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نماز جان کر چھوڑ دے وہ مسلمان نہ رہا- اس کی اور توجیہوں میں محض تکلف ہے- لیکن سیدھی تاویل جو جمہور علمائے اہل سنت والجماعت کے مذہب کے موافق ہے وہ یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال اسلام کی نفی کی ہے مطلق نفی اسلام مراد نہیں- جمہور کی یہی توجیہ ہے- میں نے اس کو محاورات میں تعبیر کر دیا ہے- اب اس کے معنی بالکل صاف ہو گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا ہی کافر فرمایا ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]

نہ گویم کہ برآب قادر نیند — کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(میں نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں- لب دریا ہوتے ہوئے بھی پیاسے ہیں)
اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے۔

نگردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدن ہا
کہ می بالد خود ایں راہ چوں تاک از بریدن ہا

(راہ عشق دوڑنے سے ہرگز قطع نہیں ہوتا- جیسے انگور کو جتنا کاٹو گے اور بڑھے گا)

دیکھئے تو اگر کوئی ادنیٰ سی مردار عورت پر فریفتہ ہو جائے اور وہ عورت اس کو اپنے وصال سے محظوظ بھی کر دے تو کیا اس کا جی بھر جائے گا- ہرگز نہیں بلکہ وہ یہی کہے گا کہ ہائے عشق کی کوئی انتہا ہی نہیں- ساری عمر بھی میرے پاس رہے تب بھی جی نہ بھرے- جب ایک ادنیٰ سی مردار عورت کے عشق میں یہ حالت ہے کہ ساری عمر بھی وہ پاس رہے تب بھی جی نہیں بھرتا تو مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ صبرت نیست از فرزند و زن — صبر چوں داری ز رب ذوالمنن

(اے بندہ خدا تو اپنے اہل وعیال سے صبر نہیں کر سکتا- تو اللہ سے کس طرح صبر کر سکتا ہے)

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں — صبر چوں داری ز نعم الماہدون

(اے بندہ خدا تجھے کمینی دنیا سے صبر کرنے کی طاقت نہیں- اللہ تعالیٰ سے کیونکر صبر کر سکتا ہے)

جب دنیائے دوں سے جی نہیں بھرتا تو خدا سے کیسے جی بھر گیا- ایک کلمہ پڑھ کر قناعت کر لی کہ بس بہت ہے دخل الجنۃ کا وعدہ مرتب ہو ہی جائے گا- اے صاحبو! دخل الجنۃ بالکل سچ ہے مگر اس کے قبل دوزخ کیسی ہے کچھ دیکھتے بھی ہو- تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ مالدار اس کو کہتے ہیں جس کے پاس معتدبہ مال ہو اسی طرح مسلمان اس کو کہتے ہیں جس کے پاس معتدبہ اسلام ہو اس غلطی میں عام طور پر لوگ مبتلا تھے اس لئے اس کا بھی رفع کرنا مقصود تھا غرض یہ بھی وجہ ترجیح تھی اس آیت کے اختیار کرنے کی-

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ثابت ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مذہب اسلام یعنی اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنا رہا ہے اور آپ کو بھی اسی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ آپ کو تو اور امم پر ایک خاص شرف منجانب اللہ عطا ہوا ہے وہ یہ کہ گو تمام اطاعت کرنے والوں کی صفت یہی تھی یعنی اسلام مگر لقب خاص آپ کو ہی دیا گیا۔ یعنی اطاعت کرنے والے اور اسلام لانے والے اور امتوں میں بھی تھے مگر لقب امت مسلمہ کسی کا بھی نہیں تھا۔ جتنے مقبولان حق کا لقب عیسائیت تھا ایک زمانہ میں یہودیت تھا وعلیٰ ہذا القیاس اور گو ہر امت کا ایک خاص طریق رہا ہے یعنی باعتبار فروع کے مگر یہ صفت سب میں مشترک تھی کہ سب خدا تعالیٰ کے مطیع بندے تھے حاصل یہ کہ مشترک صفت سب کی اسلام تھی۔ لیکن لقب امت مسلمہ کا خاص آپ کو ہی عطا کیا گیا۔

شرف در شرف

یہ کتنا بڑا شرف ہے پھر شرف پر شرف یہ کہ لقب بھی ملا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واسطے سے یہاں گورنمنٹ اگر کسی معزز حاکم کے ذریعہ سے آپ کو کوئی لقب دے تو اس میں دو شرف سمجھے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ گورنمنٹ کا دیا ہوا لقب ہے پھر ایک معزز حاکم کے ذریعہ سے اس لقب کو ہم تک پہنچایا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو لقب عطا فرمایا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے معزز پیغمبر کے زبان سے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان وہ ہے کہ اگر وہ اپنی رائے سے بھی ہمارے لئے یہ رائے فرما دیتے تب بھی بہت بڑا شرف تھا نہ کہ جب رائے سے بھی نہ ہو بلکہ آپ کی یہ شان ہو۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(آپ کا فرمان گویا خدا کا فرمان ہے۔ اگرچہ ایک اللہ کے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ سے ادا ہوا ہے)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی خصوص ہمارے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے حضرات اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا اپنے منہ سے نہیں کہا بلکہ خود حق تعالیٰ نے ان کی زبان کے واسطے سے کلام کیا۔

[illegible]

[illegible]

خدا تعالیٰ کے نکلنے لگے ماکلیم ماکلیم- میں توبہ توبہ یہ الفاظ کیسے کہہ سکتا تھا- میری بھلا کیا مجال ہے- وہ تو حق تعالیٰ فرمارہے تھے میں تھوڑا ہی کہہ رہا تھا- تو اولیاء اللہ کی بعض بعض کی یہ حالت ہوئی ہے۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

(پس پردہ مجھے طوطے کی طرح بٹھادیا ہے- مجھے تو حکم استاد ازل سے ملا تھا وہی میں کہہ رہا ہوں)

انبیاء علیہم السلام کی شان

اولیاء کی جب یہ شان ہے تو انبیاء علیہم السلام کی شان کا تو کہنا کیا- غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی زبان مبارک سے مسلم کا لفظ نکلنا بہت بڑا شرف تھا نہ کہ خود حق تعالیٰ نے ان کے منہ سے یہ لفظ کہلوایا اور ہم نالائقوں کو یہ لقب دلوایا تو اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہو سکتا ہے تو دیکھا آپ نے یہ کتنا شریف لقب ہے مگر اب بس کسر اتنی ہے کہ ہم محض لفظوں پر قانع ہو گئے بقول مولانا کے ۔

میم و واؤ و میم و نوں تشریف نیست
لفظ مؤمن جزپئے تعریف نیست

(لفظ مومن میں کوئی بزرگی نہیں ہے یہ میم واؤ نون صرف پہچان کے لئے ہیں)

یہ جو حرف ہیں مومن کے میم واؤ میم نون جن سے لفظ مومن بنا ہے یہ تو محض ایک پتے کا لفظ ہے باقی میم واؤ میم نون میں کیا رکھا ہے- ان سے کہیں کوئی مومن ہوتا ہے ایمان تو قلب سے متعلق ہے مومن تو وہی ہے جس کے دل کے اندر ایمان رچا ہوا ہو سو واقعی بالکل ٹھیک ہے- اے صاحبو! محض لڈو کے لفظ کہنے سے کہیں منہ میٹھا ہو سکتا ہے- محض روپیہ کے لفظ سے کہیں تم جہاز کے مالک بن سکتے ہو-

ہماری مثال

ہماری تو وہ مثال ہو رہی ہے لفظ پرستی کی جیسے کوئی مہاجن تھا- اس کے کوئی میم جی تھے یا نیب جی تھے ہمیں تحقیق نہیں کہ یہ کیا لفظ ہے وہ بیچارے تھے

مفلس- ایک دن بیٹھے کارخانہ کا حساب و کتاب کر رہے تھے- ایک سائل آیا مگر وہ مذب تھا- چپکے کھڑا رہا کہ اس وقت مشغول ہیں لالہ جی- فارغ ہوں تو مانگوں- دیر تک کھڑا استنا رہا کہ دو اور دو چار- چار اور چھ دس- دس کا صفر حاصل ایک- دس اور دو بارہ بارہ کے دو حاصل ایک غرض کہیں حاصل ہوا ایک کہیں ہاتھ لگے دو کہیں حاصل ہوئے چار کہیں ہاتھ لگے چھ- وہ برابر کھڑا گنتا رہا- دس ہوئے پچاس ہوئے سو ہوئے اے اللہ کتنے حاصل ہوں گے مگر وہ سائل دل میں بڑا خوش کہ یہ تو اقراری مجرم ہے اس سے خوب وصول کروں گا- اس کے پاس انکار کا کیا عذر ہو سکتا ہے- جب لالہ جی حساب سے فارغ ہوئے تو سائل نے کہا کہ اجی مجھے بھی کچھ مل جائے لالہ جی بولے کہ بھائی میرے پاس تو کچھ بھی نہیں اس نے کہا اجی کیوں جھوٹ بولتے ہو- میرے سامنے ہی تو سینکڑوں ہزاروں حاصل کر چکے ہو- کبھی حاصل ہوئے چار کبھی ہاتھ لگے چھ- گھنٹہ بھر سے تو میں یہی قصہ دیکھ رہا ہوں- اور میں سب جوڑتا گیا ہوں کئی ہزار تک تو نوبت پہنچ چکی ہے اور پھر کہتے ہو کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں اس نے کہا بھائی مجھے جو کچھ حاصل ہوا ہے لفظوں ہی میں حاصل ہوا ہے واقع میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوا تو حضرت نرے حساب سے تو کچھ کام چلتا نہیں- ایک اور بڑے صاحب تھے وہ محاسب بڑے تھے- اور اپنی حساب دانی پر بڑا ناز تھا جیسے ہمیں الفاظ پر ناز ہے وہ اپنے کنبہ کو بیل گاڑی میں سوار کرا کے کہیں لے چلے- راستہ میں ندی آگئی- آپ نے بیلبان سے کہا کہ ٹھہر جا- میں پہلے حساب لگا لوں کہیں گاڑی ڈوب نہ جائے پنسل کاغذ اور ایک بانس لے کر آپ ندی میں گھسے اور جگہ جگہ بانس سے ناپنا شروع کیا کنارہ کے قریب ناپا تو ٹخنوں تک پانی تھا- آگے چلے تو گھٹنوں تک تھا اور آگے چلے تو کمر تک تھا اور آگے چلے تو ڈبان تھا- آپ نے سب کو جوڑ کر اوسط نکالا تو کمر تک نکلا- گاڑی بان سے کہنے لگے بس حساب ٹھیک ہے- چل ڈال دے گاڑی کو پانی میں ڈوبے گی نہیں- یہ تو وہی ہوئی چڑھ جا بیٹے سولی پر اللہ بھلی کریگا- نوکر نے کہا بھی کہ ایک جگہ پانی ڈبان بھی تو ہے- اس نے ڈانٹ دیا کہ تو کیا جانے اوسط کا اعتبار ہوتا ہے کیا ہمارا حساب غلط ہو سکتا ہے- کچھ ڈر نہیں ڈال دے گاڑی کو- وہ بیچارہ آخر نوکر تھا تابعدار تھا اس نے گاڑی کو پانی میں ڈال دیا مگر وہ پانی تو تابع نہیں ہو سکتا تھا ان صاحب کے اوسط کا- غرض تھوڑی دور چل کر حضرت لگے ڈوبنے تو اس وقت بھی جائے اس کے کہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کوئی شبہ ہو تو پیش کرو۔

دور حاضر کے نئے عقلا

حضرت ایسے زمانہ میں جبکہ عرب بلکہ تمام عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے بھرا پڑا تھا اگر اس دعوے میں ذرا بھی شائبہ شبہ کا ہوتا تو حضرت وہ لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مارے اعتراضوں کے تلخ کر دیتے۔ گنواتے کہ فلانے حکم میں یہ تنگی ہے فلانے حکم میں یہ ثقل ہے فلانے حکم میں یہ گرانی ہے۔ تو جبکہ لاکھوں مخالف تھے بلکہ سارا عالم مخالف تھا ایسے وقت یہ دعویٰ کیا گیا یا کہ ماجعل علیکم فی الدین من حرج وہاں اس کے رد میں کوئی انگشت نمائی بھی نہ کر سکا اور آج یہ نئے عقلاء اعتراض کرنے بیٹھے ہیں کہ دین میں یہ سختی ہے دین میں یہ تکلیف ہے دین میں یہ دشواری ہے۔ اگر واقعی تکلیف یا تنگی ہے کسی قسم کی تو فرمایئے اس زمانہ کے لوگوں نے یہ اعتراض کیوں نہیں پیش کیا اور اگر کہوں کہ پیش کیا ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ کہیں نہ کہیں تو منقول ہونا چاہیے کیونکہ اس زمانہ سے اب تک مخالفت کی میراث برابر چلی آرہی ہے تو اگر کوئی مخالف ایسی بات کہتا جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب نہ بن پڑا ہوتا تو ان کے ورثاء اور نائب اس کو ضرور نقل کرتے چلے آتے اور آج تاریخ میں وہ بات ضرور منضبط ہوتی بات یہ ہے کہ کسی کا منہ نہ تھا کہ سچی بات کو رد کرے گو ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم رد کر سکتے ہیں چنانچہ کبھی کبھی کھسیان پن اوتارنے کو یہ بھی کہہ ڈالتے کہ لونشاء لقلنا مثل ھذا اگر ہم چاہیں تو اس کا معارضہ کر سکتے ہیں مگر ہم چاہتے ہی نہیں۔ ارے بھائی کیوں نہیں چاہتے۔ اور کب چاہو گے اس سے زیادہ اور کون وقت آوے گا اس وقت سے زیادہ کیا ذلیل ہو گے کہ جزیہ تم پر مقرر کیا گیا۔ قتل تم کئے گئے۔ قید تم ہوئے اور لونشاء ہی کی نوبت اور ساعت نہیں آتی۔ بس معلوم ہوا کہ واقع میں عاجز تھے کچھ نہیں ہو سکتا تھا اور صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامان غلام دعوے کے ساتھ کہتے ہیں۔

دین میں بالکل تنگی نہیں

چنانچہ اس وقت میں ہی صلائے عام اور ندائے عام دیتا ہوں ساری دنیا کو کہ

ایک مقام پر بھی دین میں تنگی تو ثابت کر دیں ایک شخص بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ اور صاحب یہ نہ سمجھئے کہ یہ یوں ہی اڑا رہا ہے دین میں تنگی تو ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں تو ہاں ممکن ہے یہ وسوسے دل میں دوڑے ہوں کہ صاحب یہ غضب کا دعوٰی ہے کہ دین میں کوئی تنگی ہے نہیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مثلاً تجارت ہی میں لاکھوں تنگیاں ہیں جن سے لین دین ہے ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہم سود نہیں دیتے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ جاؤ ہم مال نہیں دیتے اب مرو بھوکے تم تو کہتے ہو کہ دین میں تنگی نہیں ہے اور اپنی آنکھوں سے تنگی دیکھ رہے ہیں تو ممکن ہے یہ وسوسے دل میں دوڑے ہوں مگر واقعہ یہی ہے کہ دین میں ذرا تنگی نہیں چنانچہ اس مضمون پر میرا ایک مستقل بیان ہو چکا ہے نفی الحرج اس کا نام ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ لوگ لکھوا لکھوا کر بغل میں رکھ لیتے ہیں صاف کر کے شائع نہیں کرتے ورنہ وہ بیان اس وقت پیش کرنے کے قابل تھا اس میں میں نے یہی ثابت کیا ہے کہ دین میں مطلق تنگی نہیں جس وقت میں نے اس بیان کے شروع میں یہ دعوٰی کیا تھا بڑے بڑے عقلاء موجود تھے۔ اور سب حیران تھے کہ اتنا بڑا دعوا کیونکر نبھے گا۔ اس کا تو خلاف واقع ہونا بالکل ظاہر ہے مگر جب بیان ختم ہو چکا تو سب نے تسلیم کر لیا کہ صاحب واقعی ثابت کر دیا۔ خیر وہ سارا وعظ تو کہاں نقل کر سکتا ہوں۔ اس وقت ایک چھوٹی سی بات عرض کرتا ہوں انشاء اللہ وہی کافی ہو جائے گی سارے وسوسوں کے لئے یہ جو آیت ہے ماجعل علیکم فی الدین من حرج اس میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے دین میں کوئی تنگی نہیں کی سو یہ دیکھئے کہ حق جل شانہ نے تنگی کی نفی کس سے کی ہے ظاہر ہے کہ دین سے کی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ تنگی جو پیش آتی ہے اس کا محل آیا دین کا کوئی جزو ہے یا کچھ اور ہے۔

قرآن مجید میں کوئی شبہ نہیں

اسی کی نظیر ایک اور آیت یاد آئی ذالك الكتاب لاريب فيه قرآن ایسی کتاب ہے کہ اس میں کوئی شک ہی نہیں۔ یہاں بھی بڑا شبہ واقع ہوتا ہے کہ صاحب کہتے ہیں اس میں کوئی شک ہی نہیں حالانکہ اس میں ہزاروں کو شک ہے۔ اس کا ایک بہت اچھا جواب ہے وہ یہ کہ لاریب کا تعلق اگر ہے تو قرآن کے ساتھ ہے نہ کہ

لوگوں کے ساتھ یعنی دراصل خود قرآن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے اور اگر کوئی خواہ مخواہ شک کرے تو یہ شک اس میں شک کرنے والے کے اندر ہوا کہ قرآن کے اندر کہ وہ بالکل پاک ہے ہر قسم کے شک و شبہ سے اگر کوئی کہے کہ یہ تو محض شاعری ہے یوں ہر صاحب باطل اہل حق کو کہہ سکتا ہے کہ تم کو جو میرے طریق میں شک ہے اس کا محل وہ طریق نہیں ہے بلکہ تمہارا قلب ہے جواب یہ ہے کہ اہل باطل ایسا نہیں کہہ سکتا کیونکہ جب دلیل سے اس کا طریق باطل ہے تو محل شک وہ طریق ہی ہے بخلاف اہل حق کے کہ واقع میں جب وہ امر حق ہے تو منشا شک کا وہ امر حق نہ ہو گا معترض کا صرف ذہن ہو گا اور میں اس کی ایک نظیر رکھتا ہوں۔ ایک شخص نہایت سفید کپڑے استری کیے ہوئے اور کلف دار پہنے ہوئے ہے اور ایک شخص ہے کہ زرد شیشوں کی عینک لگائے ہوئے ہے یا یرقان صفراوی کا بیمار ہے جسے دنیا کی ہر چیز میں زردی نظر آتی ہے یا بقول مولانا۔

چوں بگردی وبگردو سرت

کوئی کہنے لگے کہ زمین کو حرکت ہو رہی ہے۔ میرا سارا گھر گھوم رہا ہے تو اس سے یہی کہا جاوے گا کہ گھر تو کیا تیرا سر گھوم رہا ہو گا۔ حالانکہ اس کا مشاہدہ ہے وہ کہے گا کہ کیا غضب کی بات ہے تم میرے مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہو مگر ہم کہیں گے کہ ہم تیرے مشاہدہ کو غلط نہیں کہتے تجھے تو واقعی گھر گھومتا ہوا معلوم ہو رہا ہو گا مگر فی الواقع اس گھومنے کا گھر کے ساتھ تعلق غلط ہے۔ تیرے سر کے ساتھ تھا تو نے گھر کے ساتھ سمجھ لیا ہے۔ اسی طرح کوئی مبصر سفید کپڑے کو کہے ذالك الثوب لاصفرة فيه اس کپڑے میں بالکل زردی نہیں ہے اور اس کو سن کر وہ شخص جو یرقان کا مریض ہے یا زرد عینک لگائے ہوئے ہے یہ کہنے لگے کہ میں تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں واللہ اس میں زردی ہے تو محقق مبصر کی جانب سے کیا جواب ملے گا۔ وہ جواب یہ دے گا کہ بھائی تو دیکھ تو رہا ہے صحیح مگر سمجھ رہا ہے غلط۔ یہ صفرت جو تجھے نظر آ رہی ہے تیری آنکھ ہی ہے تیری عینک میں ہے کپڑے میں نہیں ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دین میں تنگی نہیں ہے یہ نہیں کہا کہ آپ کے جو گاہک صاحب یا منیجر صاحب یا مال بھیجنے والے صاحب ولایت میں ہیں ان کے معاملہ میں بھی تنگی نہیں ہے۔ ہاں دین میں تنگی نہیں ہے یہ فرمایا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔

اس کا چاہے امتحان کر لو ساری دنیا اگر یہ دین اختیار کر لے پھر جو کہیں بھی گاڑی اٹکے اور قانون میں تنگی ہونے کا یہی امتحان ہے کہ اگر ساری دنیا وہ قانون سہل اختیار کر لے تو کہیں گاڑی نہ اٹکے اور اگر پھر بھی کہیں گاڑی اٹکنے لگے تو یہ البتہ علامت ہے قانون کی تنگی کی- اور اگر اس کو سب نے اختیار نہیں کیا اور اس وجہ سے تنگی پیش آنے لگی تو یہ علامت اس کی نہیں کہ قانون میں تنگی ہے بلکہ عمل نہ کرنے والوں میں تنگی کہی جائے گی- اسی طرح اگر دین کو سب اختیار کر لیں تو ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ کہیں بھی تنگی واقع نہ ہو گی مگر چونکہ بعض نے تو اختیار کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا اور معاملہ ان کا ان ہی" سے پڑتا ہے اس لئے اختیار کرنے والوں کو لامحالہ تنگی پیش آئے گی لیکن محل تنگی کا وہ اختیار نہ کرنے والے ہیں نہ کہ دین-

دین میں تنگی نہ ہونے کی عجیب مثال

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب حاذق کسی دیہاتی کو نسخہ لکھ کر دے لیکن اس دیہاتی کا گاؤں ایک ایسا کوردہ مقام ہے کہ جہاں نہ مرغی ملتی ہے نہ انڈا ملتا ہے نہ بکری کا گوشت نہ کدو کی ترکاری نہ ماش کی دال نہ چنے کی دال اور ملتا کیا ہے وہاں کریلہ بینگن اور حضرت مسور کی دال بھینس کا گوشت غرض جتنی مضر چیزیں ہیں وہ تو وہاں ملتی ہیں ان کے سوا اور کچھ وہاں ملتا ہی نہیں- ایسے دیہاتی نے حکیم صاحب سے نسخہ لکھایا پھر پوچھا کہ کھانا کیا کھاؤں حکیم صاحب نے کہا بکری کا گوشت کھاؤ بولا اجی وہ تو ہمارے گاؤں میں نہیں ہوتا- کہا اچھا مونگ کی دال تورئی ڈال کر کھاؤ- بولا یہ چیزیں بھی نہیں ہوتیں- بھائی لوکی کھاؤ- اجی وہ بھی نہیں ہوتی چنے کی دال ہی سہی- صاحب یہ بھی نہیں ملتی- غرض جو جو چیز حکیم صاحب بتاتے جائیں وہ یہی کہتا جائے کہ صاحب یہ بھی نہیں ہوتی یہ بھی نہیں ملتی آخر حکیم صاحب نے جھلا کر پوچھا کہ آخر تیرے گاؤں میں کچھ ہوتا بھی ہے- اس نے کہا کہ ہمارے یہاں تو بینگن ہوتا ہے- حکیم صاحب نے کہا خبردار بینگن ہرگز مت کھانا سخت نقصان کرے گا- کہا کریلہ ہوتا ہے- کہا یہ بھی مت کھانا مسور کی دال ملتی ہے- دیکھو یہ بھی مت کھانا- اب وہ دیہاتی صاحب غصہ میں بھرے ہوئے باہر گئے اور کہنے لگے بس جی دیکھ لیا حکیم صاحب کو اس قدر تشدد ہے اس قدر تنگی ہے کہ جس چیز کو پوچھو یہ بھی مت کھانا جس چیز کو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہماری کم ہمتی کی بھی یہی حالت ہے۔ میں سچ کہتا ہوں جن سے نماز روزہ نہیں ہوتا حضرت اگر حکام میں سے کوئی انہیں بلاوے جس کا قرب موجب عزت ہو تو جو عذرات نماز روزہ کے لئے ہو رہے ہیں ان میں سے جو ایک بھی باقی رہ جاوے جس وقت موذن کہے حی علی الصلوٰۃ یعنی نماز کے لئے آؤ اس وقت کہتے ہیں کہ بھائی ہم سے تو مسجد تک نہیں جایا جاتا۔ کون اتنی دور جائے اور اگر کوئی اردلی آکر پیغام دے کہ صاحب کلکٹر نے آپ کو یاد کیا ہے تو فخر سمجھ کر فوراً چلنے کے لئے کھڑے ہو جائیں گے۔ چار میل پر بھی ڈیرہ ہوگا تو وہیں جا کر مشغول ملاقات ہوں گے اور آکر فخر کریں گے کہ ہمیں صاحب کلکٹر نے بلایا تھا۔ تو یہ کیا بات ہے کہ وہی شخص جو محلہ کی مسجد میں بھی نہ جا سکتا تھا اسے چار میل کے فاصلہ پر کس نے جا پہنچایا۔ وہ کیا کہ مسجد تک جانے کا ارادہ نہیں کیا تھا اور وہاں جانے کا ارادہ کر لیا اسی ارادہ کا نام ہمت ہے تو ساری کمی ارادہ اور ہمت کی ہوئی۔ واقعی حضرت قصد ہی نہیں ورنہ بڑے بڑے دشوار کام آسان ہو جاتے ہیں یہ قصد کا اثر نہیں تو اور کیا ہے کہ تجارت کے لئے کہیں افریقہ کہیں کہیں جا پہنچتے ہیں جو شخص مسجد میں نہ جا سکے وہ ایک دم سے ناٹال اور افریقہ پہنچے۔ آخر کیا فرق ہے ارادہ ہی کا تو فرق ہے اے حضرت اگر ارادہ دین کا کر لو اور پھر کوئی دشواری پیش آئے اس وقت تو ہم جواب کے ذمہ دار ہیں اور مشورہ کے باقی جتنی دشواریاں اب پیش کی جا رہی ہیں ابھی ان کے جواب کا وقت نہیں نہ سوت نہ کپاس جولاہے سے ٹھینگم ٹھینگا۔ یہ سب سوال و جواب اور قیل و قال ایسی ہے جیسی افیونیوں کی جس سے کچھ حاصل نہیں افیونیوں کو مٹھائی کا بڑا شوق ہوتا ہے دو افیونی تھے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے ایک بولا یار گنوں کا کاشت کریں گے بڑا مزہ رہے گا گنا تڑاق سے توڑا اور چوسنے لگے دوسرا بولا ہاں یار بڑا لطف رہے گا تڑاق پڑاق توڑا اور چوس لیا۔ اس پر پہلے نے بگڑ کر کہا کہ میں نے تو ایک ہی گنا توڑا تھا تو نے دو کیوں توڑ لئے دوسرا بولا ہمارا کھیت ہے چاہے سو کھاویں تو کون ہے روکنے والا تو بھی کھالے۔ بس جناب اسی بات پر لڑائی ہو گئی کوئی ان سے پوچھے ارے احمقو وہ گنے ابھی ہیں کہاں جن پر لڑائی بھی ہونے لگی۔ غرض لڑائی اتنی بڑھی کہ مقدمہ قاضی کے یہاں پہنچا۔ قاضی نے انہیں اس حماقت کی اس طرح سزا دی کہ دونوں سے کہا کہ پہلے اس کاشت کا محصول سرکاری تو داخل کر دو پھر مقدمہ کی سماعت کی جاوے گی۔

چنانچہ جناب اس نے پہلے تو دونوں سے محصول داخل کرالیا۔ پھر دونوں سے کہا کہ دیکھو خبردار برابر برابر گئے توڑا کرو۔ یہ فیصلہ کر دیا۔ خواجہ صاحب نے (یہ احقر کاتب وعظ کی طرف مزاحاً اشارہ تھا بحوالہ احقر کے سابق عہدہ ڈپٹی کلکٹری کے ۱۲ کاتب) بس اسی طرح دین کے متعلق سوال و اشکالات تو بہت اور کام کے نام دم نکلتا ہے۔ حالانکہ حالت ہونا یہ چاہیے۔

کار کن کار بگذر از گفتار　　اندریں راہ کار باید کار

(باتیں چھوڑ کر عمل میں لگ • اس طریق الفت میں صرف عمل ہے)

فرماتے ہیں شیخ شیرازی۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

(یعنی راہ طریقت میں قدم رکھنا چاہیے اور عمل کرنا چاہیے۔ کیونکہ بغیر قدم رکھے عمل کے دعوے کی کوئی حقیقت نہیں)

(چونکہ یہ شعر دوبارہ پڑھا گیا تھا اس لئے دوبارہ ہی لکھا گیا ۱۲ کاتب) خدا جانتا ہے خدا کے یہاں نہ مولویت کا دعویٰ کچھ کام دے گا اور نہ مشیخت کام دے گی۔ اگر کام دے گا تو یہی کہ اپنے کو خدا کے سپرد کر دو جس کا نام ہے اسلام کامل بس یہ کام دے گا اور کچھ بھی نہیں تو خدا کے واسطے ہمتیں درست کر کے کامل اسلام اختیار کر لو اور دشواری کے وہم سے ہمت مت ہارو۔ ذرا اختیار کر کے تو دیکھو میں قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں۔ دیکھئے آدمی قسم جب ہی کھاتا ہے جب پورا بھروسہ ہو۔ اسی سے سمجھ لیجئے کہ مجھے کوئی تو بھروسہ ہے خود اپنا معائنہ مشاہدہ یا بزرگوں کی تقریر یا تقلید کسی چیز پر تو اطمینان ہے۔ جس پر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جتنی دشواریاں تمہیں دین میں اب نظر آ رہی ہیں اگر ارادہ کی تکمیل کر لو اور عمل شروع کر دو تو خدا کی قسم سب دشواریاں جنہیں نظر آ رہی تھیں وہ محض ہمارا وہم تھا اور کچھ بھی نہیں۔ میں ایک مثال سناتا ہوں۔ جنگل میں دیکھا ہو گا یا کسی پختہ سڑک پر دیکھا ہو گا کہ راستہ کے دونوں طرف درخت ہوتے ہیں اور دور تک نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر دونوں لائنیں درختوں کی مل گئی ہیں اور راستہ بند ہو گیا ہے یا سمندر کی سیر کو کبھی گئے ہو گے تو سمندر آسمان کے کنارہ سے ملا ہوا نظر آیا ہو گا اور یہ معلوم ہوتا ہو گا کہ بس آگے سمندر نہیں۔ اب فرض کرو ایک شخص ہے بالکل ناتجربہ کار جس کو کہیں کا

تجربہ نہیں نہ بر کا نہ بحر کا- اس کو دریا میں لے چلے- ایک مقام تھا جہاں دریا کا بھی راستہ قطع کرنا پڑتا تھا- اب وہ آسمان کے کنارہ کو پانی سے ملا ہوا دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ آگے چل کر راستہ بند ہے اور یہ سوچ کر کہ یہ سرپوش سا کیا ڈھکا ہوا ہے جہاز اس سے ٹکرا نہ جائے گا جہاز والے سے پوچھتا ہے کہ بھائی پہلے مجھے یہ تو بتا دو کہ کدھر کو جائے گا جہاز تم چلا تو رہے ہو مگر آگے راستہ ندارد- اب جہاز والا ہر چند کہتا ہے کہ بھائی تم چپکے چلے تو چلو راستہ صاف پڑا ہوا ہے میرا تو بارہا کا دیکھا ہوا ہے- میں تو رات دن کا آنے جانے والا ٹھہرا اور تم نے کبھی دریا کا سفر کیا نہیں اس لئے یوں سمجھ رہے ہو کہ راستہ بند ہے لیکن دراصل یہ بات نہیں- تمہیں تجربہ نہیں لیکن وہ کہتا ہے کہ نہیں جناب پہلے ہمیں سمجھا دو تب چلیں گے کیونکہ ہمیں تو کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے کہ آگے چل کر راستہ بند ہے- خیر ابھی تو دس میل ہی آئے ہیں پھر دور پہنچ کر لوٹنا پڑا تو طوالت ہوگی یہیں سے واپس چلے چلو- اب کیا اس احمق کے کہنے سے جہاز والا اپنا جہاز پیچھے کو ہٹائے گا- یا کوئی اسی طرح ایسا احمق ہو جس کی میں نے پہلے مثال دی تھی کہ سڑک پر دونوں لائنیں درختوں کی دور سے ملی ہوئی دیکھ کر یہ سمجھتا ہے کہ آگے راستہ بند ہے اور اپنے رہبر سے کہتا ہے کہ آگے چل کر تو درخت مل گئے ہیں اور راستہ بند ہو رہا ہے تم کدھر لئے چل رہے ہو- وہ ہر چند کہتا ہے کہ درخت یہیں سے ملے ہوئے نظر آرہے ہیں وہاں ملے ہوئے نہیں ہیں تم چلنا تو شروع کرو- راستہ ملے گا اب وہ سنتا ہی نہیں- اب بھلا ایسے احمقوں کا کیا علاج- اسی طرح اے صاحبو! جب تم نے چلنا شروع نہیں کیا ہے جبھی تک دین کے راستہ میں تمہیں پتھر اور پہاڑ نظر آرہے ہیں- ارے بھائی تم چلو تو پھر جتنے پتھر اور پہاڑ ہیں سب خودبخود ہٹتے چلے جائیں گے اول تو اس راستہ میں پہاڑ ہیں نہیں-

اے خلیل اینجا شرار و دود نیست　　　جز کہ سحر و خدعہ نمرود نیست

(اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جو کسی کو رکاوٹ معلوم ہوتی ہے وہ نمرود جیسے سحر اور جادو کی مثل ہے)

اور جو پہاڑ تمہیں اس وقت نظر آرہے ہیں وہ حقیقی نہیں ہیں خیالی ہیں- میں کہتا ہوں کہ دین میں تنگی اور دشواری اول تو ہے ہی نہیں اور ہو بھی تو ایسی برکت ہے طلب کی اور اخلاص اور فنا کی اور سچے اسلام کی کہ بڑے بڑے پہاڑ ھباءً منثورا ہو

جاوے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید خیرہ یوسف وارمی باید دوید

(اگرچہ عالم میں نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مگر یوسف (علیہ السلام) کی طرح بھاگ نکلنے کی کوشش تو کرنی چاہئے)

ہائے کیا مضمون ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا بہانہ سے اپنے محل کے اندر لے گئی تو سات دروازے تھے اس محل کے۔ ہر ایک دروازہ کو بند کر کے اس میں ایک ایک قفل بھاری لگاتی چلی گئی۔ جب ساتوں دروازے مقفل ہو چکے تب اطمینان کے ساتھ اس نے اپنی خواہش ظاہر کی کہ اب اگر بھاگنا بھی چاہیں گے تو بھاگ کر جائیں گے کہاں اس وقت اگر وہ ایسے ہی شکی ہوتے جیسے کہ ہم لوگ ہیں اور حق تعالیٰ پر پورا توکل نہ ہوتا تو بھاگنے کی کوشش ہی نہ کرتے مگر خدا پر توکل کر کے بھاگے کہ میں اپنا کام تو کروں وہ اپنا کام کریں گے۔ جو کام میرے اختیار میں ہے وہ تو مجھے پورا کرنا چاہئے۔ بس جناب دوڑنا تھا اور قفلوں کا خودبخود ٹوٹ کر نیچے گرنا اور پٹوں کا کھلنا غرض ایک ٹوٹا دوسرا ٹوٹا تیسرا اسی طرح ٹوٹا پھر چوتھا پھر پانچواں غرض سارے قفل ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑے اور حضرت یوسف علیہ السلام ساتوں دروازوں کو پار کر کے باہر ہو گئے تو مولانا اس کو یاد دلا کر فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم راپدید خیرہ یوسف وارمی باید دوید

یعنی گو نفس و شیطان سے بچ کر نکلنے کا راستہ تو دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا لیکن تم خدا پر بھروسہ کر کے دوڑو دیکھو اللہ میاں غیب سے راستہ پیدا کرتے ہیں یا نہیں۔ ارے بھائی تم تو اپنی سی کوشش کرو اور اصلاح کا ارادہ تو کرو پھر کوئی اشکال پیش آوے تو پیش کرو کام کرنے سے پہلے تو یہ باتیں بالکل فضول ہیں مجھے ایک جواب اپنے اوستاد مولانا محمد یعقوب قدس سرہ العزیز کا بہت پسند آیا جو انہوں نے ایک طالب علم کو دیا تھا۔

وسوسہ نماز سے متعلق اہل تحقیق کے جواب

دیکھئے اہل مناظرہ کے جواب اور قسم کے ہوتے ہیں اہل حقیقت کے اور قسم کے۔ اہل مناظرہ کے جواب تو بس زبان ہی تک رہتے ہیں اور اہل تحقیق کے جواب قلب تک

اترتے ہیں۔ دوران درس میں ایک طالب علم نے ایک حدیث پر شبہ کیا تھا اس کا جواب مولانا نے دیا تھا۔ حدیث یہ ہے کہ جو اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ایسے پڑھے کہ لایحدث فیھما نفسہ یعنی اس میں اپنے جی سے باتیں نہ کرے یعنی حدیث النفس کے طور پر جو ہم لوگ ادھر ادھر کی باتیں سوچا کرتے ہیں اس سے وہ نماز بالکل خالی ہو۔ بے سوچے اگر ادھر ادھر کے خیالات آجاویں تو کچھ ڈر نہیں مگر خود نہ سوچے اور بے سوچے آنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ انہیں دل میں رکھے بھی نہیں یعنی احداث اور ابقاء دونوں اس کی جانب سے نہ ہوں۔ یعنی نہ خود پیدا کرے نہ خود باقی رکھے بس متوجہ الی اللہ رہے اور اگر کوئی خیال خود بخود آجائے تو کچھ حرج نہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نماز میں حضور بہت آسان ہے جس کو لوگوں نے خواہ مخواہ مشکل سمجھ رکھا ہے تو مولانا کی خدمت میں یہ حدیث ہو رہی تھی کہ جو ایسی دو رکعت پڑھ لے گا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ یعنی اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ایک طالب علم بولا کیوں حضرت کیا ایسی نماز ممکن ہے جس میں خیالات نہ آویں اول تو اس نے سوال ہی غلط کیا حدیث شریف میں تو یہ ہے لایحدث فیھما نفسہ نہ کہ لاتتحدث فیھما نفسہ مگر مولانا نے اس مواخذہ سے تعرض نہ فرما کر کیا خوب جواب دیا کہ میاں کبھی ارادہ بھی ایسی نماز پڑھنے کا کیا تھا جس میں کامیابی نہ ہوئی۔ کبھی پڑھ کر بھی دیکھی تھی۔ اگر پڑھ کر دیکھتے اور ناکامی ہوتی تب تو پوچھتے ہوئے بھی اچھے معلوم ہوتے۔ شرم نہیں آتی کہ کبھی ارادہ تو کیا نہیں اور پہلے ہی اعتراض کرنے بیٹھ گئے حدیث پر بھائی کبھی اس حدیث پر عمل تو کر کے دیکھا ہوتا۔ جب قدرت نہ ہوتی جبھی اعتراض کیا ہوتا۔ سو واقعی اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ایک شخص نے پلاؤ کی تعریف کی کہ بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ یہ سن کر ایک کہتا ہے جو ہمیشہ ستو ہی گھول گھول کے پیتا رہا ہے کہ پلاؤ گلے سے اترے گا کیونکر لمبے لمبے چاول کانٹے سے کانٹے سے پھر حلق میں بہت سے اور جو پھنس جائیں تو مثلاً ایک لقمہ میں ۴۰۰ چاول ایک دم سے آگئے وہ کانٹے کی طرح لمبے نوکدار اور حلق کا ذرا سا سوراخ بھلا لقمہ اترے گا کیسے آپ نے یہ بات حکیم جی سے پوچھی کہ صاحب ذرا مجھے سمجھا دیجئے کہ پلاؤ کا لقمہ گلے سے اترے گا کیونکر۔ کوئی پتلی چیز ہوتی تو اتر بھی جاتی۔ اب حکیم صاحب سمجھانے بیٹھے کہ دیکھو یہ صورت اترنے کی ہو گی کہ یہاں تو یہ چاول لمبے لمبے

نظر آ رہے ہیں وہاں پہنچ کر گول ہو جائیں گے وہاں حلق کے اندر تخلخل ہو جائے گا مگر اس کی سمجھ میں ہی نہیں آتا اشکالات پر اشکالات بس سیدھا جواب یہ ہے کہ ارے احمق کھا کر تو دیکھ جس وقت اٹکے گا اسی وقت پوچھیے اصلی جواب تو یہی ہے۔ حضرت ان بزرگوں کے جواب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ پھر کسی کو گنجائش ہی کلام کی باقی نہیں رہتی۔ سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک بھلا کیا منہ رہا اس طالب علم کا کہ پھر کوئی اشکال پیش کر سکے مولانا کے جواب کے بعد واللہ اگر مولانا حقیقت سمجھانے بیٹھ جاتے اس طالب علم کو تو ہزاروں شبہات پیش آتے۔ اس کا شبہ تو کام کرنے ہی سے رفع ہو سکتا تھا۔ اس کا شبہ علمی تقریر سے دور نہ ہوتا کیونکہ جو عملی کام ہیں ان میں جو شبہات پیدا ہوں وہ عمل ہی کرنے سے زائل ہوتے ہیں ورنہ نری علمی تحقیقات سے کچھ کام نہیں چلتا۔ تو بزرگوں کے جواب تو جناب ایسے ہی ہوتے ہیں اور حقیقت میں صحیح جواب یہی ہیں اسی طرح پر میں نے یہ عرض کیا تھا کہ تکمیل اسلام یعنی اسلام کامل حاصل کرنے کا ارادہ کر لو پھر اگر ناکافی ہو تب تو کچھ اچھے بھی معلوم ہو کوئی اشکال پیش کرتے ہوئے اور ارادہ کرنا کیا مشکل ہے کر کے تو دیکھو۔ حاصل یہ کہ واقع میں ارادہ کے بعد جب دین میں کچھ دشواری نہیں اور دین ہے اسلام اور اسلام کی حقیقت ہے سپرد کرنا اور وہ ہے آسان تو بس اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دو اب یہ سمجھنا باقی ہے کہ سپرد کرنا کسے کہتے ہیں سو اس کے لئے ایک موٹی مثال عرض کرتا ہوں دیکھئے وکیل کے سپرد جو مقدمہ کر دیا جاتا ہے تو اس کے کیا معنے ہوتے ہیں یہی معنی ہوتے ہیں کہ بس اب تم اس میں کوئی دخل مت دو۔ اب مقدمہ جانے اور وکیل جانے۔ اور وکیل بھی خاص کر جبکہ معتمد بھی ہو۔ کارساز بھی ہو خیر خواہ بھی ہو دانا بھی ہو قادر بھی ہو۔ بعض وکیلوں میں تو یہ بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ کبھی شاید قانون نہ جانتا ہو شفقت بھی کم ہو۔ اور جہاں ایسا ہو جیسے بیٹے کا تو مقدمہ اور باپ وکیل یا جیسے کوئی مریض اپنے آپ کو ایسے حکیم کے سپرد کر دے کہ وہ طبیب بھی ہے اور باپ بھی ہے اور طبیب بھی ایسا کہ حکیم محمود خاں سے سند حاصل کئے ہوئے اس کے سپرد کرنے کے کیا معنے ہوں گے یہ معنے ہوں گے کہ تم مت دخل دو اور دخل نہ دینے کے کیا معنے یہ کہ اگر مریض کچھ کھاوے تو حکیم جی سے پوچھے نسخہ پیوے تو حکیم جی سے پوچھے۔ میں جب بیمار پڑتا ہوں تو ایسا کرتا ہوں کہ کوئی ایک طبیب اپنے علاج کے

لئے تجویز لکھ لیتا ہوں اور سپرد کرنے کے اس معنے پر اس طرح عمل کرتا ہوں کہ اگر کوئی بھی کچھ بتلاتا ہے کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب محبت ہوتی ہے تو نفع کی چیز بتانے کو ہر شخص کا جی چاہتا ہی ہے۔ تو میں کسی کی دل شکنی نہیں کرتا۔ کہہ دیتا ہوں کہ بھائی فلانے حکیم میرے معالج ہیں تم ان سے کہہ دو انہیں سمجھا دو اگر وہ مناسب سمجھیں گے تو مجھے بھی کوئی عذر اس کے استعمال میں نہ ہو گا اگر ایسا نہ کروں تو میں کس کس کا علاج کروں کیونکہ محبت میں ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ ضرور بتانے لگتا ہے اسی واسطے میں کہتا ہوں ضرورت اس کی ہے کہ ایک خدا کو اختیار کر لو ہم نے بچاس اللہ اختیار کر رکھے ہیں کہیں نفس کہیں برادری کہیں قوم کہیں روپیہ کہیں کچھ کہیں کچھ۔ سب کو راضی نہیں کر سکتے بس ایک کو لے لو۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

(مصلحت یہ ہے کہ سارے جہاں کی مصلحت چھوڑ کر دوست محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں)

اور یہ مشرب ہونا چاہئے مسلمان کا۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدبیں نہ کند بہ کس نگاہے

(سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند ہی کے خیال میں مست ہوں۔ کیا کروں میں کاش کہ بد خو کی نظر کسی پر بھی نہ پڑتی)

اور یہ مذہب ہونا چاہئے۔

دلآرامے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

(جس دل آرام یعنی محبوب سے تم نے دل لگا رکھا ہے اس کے لئے تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو)

اور حضرت خدا کے ساتھ تو یہ علاقہ کیوں نہ ہونا چاہئے لوگوں نے تو مخلوق کے ساتھ یہ علاقہ پیدا کر لیا ہے۔

حکایت مجنوں

اب آخر مجنوں کا قصہ معلوم ہی ہے سب کو لیلیٰ مورخین نے بھی لکھا ہے کہ سانولی تھی- بہت اچھی نہ تھی- لیکن دل ہے جہاں آگیا- ایک حکایت مولانا نے لکھی ہے-

گفت لیلے راخلیفہ کاں توئی　　　کز تو مجنوں شد پریشان وغوی

بادشاہ وقت نے جب لیلیٰ کی تعریف سنی تو حکم دیدیا کہ بلالو- چنانچہ وہ حاضر کی گئی دیکھا تو ایک سانولی سی عورت- کہا ماشاء اللہ آپ ہی ہیں جنہوں نے مجنوں کو پریشان کر رکھا ہے-

از دگر خوباں تو افزوں نیستی　　　گفت خاموش چوں تو مجنوں نیستی

یعنی اوروں سے زیادہ تو کوئی بات تجھ میں نہیں معلوم ہوتی- لیلیٰ نے کہا چپ رہ تو مجنوں تھوڑا ہی ہے-

دیدہ مجنوں اگر بودے ترا　　　ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

اگر تیرے پاس مجنوں کی آنکھ ہوتی تو اس وقت تیری نظروں میں دونوں عالم بیقدر ہو جاتے تو حضرت جس کا حسن ادنیٰ درجہ کا ہے اس کی محبت میں تو طالب کی یہ حالت ہو جائے کہ دونوں عالم اس کی نظروں میں بے قدر ہو جائیں اور آپ خدا کی محبت میں اتنی حالت بھی نہ کر دکھلادیں افسوس-

عشق مولیٰ کے کم از لیلے بود　　　گوئے گشتن بہر او اولے بود

کیونکہ عشق کا مدار حسن ہے اور حسن کہاں خدا کا کہاں لیلیٰ کا- حسن مجازی تو ایک پر تو ہے حسن حقیقی کا سو دنیا کا حسن و جمال وہیں کا ظل ہے- اسی کو کہتے ہیں ایک عارف-

حسن خویش از روئے خوباں آشکارا کردہ
پس بہ چشم عاشقاں خود راتما شا کردہ

(مجنوں کی شکل میں تو نے اپنے کو ظاہر کیا ہے- اور چشم عاشقاں کو تو نے اپنے لئے تماشا بنایا ہے)

تو ایسی حالت میں غضب کی بات ہے کہ خدا کے ساتھ وہ علاقہ نہ ہو جو

مجنوں نے لیلےٰ کے ساتھ کر کے دکھایا- یعنی اپنے کو ہمہ تن فنا کر دیا محبت لیلیٰ میں- حقیقت میں سپرد کرنا وہی ہے جس کو فنا ہو جانا کہتے ہیں- تو ضرورت اس کی ہے کہ ہر مسلمان فنا ہو جائے فنا ہو جانے کے یہ معنے نہیں کہ سنکھیا کھالے- گلا گھونٹ لے- مر جاوے- اجی حضرت وہ تو چیز ہی اور ہے وہ کیا چیز ہے وہ تو ایک ہی کا ہو رہنا ہے ایک ہی کی سپردگی میں اپنے آپ کو دیدینا ہے ایک ہی کی اطاعت اختیار کر لینا ہے- پھر بھلا اس فنا میں مرنا کہاں بلکہ اس کا تو یہ اثر ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگرست

(خنجر تسلیم کے زخمیوں کو ہر زمانہ میں ایک اور جان عطا ہوتی ہے)

اور اس فنا کی تو یہ حالت ہے۔

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد انچہ درو ہمت نیاید آں دہد

(فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں باقی جان عطا کرتے ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا)

تو فنا کے معنے یہ نہیں ہیں کہ مر جاؤ بلکہ یہ معنے ہیں کہ اپنی رائے کو چھوڑ دو- اپنے ارادہ اور خواہش کو چھوڑ دو- وہ حالت کر لو جیسی کہ حضرت عارف شیرازی نے بیان فرمائی-

فکر خود ورائے خود در عالم رندی نیست

کفرست دریں مذہب خود بینی وخودرائی

(اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں- اس راہ میں خود بینی اور خودرائی کفر ہے)

اب بھلا رائے کا چھوڑ دینا بھی کوئی مشکل کام ہے- بلکہ اس میں تو بڑی راحت ہے- لیجئے صاحب یہ ہے دین اور یہ ہے اسلام جو مطلوب ہے جس کو لوگ مشکل کہہ رہے ہیں کس قدر آسان نکلا- بس اس کی تعلیم کرتے میں لوگ ہم ملانوں کو بدنام کرتے ہیں کہ تشدد کرتے ہیں مشکل کام بتلاتے ہیں اسی کی تعلیم کرتے ہیں لوگ ہم میں طرح طرح کے عیب اور نقصان نکالتے ہیں واقعی ہم میں ایک عیب ضرور ہے کہ ہم نے خدا کے دین کو بہت آسان اور مختصر کر کے مخلوق کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ ادنیٰ توجہ سے ہر شخص کو دسترس ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ کرنے

سے معلوم ہوتا ہے کہ مشکل ہے یا آسان ہے اور کرنے سے پہلے یہ سارے خوف اور وہم ہیں اس کی ایسی مثال ہے کہ مثلاً کسی مریض کو طبیب نے علاج کی رائے دی اب اس کو حقیقت تو معلوم نہیں علاج کو دشوار سمجھ کر کہتا ہے کہ صاحب کہاں سے دوائیں لاؤں کہاں اہتمام کروں کہاں بکھیڑا کروں وہ ہنس کر کہنے لگا معلوم ہوتا ہے تم نے کبھی علاج کیا نہیں اچھا تم اپنے آپ کو ہمارے سپرد کردو اور تندرستی لے لو۔ اس نے کہا اچھا صاحب کر دیا سپرد کر کے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ کوئی چیز ایسی نہیں تجویز کی جو مشکل ہو۔ نسخہ بھی وہ لکھا جو شہر میں ملتا ہے غذا بھی وہ بتائی جو شہر میں ملتی ہے۔ نسخہ کے دام بھی وہ جو وسعت سے زیادہ نہیں کیونکہ کامل طبیب مفردات سے علاج کرتا ہے یا دو تین اجزاء سے اور معمول کے مطابق جو غذا مریض کھاتا ہے اسی کو برقرار رکھتا ہے البتہ اس میں کچھ اصلاح کر دیتا ہے۔ ایسا طبیب حاذق اتفاق سے اس مریض کو مل گیا آٹھ دس دن ہی علاج کیا تھا کہ نہ بخار رہا نہ کھانسی رہی بالکل تندرست ہو گیا۔ طبیب نے پوچھا کہو بھائی تم تو کہتے تھے کہ علاج بڑا مشکل ہے کہا میری حماقت تھی میں نے باقاعدہ علاج کبھی کیا نہ تھا۔ سن سن کر اوہام میں مبتلا ہو گیا تھا یہ تو بڑا آسان نکلا۔

اپنے آپ کو سپرد خداوندی کرنے کی ضرورت

میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اسی طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر کے دیکھو کتنا آسان ہے سارا قصہ البتہ یہ ضرور ہے کہ خواہ علاج کتنا ہی آسان ہو مگر عادات و معمولات میں کچھ نہ کچھ ترمیم ضرور کی جاتی ہے مگر وہ بھی دشوار نہیں ہوتی جیسے مشفق طبیب یوں تو نہیں کہتا کہ تم بیوی کو طلاق دیدو۔ بچوں کو چھوڑ دو۔ مال اسباب کو خیرات کر ڈالو سب حالت بدستور رہنے دیتا ہے ہاں معمولات میں تھوڑی سی دست اندازی کرتا ہے جب مشفق طبیب ایسا کرتا ہے تو حق تعالیٰ کی برابر تو نہ ماں رحیم ہے نہ باپ ان کی تجویز تو سب ہی سے زیادہ سہل ہو گی۔ چنانچہ دیکھ لیجئے حق تعالیٰ نے جو احکام ہمارے لئے تجویز فرمائے ہیں خود انہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری کس قدر سہولت اور رعایت مدنظر رکھی ہے مثلاً یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اگر پانی نہ ہونے کی وجہ سے غسل یا وضو نہ ہو سکے اور سونے سے وضو یا سوتے ہوئے

احتلام ہو جانے سے غسل واجب ہو گیا تو تیمم کی اجازت ہوتی ہے لیکن اس میں ایک بات کمال کی ہے۔ یعنی عجیب قصہ ہے کہ اگر سفر میں پانی وضو کے لائق تو ہو لیکن غسل کے لائق نہ ہو یا پانی موجود ہو لیکن پانی سے غسل کرنا مضر ہو تو ظاہراً عقل یہ کہتی ہے کہ ایسے وقت میں صحبت کی اجازت نہ ہونی چاہئے کیونکہ خواہ مخواہ بیوی سے مشغول ہو کر قصداً تو ناپاک بنے اور اب پانی ڈھونڈتے ہیں تو ملتا نہیں یا ملتا ہے مگر عذر ضرر کا کرتے ہیں پھر پوچھتے ہیں کہ صاحب تیمم جائز ہے یا نہیں۔ ایسے موقع پر شریعت کو حق تھا کہ کہہ دیتے کہ تمہیں قصداً ناپاک بننے کو کس نے کہا تھا جاؤ ہم تیمم کی اجازت نہیں دیتے۔ سر کھاؤ اپنا مرو جس وقت پاک تھے اس وقت معلوم تھا کہ پانی غسل کے لائق نہیں ہے یا غسل مضر ہو گا پھر ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ مجبور بننے کی ہم اجازت نہیں دیتے چنانچہ دنیا میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ مثلاً ایک شخص نے رخصت مانگی اپنے آقا سے اس نے ذرا انکار کیا تو جھٹ ایک دوا ایسی پی لی جس سے بخار چڑھ آیا آقا کو پتہ لگ گیا کہ اس نے قصداً بغرض حصول رخصت بخار چڑھا لیا ہے اس نے صاف انکار کر دیا کہ ہم کبھی تم کو رخصت نہ دیں گے۔ دیکھئے دنیا میں تو یوں واقع ہو رہا ہے اور عقل کے بھی خلاف یہ بات نہیں لوگ بہت عقل عقل کرتے پھرتے ہیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہاری رائے اور عقل جس کے تم بڑے معتقد بن رہے ہو تمہاری دشمن ہے چنانچہ مثال مذکور میں عقل صحبت کی اجازت نہیں دیتی مگر شریعت نے عقل کے تشدد کو پسند نہ کر کے سہولت کا مشورہ دیا اس آیت میں یہی مضمون ہے واعلموا ان فیکم رسول اللہ لویطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے کہنے کے موافق کرتے تو تم مشقت میں پڑ جاتے وجہ یہ ہے کہ یہی ہم نہیں جانتے کہ ہمارے لئے مصلحت اور رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے ایسی کہ خود ہماری عقل بھی اتنی رعایت تجویز نہیں کرتی۔ تو حضرت عقل کو چھوڑیئے اس کی بڑی پرستش کرتے تھے مگر دیکھئے عقل کا فتویٰ اس موقع پر یہ ہے کہ تیمم کی اجازت نہ ہو کیونکہ جب پانی موجود نہ تھا یا مضر تھا تو قصداً اپنے اوپر غسل واجب کیوں کیا۔ اب شریعت کا فتویٰ سنئے۔ مثلاً ایک ایسا ہی شخص پوچھتا ہے کہ ایسی صورت میں غسل کا تیمم کر کے نماز پڑھنا مجھے جائز ہے۔ شریعت کا نائب کہتا ہے ہاں ہاں جائز۔ وہ پوچھتا ہے کہ ایک شخص کو یہ معلوم تھا کہ پانی نہیں ہے باوجود اس

کے اس نے اپنی بیوی سے مشغول ہو کر اپنے اوپر غسل واجب کر لیا کیوں جی اس کو کچھ گناہ ہوا کچھ کراہت ہوئی- وہ کہتا ہے بالکل نہیں- وہ پوچھتا ہے کیوں صاحب تیمم میں کچھ نقصان رہے گا وہ کہتا ہے بالکل نہیں- یہ میں نے ایک چھوٹا سا نمونہ بتایا ہے اسی سے اندازہ کر لیجئے شفقت کا پھر بھی اگر اپنے کو خدا تعالیٰ کے سپرد نہیں کرتے تو کون آوے گا جس کے سپرد اپنے آپ کو کرو گے- غرض جس طرح طبیب کے سپرد اپنے آپ کو کر دیتے ہو اسی طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دو- یعنی اب تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا اس میں تھوڑا سا تصرف کرنا ہو گا- میں بہت چھوٹی سی بات بتلاؤں گا تفصیل آپ سے آپ وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہے گی- میں ایسا گر بتلاؤں گا جس سے ہر وقت ذہن میں تفصیل کے جمع رکھنے کی ضرورت نہ رہے مگر تفصیل خود بخود وقتاً فوقتاً معلوم ہوتی رہے گی-

فنا کی تعلیم

وہ گر یہ ہے کہ اب تو یہ ہے کہ جو جی میں آتا ہے کر کرا لیتے ہو- جو جی میں آتا ہے کہہ سن لیتے ہو جو جی میں آتا ہے کھا پہن لیتے ہو جو جی میں آتا ہے خرید بیچ لیتے ہو- اب تو یہ حالت ہے اور فنا کے یہ معنے ہیں کہ جو جی میں آیا اسے فوراً کرنے نہ بیٹھ جاوے بلکہ ذرا رکے- یعنی جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ دل میں پیدا ہو اسے فوراً نہ کرو بلکہ اس کا حکم پوچھو حاملان شریعت سے کہ وہ کیا کہتے ہیں سو پوچھنے پر معلوم ہو گا کہ شریعت نے یہ نہیں کہا کہ گوشت گھی مت کھاؤ نکاح مت کرو- بچوں کو پیار مت کرو- کیا کہا ہے فقط یہ کہا ہے کہ وہ کام نہ کرو جس میں تمہارا ضرر ہے- مگر اس کا فیصلہ تمہاری رائے پر نہیں رکھا- اگر بچہ کی رائے پر ماں باپ اسے چھوڑ دیں تو اس کا نتیجہ بچہ کی ہلاکت ہے مثلاً بچہ نے سانپ کو دیکھا کہ چمکتا ہوا اور منقش ہے وہ اس کی ظاہری خوبصورتی اور نقش و نگار کو دیکھ کر اس کے پکڑنے کے لئے لپکا- باپ ہر چند اسے روکتا ہے لیکن نہیں مانتا ہٹاتا ہے لیکن اصرار کرتا ہے جب کسی طرح نہ مانا تو زور سے ایک چپت لگایا اور زبردستی پکڑ کر گھسیٹ لے گیا- اب میں کہتا ہوں کہ اس نے جو یہ دھول مارے آیا یہ رحمت اور شفقت ہے یا تشدد اور بے رحمی ہے اور اگر فرض کرو اتفاق سے اس بچہ کو اپنی رائے پر عمل کرنے کی وہ باپ اجازت دیدے تو

ظاہر ہے کہ سانپ اسے کاٹ لے گا اور وہ مر جاوے گا- تو پہلی صورت میں گدھے سے گدھا بھی کہے گا کہ سبحان اللہ کیا مہربان باپ ہے- بڑی نگرانی اور بڑی محبت سے اپنے بچہ کو پالا ہے اور اگر بچہ کے کہنے پر کہ سانپ کو پکڑ لوں باپ نے اجازت دیدی اور کہدیا کہ ہاں پکڑ لے بیٹا اور بچہ کا دل نہ دکھایا تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی اس کو مہربانی نہ بتلاوے گا بلکہ سب یہی کہیں گے کہ محبت یہی تھی کہ چپت لگاتا اور سانپ نہ پکڑنے دیتا- وہ ظالم تھا ڈاکو تھا خونخوار تھا باپ نہ تھا- پھر خدا کو جو باپ سے بھی زیادہ مہربان ہے آپ چاہتے ہیں کہ جو ڈاکو باپ نے کیا وہی وہ کرتا یعنی ہمیں اجازت دے دیتا کہ جو جی میں آوے کرو- اب انصاف کے ساتھ فیصلہ اپنے نفس سے کرو کہ کون سی صورت مہربانی کی ہے آیا یہ کہ کبھی کبھی چپت لگا دیا کریں وہ بھی جب کہنا نہ مانو اور اگر کہنا مانو تو پیار پر پیار محبت پر محبت- اور وہ مار بھی شفقت ہے مگر حسا نہیں- تو یہ ہے وہ گر- گویا سارے وعظ کا خلاصہ یہ ہے- یہاں غالباً آپ ایک شبہ یہ پیش کریں کہ جب ہماری مرضی کے موافق نہ ہوں گے تو ہمیں تکلیف ہو گی اور ہمارا حرج ہو گا مگر حضرت ذرا ٹھہر کر اور سوچ کر کہئے جو کچھ کہنا ہو اول تو ہر جگہ یہ کہنے کا منہ نہیں کہ تکلیف اور حرج ہو گا مثلاً جی چاہا ڈاڑھی ذرا صفا چٹ کر دیں گورے معلوم ہوں گے- حسین معلوم ہوں گے تو میاں بتلایئے اگر شریعت کی ممانعت پر عمل کیا تو کونسی تکلیف ہوئی کونسا حرج ہوا البتہ ایک تاجر تو خیر کہہ سکتا ہے کہ سود کو چھوڑ دوں تو مالی حرج ہو گا- یہ تو خیر کچھ معقول بھی ہے گو انشاء اللہ اس کا جواب بھی ایسا بتلا دوں گا جس سے یہ اعتراض ماکول ہو جاوے گا مگر خیر ظاہراً تو کچھ ہے لیکن شریعت اگر ڈاڑھی منڈانے کو منع کرے شریعت اگر غیبت کو منع کرے شریعت اگر انگریزی لباس پہننے سے منع کرے تو اس میں کونسا ضرر ہو گا- اگر اس میں دعوئی تکلیف اور حرج کا ہو تو میں کہتا ہوں اس کا نام بتا دیجئے کہ وہ تکلیف اور حرج کیا ہے- اگر تکلیف اس کو کہتے ہو کہ خیال کے خلاف ہے تو حضرت یہ جو گورنمنٹ کی نوکری ہے یہ تو اس میں بھی ہے کہ آفس میں جانا ہے لیکن بارش ہو رہی ہے تو نوکری بھی مت کرو- دنیا کا کون سا ایسا کام ہے جو نفس کے بالکل خلاف نہ ہو- خلاف تو ہزاروں باتیں ہیں- مثلاً تار آیا کہ بیٹا بیمار لیکن کچہری جانا ضرور- یہ بھی تو نفس کے خلاف ہے مگر اور جگہ اعتراض نہیں کرتے- قانون سرکاری تو یہ کہتا ہے کہ کیسا بیٹا کام پر حاضر ہونا پڑے گا اس کو کوئی

نہیں کہتا کہ کیسا سخت قانون ہے کہ ہم تو بیٹے کے غم میں پڑے ہوئے ہیں وہاں دفتر سے یہ حکم چلا آرہا ہے کہ آؤ جی گھر سے نکل کر تو جناب ایسا قانون تو کوئی دنیا میں بھی نہیں جس میں نفس کے خلاف کوئی بات بھی نہ ہو پھر نہیں معلوم اللہ میاں کے قانون ہی کو کیوں ہر بات میں سخت بتایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر شریعت نے ڈاڑھی منڈانے سے منع کر دیا تو اس میں تکلیف اور حرج کیا ہو گا کہیں چوٹ لگ گئی (بلکہ منڈانے میں تو استرہ لگ جانے کا خوف بھی ہے ۱۲ کاتب) آمدنی گھٹ گئی سردی لگنے لگی گرمی لگنے لگی کیا ہو گیا ہاں یہ تو ہوا کہ بزعم تمہارے صورت اچھی نہ رہے گی سو اول تو یہ ضرور نہیں کہ ڈاڑھی سے صورت بری معلوم ہونے لگتی ہو ڈاڑھی کوئی دم ہے کہ چہرہ پر بری معلوم ہو لاحول ولا قوۃ بلکہ واقعی اگر شریعت کی حد میں ہو تو چہرہ کی زینت ہے۔

ایک مٹھی ڈاڑھی خوبصورت معلوم ہوتی ہے

یوں کوئی ایڑی تک بڑھا لے یہ اس کی ہمت ہے۔ اختیار ہے باقی شریعت نے مجبور صرف ایک مٹھی ڈاڑھی رکھنے پر کیا ہے۔ اور ایک مٹھی ڈاڑھی تو بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ خوبصورت نہ بھی معلوم ہو تو کس کی نظر میں خوبصورت نہیں معلوم ہوتی صرف چند احمقوں کی نظر میں باقی جس کے ساتھ اصل تعلق ہے یعنی حق سبحانہ تعالیٰ انہیں تو خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ بلا تشبیہ اگر کسی بازاری عورت پر کوئی جنٹلمین صاحب عاشق ہو جائیں اور وہ عورت یوں کہے کہ تم ڈاڑھی نہ منڈایا کرو مجھے تو ڈاڑھی اچھی معلوم ہوتی ہے تو اگر وہ صاحب سچے عاشق ہیں تو خدا کی قسم اسی دن سے ڈاڑھی منڈانا چھوڑ دیں گے۔ اب ان کے دوست احباب ہنستے ہیں کہ آئیے مولوی صاحب آئیے ملاں صاحب لیکن وہ عاشق صاحب بجائے متاثر ہونے کے یہ کہہ دیتے ہیں کہ میاں تم کیا جانو اس ڈاڑھی کی حقیقت تمہیں اچھی نہ معلوم ہوتی ہو لیکن اسے تو اچھی معلوم ہوتی ہے جس پر میں جان تک فدا کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے اب کسی سے کیا مطلب اب تو میں نے یہ مذہب اختیار کر لیا۔

دلآرامے کہ داری دل درو بند		دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

اب تو میری حالت اس نو خرید غلام کی سی ہے جس سے اس کے نئے آقا نے اس کا نام اور کھانے پہننے کے متعلق معمول پوچھا تھا اور اس نے اپنے آقا کے پوچھنے پر یہ جواب دیا تھا کہ اب تک جو کچھ بھی میرا نام ہو لیکن آج سے جو تم مجھے کہنے لگو وہی میرا نام ہے جو پلاؤ وہی میرا پانی ہے جو کھلاؤ وہی میری غذا ہے جو پہناؤ وہی میرا لباس ہے۔ اسی طرح اس بازاری عورت کے لئے وہ عاشق ڈاڑھی پر ہنسنے والوں سے کہہ دے گا کہ میاں اسے تو پسند ہے۔ تم بلا سے برا سمجھتے رہو تم سے مجھے لینا کیا ہے حضرت یہی مذہب ہوتا ہے عاشق کا۔

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ مانمی خواہیم ننگ و نام را

(اگرچہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے۔ لیکن ہم ننگ و ناموس کے خواہاں نہیں)

مگر اس سے پہلے اس کی ضرورت ضرور ہے۔

ساقیا برخیز و دردہ جام را ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ خاک بر سر کن غم ایام را

(اے ساقی جام چھوڑ کر اٹھ جا اور گذرے ہوئے ایام کی یاد دل سے نکال دے!)

یعنی جام محبت پینے کے بعد یہ مذہب نصیب ہو جاتا ہے اس سے ہی تمام شبہات خدشات تمام سوالات تمام اشکالات رخصت ہو جاتے ہیں اور نری قیل و قیل سے کچھ نہیں ہوتا آج کل قیل و قال اور بحث و جدال وہ بھی محض فضول ولاطائل کا ایک مستقل شغل ہو گیا ہے۔

جملہ شبہات کا شافی علاج

چنانچہ ایک بڑے تعلیم یافتہ فرماتے تھے کہ فروری میں روزے مقرر ہوتے تو بہت مناسب تھا گرمی کے دنوں میں جو روزے آجاتے ہیں بڑی مصیبت آجاتی ہے اللہ اکبر کچھ حد ہے ۱۶ گھنٹہ تک پیاسا رہنا پڑتا ہے اس دشمن عقل نے یہ نہ سمجھا کہ فروری کے مہینہ میں تمام اقلیموں میں تو دن چھوٹا نہیں ہوتا۔ اب تو نری سختی سب کو بانٹ رکھی ہے۔ نمبر وار بھگتو مگر اس سے بھی قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ ہم کو ضرورت ہی کیا اعتراض کرنے کی جو چاہا اللہ میاں نے مقرر کر دیا اگر اس معترض کے

قلب میں محبت ہوتی تو اعتراض کا اس میں گذر تک نہ ہوتا- ایک مجمع تھا تعلیم یافتوں کا اس میں میں نے یہ مضمون بیان کیا تھا کہ خدا سے محبت پیدا کر لو- سارے شبہات جاتے رہیں گے خدا کی قسم یہی اصل علاج ہے شبہات کا کیونکہ قاطع وساوس صرف محبت ہے اور کوئی چیز نہیں- نہ دلائل ہیں نہ براہین ہیں نہ لکچر ہیں نہ تقریر ہے نہ وعظ ہے- بس شبہات کی جڑ جو کٹتی ہے تو محبت ہی سے- فرض کرو ایک بازاری عورت پر کوئی جنٹلمین صاحب عاشق ہو گئے جن کے پاس کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے ناک بھی ہے- اس نے ان کے لئے ایک ایسی پوشاک تجویز کی جس میں سوائے ناک کٹائی کے اور کچھ بھی نہیں یعنی اس نے کہا کہ میں جب ملوں گی جب اپنے یہ سب کپڑے اتار کر اور صرف ایک لنگوٹا باندھ کر ایک بازار سے دوسرے بازار تک ننگ دھڑنگ دس چکر لگا آؤ گے اگر عاشق ہے تو اس سے بھی زیادہ پر آمادہ ہو جائے گا- اور یہی نہیں بلکہ شبہ بھی نہ ہو گا حالانکہ شبہ تو ہونا چاہئے تھا کہ کیوں بی اس میں تمہارا کیا نفع میری تو رسوائی اور تمہارا کچھ نفع نہیں جیسے کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم نے نماز نہ پڑھی تو اللہ میاں کا کیا بگڑا مگر یہاں کوئی نہیں بولتا- اتفاق سے ایک بڑے عاقل تھے بڑے فلسفی تھے آپ پوچھتے ہیں بی مجھے رسوا کرنے میں تمہارا کیا بھلا ہو گا- وہ کہتی ہے کہ خیر اگر تمہیں یہ رسوائی گوارا نہیں تو جا کر گھر بیٹھو اب خوشامدیں کر رہے ہیں کہ نہیں نہیں خفا مت ہو میں نے تو یوں ہی حکمت دریافت کر لی تھی ورنہ مجھے حکمت معلوم کر کے کیا لینا مجھے تو تمہاری رضا مندی چاہئے- تو جناب اس مردار کے کہنے میں اول تو شبہ ہی نہ ہو گا اور اگر ہو گا تو اس سے فوراً رجوع کر کے عمل کرنا شروع کر دے گا- تو وجہ فرق کی کیا- وجہ فرق کی یہ ہے کہ اس کمبخت سے محبت ہے اور اللہ میاں سے محبت نہیں بلکہ اگر کوئی دوسرا اس شخص کو مشورہ بھی دے کہ میاں یہ تو نہایت واہیات اور بیہودگی کا کام ہے اس کی حکمت اور مصلحت تو پوچھ لی ہوتی- تو وہ یہی کہہ دے گا کہ میاں جاؤ یہ کوئی پوچھنے کا موقع ہے یہ تو فنا کا موقع ہے جو کہے کرنا چاہئے- حکمت کیا ہوتی- حکمت تو وہ جانے جس نے تجویز کی ہے ہمیں تو حکم کی تعمیل کرنی چاہئے- ہائے ہائے یہ مذہب ہمارا خدا کے ساتھ کیوں نہیں- خلاصہ یہ کہ خدا کے ساتھ محبت نہیں ہے ورنہ کوئی حکم گراں نہ معلوم ہوتا ساری کم ہمتی اسی سے ہے کہ محبت نہیں ہے- اگر وسوسے دور کرنے ہیں تو محبت پیدا کر لو- پھر یہ شبہ پیدا نہ ہو

گا کہ اگر ہم اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے تو کام اٹکے گا- اور تو ہر جگہ یہ سوال نہیں ہو سکتا مثلاً ڈاڑھی رکھنے میں کونسا کام اٹکتا ہے- اگر کہیں کہیں یہ شبہ ہو بھی سکتا ہے کہ اگر ہم ایسا کریں گے روٹیاں نہ ملیں گی تنگی پیش آئے گی تو اس شبہ کا ایک جواب تو یہ ہے کہ محبت پیدا کر لو اگر محبت پیدا کر لو گے تو خدا کی قسم تمہارا یہ مذہب ہو جائے گا-

متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے

جان جیسی پیاری چیز بھی دینے پر تیار ہو جاؤ گے- حضرت اب اس سے تو بڑھ کر کوئی چیز نہیں-

عاشقانہ جواب

کیرانہ میں ایک طالب علم اسی مشرب کے مولانا فتح محمد صاحب سے مثنوی شریف پڑھنے آئے تھے انہوں نے ایک سوال کا ایسا ہی جو لدیا تھا اور وہ عاشقانہ جواب ہے- اور ایک اور بھی ہے جسے میں بعد کو عرض کروں گا صرف اسی عاشقانہ جواب پر اکتفا نہ کروں گا کبھی کوئی یوں کہنے لگے کہ یہ کام ہمارے کرنے کا نہیں مولوی لوگ ہی ایسی ہمت کر سکتے ہیں- بہر حال مولوی صاحب نے اس طالب علم سے پوچھا کہ بھائی روٹیوں کی کیا فکر کرو گے- اس نے کہا اجی مولوی صاحب روٹیوں کی کیا فکر- اللہ میاں کی جان ہے اگر وہ اسے دنیا میں رکھنا چاہیں گے خود روٹیاں دیں گے اور اگر نہیں دیں گے اپنی جان لے لیں گے- یہ آخر کبھی نہ کبھی تو نکلے ہی گی- اس کی کیا فکر- چھوڑیے اس قصہ کو- ہمت تو دیکھئے آپ مرنے پر تیار ہو گئے کہ کبھی نہ کبھی تو مریں ہی گے ابھی سہی- جیسے کسی ملاح سے کسی نے پوچھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے تھے اس نے کہا دریا میں- پوچھا دادا- کہاں دریا میں- کہا میاں تمہیں ڈر نہیں معلوم ہوتا کہ اتنے تو تجربے ہو چکے ہیں پھر بھی تم یہیں نوکری کرتے ہو- اس وقت تو اس نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ صاحب کیا کریں باپ دادا سے یہی پیشہ چلا آتا ہے- لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے اس سے پوچھا کہ آپ کے والد صاحب نے کہاں انتقال فرمایا تھا کہا گھر میں پوچھا دادا صاحب نے کہاں گھر میں- پوچھا پردادا صاحب نے- کہاں گھر میں کہا پھر آپ کو ڈر نہیں معلوم ہوتا کہ جس گھر میں آپ کے اتنے بزرگ مرتے چلے آرہے ہیں اسی میں آپ رہتے ہیں- حاصل یہ کہ مرنا تو ہے ہی دریا میں مرے تب کیا- اور گھر میں مرے تب کیا- اور مصر و شام میں مرے تب کیا- تو اس طالب علم کا یہ مذہب تھا- صاحب کچھ استغناء میں اثر ہوتا ہے- جس وقت یہ گفتگو ہو

رہی تھی ایک صاحب مولوی صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے جو یہ گفتگو سنی تو ان پر اثر ہو گیا۔ سمجھے کہ یہ تو بڑا اچھا آدمی ہے۔ ان کا جی چاہا کہ کچھ خدمت کروں۔ کہا کہ مولوی صاحب آج میرے یہاں آپ کی دعوت ہے مولوی صاحب نے کہا اچھا بھائی مگر میں مکان پر نہ آؤں گا میرا حرج ہو گا۔ اگر کھلانا ہو تو کھانا یہیں بھیج دینا۔ اب آپ نے اس میں بھی نخرے شروع کیے حالانکہ دعوت کا عموماً یہ دستور ہے کہ مہمان خود میزبان کے گھر جا کر کھانا کھاتا ہے لیکن ان کے عذر کو بھی قبول کر لیا گیا کہ اچھا صاحب ہم یہیں کھانا حاضر کر دیں گے پھر تو جناب اس واقعہ کا قصبہ بھر میں چرچا ہو گیا کہ یہ طالب علم ایسے ہیں۔ بڑے سیر چشم ہیں۔ پھر تو صبح بھی دعوت شام بھی دعوت اور دعوت کا کھانا عموماً روز مرہ کے کھانے سے اچھا ہوتا ہی ہے۔ غرض خوب دعوتیں اڑائیں جتنی مثنوی پڑھی یار دعوتیں ہی اڑاتے رہے۔ جب پڑھ چکے السلام علیکم کہہ کر یہ جاوہ جا۔ میں پوچھتا ہوں اس کو کہاں سے روٹیاں مل گئیں لیکن اس جواب کو جو آزاد ہو گا وہ تو قبول کر لے گا۔ اور جو آزاد نہ ہو گا وہ کہے گا کہ واہ صاحب واہ اچھی رائے دی۔ اور جو کوئی نہ پوچھے تو بھوکوں ہی مر جاؤ۔ جیسے ایک واعظ بیچارے یہ بیان کر رہے تھے کہ پلصراط بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ ایک فارسی صاحب بھی کہیں وعظ میں بیٹھے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ملا صاف بگو کہ راہ نیست مولوی صاحب پھر صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہاں چلنے کا راستہ ہی نہیں اس ہیر پھیر سے کیا حاصل کہ تلوار سے بھی تیز بال سے بھی باریک یوں کہو کہ وہاں چلنے کا راستہ ہی نہیں۔ اسی طرح میرے اس جواب کو سن کر آپ صاحبان دل میں کہتے ہوں گے کہ مولوی صاحب نے اچھی رائے دی۔ پھر سب کو زہر دیکر اور گلا گھونٹ کر ہی کیوں نہ ختم کر دو۔ ترس ترس کر مرنے سے تو یہی اچھا کہ ایک دم سے جان نکل جائے۔ اچھی رائے دی صاحب کہ تجارت اور کاروبار سب چھوڑ کر بیٹھ رہیو اور بس مر رہیو۔ کوئی نہ کوئی دفن کر ہی دے گا بھائی ہماری سمجھ میں تو یہ جواب آیا نہیں۔ سو دوسرا جواب اور بھی ہے مگر وہ بھی پسند آئے گا۔ وہ یہ کہ شان و شوکت کو چھوڑو اور کوئی ایسا کام جو حلال ہو اس کو اپنا ذریعہ معاش بناؤ یہ کوئی بے عزتی کی بات نہیں۔ دیکھو حضرت داؤد علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام زرہ بنایا کرتے تھے جو لوہار کا کام ہے۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ ڈپٹی کلکٹر ہی ہو جاویں ملک التجار ہی ہو جاویں۔ ملک انجار ہی سہی۔ نجار تھے یعنی بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو تو کیا کوئی عاقل یہ کہے گا کہ جب سزا ہی سے نہ بچا تو پھر ضرورت ہی کیا ہے پیروی کی۔ یا جتنی تخفیف سزا میں ہو سکے گی اسی کو غنیمت سمجھے گا۔ اسی طرح اے صاحب جو تدبیر تعزیرات الٰہیہ سے بچنے کی آسانی کے ساتھ ہو سکے اس کو تو اختیار کیجئے اگر رہائی کی تدبیر نہیں کر سکتے تخفیف کی تو تدبیر آسان ہے اسی کو کیجئے خلاصہ مطلب یہ ہے میرا کہ اگر حق تعالیٰ سے اطاعت کا تعلق نہیں ہے تو معذرت ہی کا تعلق سہی۔ کچھ تو تعلق ہو۔ ایسی بھی غفلت کیا کہ فکر بھی نہیں کرتے سوچتے ہی نہیں کروٹ ہی نہیں لیتے صاحب یہ حالت تو ہم سے نہیں دیکھی جاتی اسے تو بدلو۔ کچھ تو تغیر اپنی حالت میں کرو۔

خلاصہ دستور العمل

خلاصہ دستور العمل کا یہ ہے کہ جو کام جی میں آوے اول سوچو۔ فوراً مت کر لیا کرو۔ بلکہ سوچا کرو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اگر جائز ہو کرو۔ اگر ناجائز ہو اول چھوڑنے کا قصد کرو۔ اگر نفس کہے کہ اس کے چھوڑنے میں تکلیف ہے تو دیکھو کہ وہ تکلیف قابل برداشت ہے یا نہیں اگر قابل برداشت ہے سہہ لو اگر نہیں ہے تو خیر جہاں مبتلا ہو رہے ہو وہاں اتنا تو کرو کہ رات کو استغفار اور دعاء نجات کی کرو یہ ہوا خلاصہ دستور العمل کا اور یہ ہے اسلام کا پہلا سبق اس سے عمل کی توفیق ہو گی پھر عمل کی برکت سے علوم حاصل ہوں گے پھر ان علوم سے اسلام کی تکمیل ہو جائے گی اور جب خلاصہ تقریر کا یہ ہوا کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے سوچو کہ یہ جائز ہے یا ناجائز تو اب ضرورت ہو گی تلاش احکام کی۔ پھر اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ہر روز کچھ کچھ مسئلے جاننے والوں سے پوچھتے رہا کرو اسی طرح دروازے کھلتے کھلتے کھلنے شروع ہو جائیں گے اس طور سے تھوڑے دنوں میں بہت دور نکل جاؤ گے اور خبر بھی نہ ہو گی۔ تھکو گے بھی نہیں۔ یہ جو مضمون میں نے بیان کیا ہے ظاہر میں معمولی سا ہے لیکن میں اس پر فخر کرتا ہوں کہ ایسا مضمون قلب میں آیا جو کام کا سنوارنے والا ہے گو بظاہر معمولی معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی جگہ میں تنگی اور دشواری نہیں پیش آنے دی۔

اسلام کا حق

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر وہ تکلیفیں بھی راحت ہو جائیں گی- اس وقت وہ درجہ حاصل ہو گا- لیکن چونکہ وہ درجہ ابھی حاصل نہیں ہے-

تخم پاشی کے بعد آبپاشی کی ضرورت

اس لئے سہل کر دیا ہے میں نے راستہ کی ایسی بات بتائی ہے جس میں تکلیف ہی نہ ہو جس میں سہولت ہی سہولت ہو- یعنی دن بھر گناہ ہونے کے بعد رات کو حق تعالیٰ سے دعا اور استغفار کر لیا کرو جیسا کہ میں نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا مگر ایک چیز کی اور ضرورت ہو گی وہ یہ ہے کہ میں نے اب تک تخم پاشی یعنی بیج ڈالنے کی ترکیب بتائی ہے میں نے ایک چھوٹا سا بیج ایسا بتایا ہے جس کی کاشت بہت آسان ہے لیکن جیسا کہ تخم پاشی کے بعد آبپاشی کی بھی ضرورت ہوتی ہے اگر پانی نہ دو وہ بیج پھوٹتا اور بڑھتا نہیں اسی طرح اس میں بھی ایک چیز کی اور ضرورت ہے اور وہ بھی آسان ہے- یعنی اللہ والوں کی صحبت خدا کے ان مقبول بندوں کی صحبت جن کو یہ درجہ نصیب ہو چکا ہے- یہ آب پاشی ہے اسی تخم پاشی کے بعد مگر اس میں جانچ کی بہت زیادہ ضرورت ہے- ہر شخص کو دیکھ کر عاشق نہ ہو جانا- یعنی لوگوں کی عجیب حالت ہے کہ ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں- مذاق بگڑا ہوا ہے آج کل بہت سے سیاح پھرتے ہیں اور لوگوں کو پھانستے پھرتے ہیں- اور لوگوں کی بھی یہ حالت ہے-

لختے بر داز دل گذر دہر کہ زپیشم　　من قاش فروش دل صد پارہ خویشم

(میرے سامنے سے ہر گذرنے والا دل کا ایک ٹکڑا لے جا رہا ہے- میں اپنے دل صد پارہ کی ایک پھانک بیچتا ہوں)

ہر شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں ایسا ہرگز نہ چاہئے- ہر شخص اللہ والا نہیں ہے بلکہ اس کی کچھ پہچان بھی ہے-

علامات شیخ کامل

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ سب سے اول دیکھنے کی بات تو یہ ہے کہ وہ شریعت کا بھی پابند ہے دوسرے یہ کہ دنیا کا لالچ تو اس میں نہیں- یہ پہچانیں میں اس لئے بتلائے دیتا ہوں کہ دھوکہ میں نہ آویں رہزن کو رہبر نہ سمجھ لیں- تیسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ اس کی صحبت میں یہ دیکھے کہ دنیا کی محبت کتنی گھٹی حق تعالیٰ کی

محبت کتنی بڑھی چوتھی بات یہ ہے کہ اس کے پاس رہنے والوں میں سے اکثر کی حالت باتمیاز ترک معاصی و تقویٰ و اہتمام حلال و حرام کے کیسی ہے پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقین کو روک ٹوک بھی کرتا ہو چھٹی علامت یہ ہے کہ یہ ضرورت کے موافق علم وین رکھتا ہو اور علماء سے محبت رکھتا ہو ساتویں علامت یہ ہے کہ اہل علم و صلاح بہ نسبت عوام کے اس کی طرف زیادہ مائل ہوں اگر یہ علامتیں موجود ہیں تب تو وہ صحبت کے قابل ہے ورنہ ~

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہ ہر دستے نباید داد دست

(یعنی بہت سے آدمیوں کی شکل میں شیطان زمین پر بستے ہیں اس لئے ہر کس و ناکس کا اندھا ہو کر مرید نہ بنے)

اور اس زمانہ میں بالخصوص اس شخص کے ظاہری اعمال کے صالح ہونے پر نظر کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ بعض بد عقیدہ لوگ کہتے ہیں کہ بس صاحب اہل باطن ہونا چاہئے نماز روزہ کی کیا ضرورت ہے صرف خدا کی یاد اپنے قلب کے اندر ہونے کی ضرورت ہے۔ اس دھوکہ میں ہرگز نہ آنا اسی کو مولانا فرماتے ہیں ~

گر انارے میخری خنداں بخر　　تا دہد خندہ اش زدانہ او خبر

آہ کیا عمدہ طریق تعلیم فرماتے ہیں۔ کیوں نہ ہو وہ تو بڑے عارف ہیں کہتے ہیں کہ انار خریدو تو بند مخفی نہ خریدو بلکہ کھلا ہوا خریدو ~

نامبارک خندہ آں لالہ بود　　کہ زخندہ او سواد دل نمود

یعنی ایک خندہ تو ہے انار کا جس سے اس کا نفیس ہونا معلوم ہوتا ہے اسی طرح اعمال ظاہری کے صالح ہونے سے معلوم ہوتا ہے ہاں یہ صاحب باطن ہے کیونکہ اعمال صالحہ کا صدور اعتدال و استقامت کے ساتھ بدون صلاح فشا یعنی باطن کے نہیں ہو سکتا۔ اور ایک خندہ ہے لالہ کا اوپر ہی سے اندر کی سیاہی نظر آتی ہے اسی طرح اعمال فاسدہ سے باطن کی سیاہی پر استدلال ہوتا ہے غرض خود اس کے اعمال بھی درست ہوں اور اس کی صحبت میں بھی یہ اثر ہو کہ دوسروں کے اعمال بھی درست ہو جائیں اس شخص کی صحبت اکسیر اعظم ہے اور یہ جو میں نے اہل اللہ کی صحبت کو پانی سے تشبیہ دی ہے اس میں ایک اور بھی علمی فائدہ ہے وہ یہ کہ بعض لوگ فقط صحبت پر اکتفا کرتے ہیں خود عمل کچھ نہیں کرتے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے

کھیت کے اندر سمندر کا سمندر کھینچ لے اور سارا دریا بہا لائے لیکن بیج نہ ڈالے تو اس میں کون سی چیز نکلے گی سمندر کے اندر بیج تھوڑا ہی موجود ہے مطلب یہ کہ بیج تو ہو عمل اور پانی ہو صحبت اس وقت یہ حالت ہو گی جس کو حق تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے الم تران اللہ انزل من السمآء مآء فتصبح الارض مخضرۃ الآیہ اور آپ دیکھیں گے کہ انشاء اللہ اس چھوٹے سے بیج سے وہ درخت نکلے گا کہ سارے عالم پر چھا جائے گا۔

صحبت اہل اللہ کے دو درجے

پھر اس صحبت کے دو درجے ہیں اگر اہل حق کی صحبت حسیہ بھی میسر ہو یہ تو بڑی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اسی کو فرماتے ہیں مولانا۔

صحبت نیکاں اگر یک ساعت ست　　　بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست

(نیک لوگوں کی ایک گھڑی کی صحبت سو سال کے زہد و طاعت سے بہتر ہے)

اور اسی طرح اہل حق کی صحبت کے مقابلہ میں اہل باطل کی صحبت کی یہ حالت ہے۔

تا توانی دور شو از یار بد　　　یار بد بدتر بود از مار بد

یعنی یار بد سانپ سے بھی بدتر ہے۔ کیوں۔

مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند　　　یار بد بر جان و بر ایماں زند

(زہریلا سانپ تو جان ہی کو مارتا ہے۔ مگر برا دوست ایمان اور جان دونوں کو ختم کر دیتا ہے)

اور اگر اہل حق کی صحبت حسیہ میسر نہ ہو کیونکہ ہر شہر میں ایسے لوگ موجود نہیں ہوتے پھر دوسری صورت یہ ہے کہ ان سے خط و کتابت رکھو مگر خالی یہی نہیں کہ نوٹ بھیجو یا روپیہ بھیجو یا خیریت منگاؤ یا بیٹے کے واسطے تعویذ گنڈے منگاؤ خیر یہ بھی سہی کبھی کبھی اگر دوسرے کام سے فرصت ہو۔ لیکن اصل مقصود یہ ہے کہ جب لکھو اپنی بیماریاں لکھو اور اپنے معمولات لکھو کہ مجھ میں یہ یہ عیب ہیں یہ یہ کر رہا ہوں

اب آئندہ میں کیا کروں جیسے اگر طبیب کے پاس ہو تب تو سبحان اللہ اور اگر دور ہو تو خط میں جو حال ہو وہ لکھو اور جو نسخہ وہ تجویز کر کے بھیجے اسے برتو۔ برتنے کے بعد پھر حال لکھو۔

حقوق شیخ

غرض دو چیزوں کا سلسلہ عمر بھر جاری رکھو اطلاع اور اتباع یعنی احوال کی اطلاع اور اوامر کا اتباع۔ اسی طرح اتباع کے بعد پھر اطلاع پھر اس اطلاع کے بعد اتباع پھر اطلاع پھر اتباع غرض۔

اندریں رہ می تراش وی خراش تادم آخر دمے فارغ مباش
(اس راستہ میں خوب کوشش کر۔ آخر دم تک بیکار مت رہ)

یہ تو ساری عمر کا دھندا ہے۔ جب ہماری ساری عمر کی ہے تو علاج ساری عمر کا کیوں نہ ہو گا گو لشتم پشتم ہی سہی حتیٰ کہ دو مہینے ہی میں ایک خط لکھو مگر لکھو ضرور اور یہ لکھتے ہوئے شرماؤ نہیں کہ وظیفہ جو بتایا تھا وہ چھوٹ گیا تھا یا مطالعہ کتب جو تجویز کیا تھا اسے نباہا نہیں یہاں تک کہ فرض نماز بھی فرض کرو قضا ہونے لگی ہو تب بھی شرماؤ نہیں بلکہ اب پھر پڑھنا شروع کر دو اور اطلاع کر دو شرمانا اس رستہ میں ہرگز نہیں چاہئے خواہ کیسی ہی گندی حالت کیوں نہ ہو جائے اس کی بھی اطلاع کر دو۔ ایک دریا تھا اس کے کنارے کے پاس سے ایک ناپاک آدمی گذرا دریا نے اس سے کہا کہ آ میں تجھے پاک کر دوں۔ اس نے کہا تو صاف و شفاف اور میں پلید و ناپاک میرا منہ کیا کہ میں تیرے پاس آؤں پاک ہو کر تیرے پاس آؤں گا۔ دریا نے کہا اچھا جی پاک کروں گا بھی میں ہی اگر تم مجھ سے شرماؤ گے تو ساری عمر ناپاک ہی رہو گے بس ایک دفعہ بے حیا ہو کر آنکھیں بند کر کے میرے اندر کود پڑو مجھ میں ایک موج اٹھے گی اور تمہارے سر پر کو ہو کر اتر جائے گی اور تمہیں ایکدم میں پاک صاف کر دے گی تو اہل اللہ سے اپنا کچا چٹھا کہہ دو۔ بہت سے لوگ اس لئے نہیں کہتے کہ ہماری شان گھٹ جاوے گی ارے ان کے نزدیک تیری شان ہی کیا ہے جو گھٹ جاوے گی بعضے ڈرتے ہیں کہ خفا ہوں گے ارے ان کی خفگی بھی رحمت ہے یہ ساری تکبر کی باتیں ہیں ارے وہ پھانسی بھی دیدیں گے تو اس میں بھی تیری بہتری ہی ہو گی اس واسطے کہ۔

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ   شاد و خنداں پیش تیغش جاں بدہ

(حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) کی طرح اس کے سامنے اپنا سر جھکادے۔ ہنستے کھیلتے اس کی تلوار کے سامنے جان دیدے)

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست   نائب ست او دست او دست خداست

(جو جان دینے والا ہے وہ اگر مار ڈالے تو جائز ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے لئے یہ فعل جائز ہے تو کبھی خود کرتے ہیں کبھی نائب سے کراتے ہیں)

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست   نائب ست او دست او دست خداست

تو اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ غرض خفگی وغیرہ کا بالکل خیال نہ کرو۔ بس اس طرح اس سے تعلق رکھو کہ اگر اس کی طرف سے خفگی ہو نکال دے پھر بھی تعلق قطع نہ کرو۔ وہ نکالدے تو تم مت نکلو اس وقت تو نکل جاؤ مگر پھر آجاؤ پھر نکالدے پھر نکل جاؤ پھر آجاؤ پھر نکل جاؤ پھر آجاؤ غرض اسے چھوڑو مت وہ قصائی نہیں ہے وہ اگر سختی بھی کرتا ہے تو محض تمہاری مصلحت سے کیونکہ

درشتی و نرمی بہم در بہ است   چو رگ زن کہ جراح و مرہم بہ است

(سختی اور نرمی ساتھ ساتھ اچھی ہوتی ہیں۔ جس طرح فصد کھولنے والا کہ نشتر بھی لگاتا ہے اور مرہم بھی رکھتا ہے)

سیر کی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ اے موسیٰ میرے ساتھ اس طرح رہو جس طرح بچہ ماں کے ساتھ رہتا ہے انہوں نے تفسیر پوچھی ارشاد ہوا کہ بچہ کو ماں مارتی ہے مگر وہ بچہ پھر اسی سے چپٹتا ہے مگر یہ علاقہ صرف اس سے رکھو جو واقعی اہل اللہ ہو لیکن چونکہ یہاں سے ہر روز تو خط جاتا نہیں اور وہاں سے ہر روز خط آتا نہیں پھر اس درمیان میں کیا کرو یہ کرو کہ حکایات اور ملفوظات اہل تقویٰ کے مطالعہ میں رکھو بس خلاصہ یہ کہ اہل اللہ کی صحبت میں رہو۔

ضرورت مطالعہ کتب اور اصلاحی خط و کتابت

اگر صحبت میسر نہ ہو سکے تو خط و کتابت کے ساتھ مطالعہ کتب کا بہت غور سے کرو یہ اس کا بدل ہے۔

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

(چونکہ موسم گل ختم ہو گیا اور چمن اجڑ گیا۔ گلاب تو رہا نہیں جس سے خوشبو حاصل ہو اب عرق گلاب سے ہی خوشبو حاصل کرو)

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ   چارہ نبود در مقامش جز چراغ

(چونکہ آفتاب چھپ گیا اور ہم کو داغ دے گیا اس لئے اس کی جگہ اب چراغ سے ہی کام لو)

اسی طرح اگر اس کی مفارقت دنیا سے ہو جائے یا ہم سے ہو جائے یوں ہی کرنا چاہئے۔

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ   چارہ نبود در مقامش جز چراغ

یعنی اگر آفتاب نہ ہو تو میاں چراغ ہی جلا لو کیونکہ ہر جگہ تو آفتاب ہر وقت نہیں رہ سکتا تو خیر اس کا بدل سہی یہ نہ کرو کہ کھاؤں گا گھی سے نہیں جاؤں گا جی سے مطالعہ کتب کی نسبت فرماتے ہیں۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل ست   صراحی مے ناب و سفینہ غزل ست

اصلاح باطن کا آسان طریقہ

نیز اگر شیخ کی صحبت میسر نہ ہو تو پیر بھائی بھی غنیمت ہے اس تعلق کے لئے یہ ضرور نہیں کہ مرید ہی ہو جاؤ بس اپنے کو سپرد کر دو۔ کیونکہ غلام نے کسی کے صحبت اہل اللہ اور ان کے عجائے ان کے ملفوظات کے متعلق عارف شیرازی کی رائے مجھ کو بہت ہی پسند آئی فرماتے ہیں۔

مقام امن و مئے بے غش و رفیق شفیق   گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی اطمینان کی جگہ اور ذکر و شغل اور کسی محقق اور مشفق شیخ کی صحبت ہمیشہ میسر رہے تو کیا بات ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است   صراحی مے ناب و سفینہ غزل ست

صراحی مے ناب ذکر اللہ ہے اور سفینہ غزل ہو یہ ملفوظات ہیں بزرگوں کے حضرات میں نے یہ ایک دستور العمل مختصر سا تجویز کر دیا ہے جو کسی پر بھی دشوار نہیں اور اگر اس پر بھی عمل نہ کیا تو پھر میں یہ کہوں گا۔

جو اس پر بھی نہ وہ سمجھے تو اس بت کو خدا سمجھے

خوب سمجھ لیجئے حجت اللہ ختم ہو چکی ہے اب آپ کے پاس کوئی عذر نہیں رہا ہے خدا کے سامنے یہاں تک تو آپ کو رخصت دیدی گئی کہ اگر عمل کی طرف توجہ نہیں ہے تو اس بے توجہی عمل کا اقرار اور توجہ پیدا ہونے کی دعا تو کر لیا کرو۔ یہ اخیر بات ہے اب اس سے آگے اور کیا چاہتے ہو۔ غرض یہ ہے اسلام کی تفسیر اور اس کی تکمیل کی تیسیر۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔ دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ ہمت قویہ اور فہم سلیم عطا فرمائیں (پھر ہاتھ اٹھا کر اس طرح دعا شروع کی اللھم وفقنالما تحب و ترضی پھر آہستہ آہستہ دعا مانگتے رہے بعد ختم دعا احقر سے فرمایا ۱۲ کاتب) اس بیان کا نام ملت ابراہیم مناسب ہے کیونکہ مولوی صاحب (یعنی خطیب جامع مسجد مولوی محمد ابراہیم صاحب راندیری محرک سفر وعظ ۱۲ کاتب) کا یہی نام ہے (اس کے بعد اعلان کیا گیا کہ اتوار کے دن آٹھ بجے دن کو مدرسہ میں وعظ ہو گا)

مختصر کیفیت وعظ

الحمد للہ رنگون کا یہ پہلا وعظ جو نہایت زور و شور کے ساتھ ڈھائی گھنٹہ تک ہوتا رہا ختم ہوا۔ بفضلہ تعالیٰ بہت زیادہ مجمع تھا جس کا تخمینہ زائد از دو ہزار کیا گیا سب لوگ نہایت متاثر تھے اور نہایت سکون کے ساتھ سنتے رہے بعد وعظ بعد اشتیاق کے ساتھ لوگوں نے مصافحہ کیا ایک دوسرے پر گرتا تھا بڑی مشکل سے وار آتا تھا حضرت نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے تھے اور لوگ تھے کہ مشتاقانہ بڑھ بڑھ کر چوم رہے تھے اور پروانہ وار ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے تھے ایسے موقع پر حضرت پر ایک عجیب حالت انکسار اور تواضع کی طاری ہو جاتی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت دوران مصافحہ میں ہر شخص کی طرف نظر توجہ بھی ڈالتے جاتے ہیں جیسا کہ دیکھنے والے پر مخفی نہیں رہتا۔ غرض عجیب دلفریب منظر ہوتا ہے اور اس وقت حضرت پر ایک عجیب شان محبوبیت برستی ہے۔ ختم شد۔